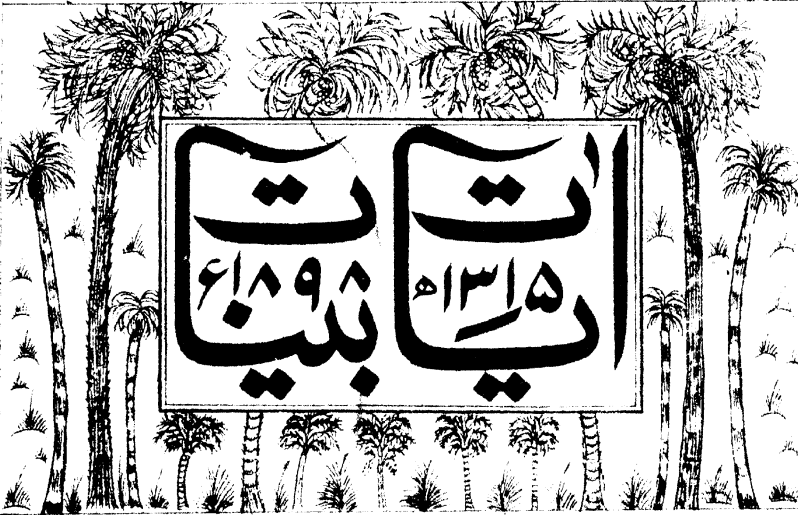


القول الفصل في هبنا

بحسن توفيق خداوند عالم و طفیل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
باحقاق مذہب اہل سنت و ابطال عقائد اہل تشیع بمقدمہ باغ فدک اول جزو حصہ دوم

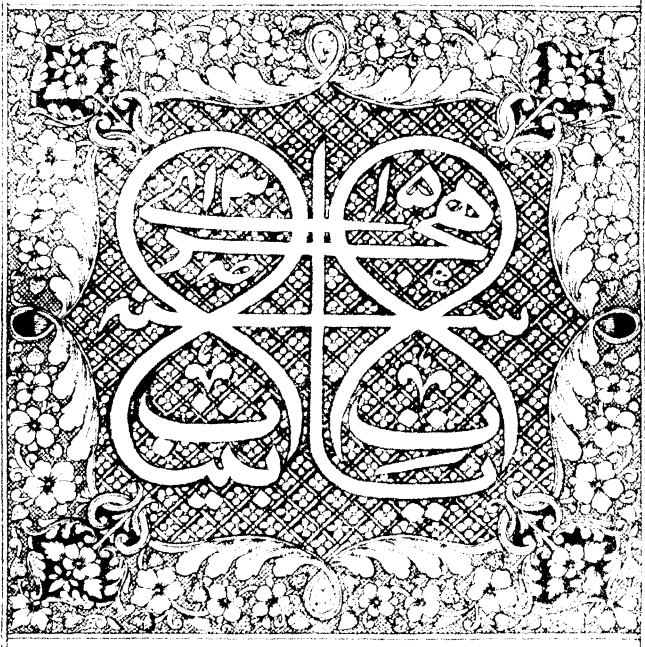


حسب اصول مسترکہ اہل حدیث فریقین تصنیف لطیف و تالیف نیت جناب
نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید محمد مدعی خاں صاحب بہادر عمر فیضہ

مطبع مصطفیٰ قلع کھنکھ ہوا
۱۳۱۵ھ

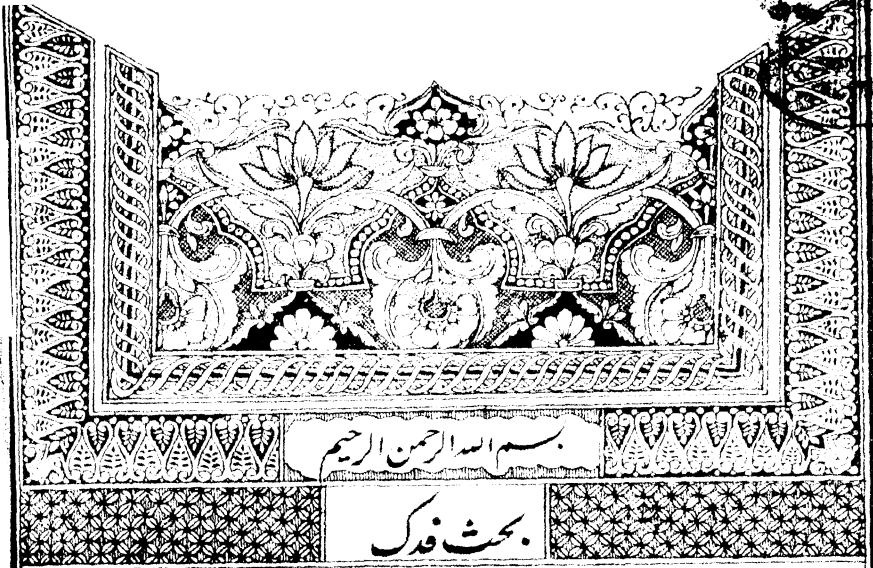
مَرْبُوتٌ كُلٌّ عَلَى اللَّهِ وَهُوَ سَيِّدُهُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ طبع در سن ۱۳۱۵ هجری قمری در تهران در مطبعه محمد علی قزوینی



تأليف: محمد بن عبد الوهاب بن خلف بن محمد بن عبد الوهاب بن عثمان بن محمد بن مصطفى خان غفر له الملائكة

مطبعه و در انجمن مصطفی طبع در سن ۱۳۱۵ هجری قمری در مطبعه محمد علی قزوینی



اگر یہ بعد بیان کرنے فضائل صحابہ کرام کے اور خدا کی شہادت اور رسول کی گواہی اور اماموں کے اقوال سے اسے پایہ ثبوت پر پہنچا دینے کے مطاعن کا ذکر کرنا اور اسکی تردید پر متوجہ ہونا غیر ضروری ہے۔ مگر اس خیال سے کہ حضرات شیعوں نے اسکے متعلق ہماری دیتوں اور اقوال کو سزا پیش کیا ہے۔ اور عوام کو اپنی کتابوں کا نام سنکر اور اپنے بیانی کی روایتیں دیکھکر دلجان پیدا ہوتا ہے اور شک و شبہ کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے ہمارے علماء کرام نے اسے ضروری خیال کیا ہے کہ ان مطاعن کی تردید کی جائے۔ اور مغالطہ اور دھوکے کا وہ لباس جو اس قسم کے اقوال اور روایتوں کو پہنایا گیا ہے دور کر دیا جائے۔ اور اصلی حقیقت انکی بنا دیکھ جائے۔ ہم بھی تقلیداً للعلما، الکرام مطاعن صحابہ بحث کرتے ہیں۔ اور چونکہ ان مطاعن میں فداک اور قرطاس کی بہت شہرت ہے اس لئے سب سے اول انھیں دوضروری بحثوں کو ہم لکھتے ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ اصل بحث کی طرف متوجہ ہوں چند تہدات کا لکھنا ضروری دیکھتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الذی یبالیغ
الطریقۃ الی
موتی فی الدنیا
والباقی فی الآخرة
سیدنا محمد بن
عبدالواحد

پہلا مقدمہ

کوئی نبی اور کوئی امام اور کوئی بزرگ کسی مذہب میں بلکہ کوئی نامور آدمی کسی مکتب میں ایسا نہیں ہو جیسے معاندین نے اعتراض کئے ہوں اور اسکی نیک باتوں اور عمدہ کاموں کی عداوت کی نظر سے دیکھ کر برا نہ جانا ہو۔ اور انکے دوستوں کے دلوں میں شبہ پیدا کرنے کے لئے اونکی بعض غلطیوں اور لغزشوں کو نہایت آب و تاب سے بیان کر کے اوستے اون کی بنیاد سے منسوب کیا ہو۔ یہودیوں کو دیکھو کہ وہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام پر کیسے طعن کرتے ہیں۔ اونکی ولادت کی نسبت اپنی ناپاک زبانوں سے کیا کچھ کہتے ہیں اونکے معجزات کو کس طرح سحر و افسون سے منسوب کرتے ہیں۔ اور اونکے حواریوں کو کیا سکار جابلہ نما باز جانتے ہیں عیسائیوں کو دیکھو کہ وہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰت و التحیات پر عیاری اور طعش و نیاوی کی کیسی تمہتیں لگاتے ہیں۔ اور آپسے متم مکام اخلاق کی نسبت کیسی زبان درازی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عیاذاً باللہ ایسے بادی اور دنیا کے رہنما کو گراہ کینندہ عالم سمجھتے ہیں۔ خوارج و نو اصب پر خیال کہ وہ اہل بیت کرام علیہم السلام کو کیسا برا جانتے ہیں۔ جناب امیر المؤمنین اور حضرت سیدۃ النساء اور حضرات حسنین علیہم السلام کو جو کہ آنحضرت صلعم کے جگر کے کڑے تھے۔ اور خدا اور اس کے محبوب کے پیارے۔ انھیں جو معاذ اللہ کافر کہتے ہیں۔ کذبت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یتقوا لکن اباہ اور اونسے عداوت رکھنے اور اوپر تبرہ کر نیکی ذریعہ نجات خیال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان اشقیاء میں سے بعض نے ابن طلحہ ملعون کی شان میں جو اشقی اللہ لیرین الآخین تھا قصید لکھے۔ اور جناب امیر کے شہید کرنے کو افضل ترین عبادت جانا جیسا کہ عمر ان بن حیطان جو خوارج کا سردار اور اونکا بڑا شاعر تھا ابن طلحہ کی نسبت کہتا ہے

عمر ان بن حیطان
جو اشقی اللہ لیرین
الآخین تھا
قصید لکھے

یا ضریۃ تقی ما اراد بها الا انی لا ذکرہ حینا فاحسبہ	لیبلغ من ذمی العرش رضوانا اوفی البریۃ عند اللہ میزلنا
<p>یعنی کیا اچھی ضرب ہے ایک مرد متقی (ابن طہم) کی جس سے کوئی غرض اور سکی سوا اسے اسکے نہ تھی کہ صاحب عرش برین کی خوشنودی حاصل کرے۔ مین جب او سے یاد کرتا ہوں تو ساری نطق سے اسکے ثواب کا پلہ خدا کے نزدیک بجاری پاتا ہوں، غرض کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ دشمن ہنز کو عیب سمجھتا ہے ۵</p>	
چشم بر اندیش کہ بر کند رہا	عیب من اید ہنزش در نظر
<p>یہی حال حضرات شیعہ کا ہے۔ نقصب اور تقلیدی خیالات سے انصاف اور غور کا مادہ گویا اون سے سلب ہو گیا ہے۔ اور زبانی محبت اہل بیت کے غلو سے اون کے قدم جاوید اعتدال سے نکل گئے ہین۔ وہ کوئی خوبی اور کوئی صفت صحابہ کی نہیں دیکھتے۔ اونکی اچھی بات بھی اونکو بری معلوم ہوتی ہے۔ اور اون کے ہنز بھی اونھیں عیب نظر آتے ہین۔ اگر کوئی تعجب کرے کہ باوجود آیات و احادیث و اقوال ائمہ کے کیونکر ایک فرقہ مسلمانوں کا صحابہ کے فضائل کا منکر ہوا۔ او سے چاہئے کہ یہود و نصاریٰ نو منصب و خوارج کے طالع نظر کرے۔ کیا وجہ ہے کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف تو ریت میں دیکھتے تھے۔ اور آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ اور آپ کو ایسا پہچانتے تھے کما یعرفون انباءہم۔ اور جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو دشمن بن گئے۔ اور آپ کی صفات کے چہانے۔ اور آپ کی نسبت نلفظ الزام لگانے میں کوئی دقیقہ عدالت کا باقی نہ رکھا۔ اور کیا سبب ہے کہ مسانی با آنکہ انجیل میں جناب سرور کائنات علیہ التحیات و الصلوات کی بشارت تفصیل سے دیکھتے۔ اور یا یٰ محمد بن عبدی السلام انتم ائمتہ علیہ السلام کی زبان سے سن چکے تھے۔</p>	

یہی حال حضرات شیعہ کا ہے۔ نقصب اور تقلیدی خیالات سے انصاف اور غور کا مادہ گویا اون سے سلب ہو گیا ہے۔ اور زبانی محبت اہل بیت کے غلو سے اون کے قدم جاوید اعتدال سے نکل گئے ہین۔ وہ کوئی خوبی اور کوئی صفت صحابہ کی نہیں دیکھتے۔ اونکی اچھی بات بھی اونکو بری معلوم ہوتی ہے۔ اور اون کے ہنز بھی اونھیں عیب نظر آتے ہین۔ اگر کوئی تعجب کرے کہ باوجود آیات و احادیث و اقوال ائمہ کے کیونکر ایک فرقہ مسلمانوں کا صحابہ کے فضائل کا منکر ہوا۔ او سے چاہئے کہ یہود و نصاریٰ نو منصب و خوارج کے طالع نظر کرے۔ کیا وجہ ہے کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف تو ریت میں دیکھتے تھے۔ اور آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ اور آپ کو ایسا پہچانتے تھے کما یعرفون انباءہم۔ اور جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو دشمن بن گئے۔ اور آپ کی صفات کے چہانے۔ اور آپ کی نسبت نلفظ الزام لگانے میں کوئی دقیقہ عدالت کا باقی نہ رکھا۔ اور کیا سبب ہے کہ مسانی با آنکہ انجیل میں جناب سرور کائنات علیہ التحیات و الصلوات کی بشارت تفصیل سے دیکھتے۔ اور یا یٰ محمد بن عبدی السلام انتم ائمتہ علیہ السلام کی زبان سے سن چکے تھے۔

اور رات دن اپنی کتاب میں اوسے پڑھتے تھے۔ مگر جب آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ تو اون کو
بشارتوں کو چھپانے۔ اور انجیل کی اون آیات کی جن میں آپ کا نام اور خبر تھی غلط تاویلین
کرنے لگے۔ اور اپنے نبی کے قول سے بھی پھر گئے۔ اور کیا باعث ہے اس کا کہ خوار مجاہد
جاننے اس بات کے کہ اہل بیت کرام پیغمبر کی جان و جگر ہیں۔ قرآن اور حدیث میں اون کی
فضیلتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اونکے دشمن ہو گئے۔ اور اونکو جو بہترین خلق خدا تھے
نمودا باللہ سب سے برا جاننے لگے۔ یہاں تک کہ اون پر کفر و فسق کے الزام لگانے سے بھی
باز نہیں۔ یہی سب ان گناہ و فریاد کی گراہی کا سبب یہی سبب حضرات امامیہ کا صحیح
گرام سے عداوت رکھنے اور ان پر عیب لگانا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ اٰلِهِٖ وَصَحْبِهِٖ وَسَلَّمَ

دوسرا مقدمہ

وہ باتیں جو حق اہل بیت کے عصب کے تلخ راہیہ بیان کرتے ہیں اگر صحیح
تعمیر یا بین تو اوسے سے تمام مہاجرین و انصار اور کل اصحاب نبوی کا اسلام اور ایمان اور
انطلاق کھانا انسانی سلامت سے ہٹا دینا لازم آتا ہے کہ انکار کر دہ شخص کو کبھی سبب جنوں سے
باز رکھتے اور اس بیت الطہار پر ظلم کرنے میں اونکے ساتھ نہ تکیا دے مین نورے۔ یا وہ وہ نسبتہ
اعانت آل رسول سے چشم پوشی نہ کرتے۔ تو وہ شخص اور دنیا اونکے ساتھ کو کبھی سبب جنوں سے
تھے۔ اور اونھیں اپنے ظلم و ستم میں کس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔ یہاں تا وہ مہاجرین
و انصار اور صحابہ کرام کو اسلام سے اور ایمان و انطلاق سے بے ہودہ سمجھنا۔ گو یہ نسبتہ
مقصود حضرات امامیہ کا ہے۔ مگر اون خوفناک نتیجوں پر غور زمین کرتے جو اس بات کے

ماننے سے پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ اسے صرف سماج کی ذات تک محدود سمجھ کر اس کے دعویٰ کرنے میں کچھ پس و پیش نہیں فراتے۔ مگر وہ شخص جسکو خدا نے تھوڑی سی بھی سمجھ دی ہے۔ اور جسکے قواسم عقلی تعصب اور تقلید کے بوجھ میں وہ نہیں گئے۔ ضرور اون خوفناک نتیجوں کے خیال سے ڈریگا۔ اور اسلام پر اسکا نہایت ہی برا اثر دیکھ کر الامان الامان چارے گا۔ اس لئے کہ قرآن کے کلام الہی اور حضرت صلعم کے مہد من اللہ ہونے کا برا ثبوت جو کچھ دیا جاتا ہے۔ اور جسے زندہ معجزہ کہتے ہیں۔ وہ صرف یہ ہے کہ قرآن نے لوگوں کے دلوں پر بہت بڑا روحانی اثر کیا۔ اور آنحضرت صلعم کی ہدایت سے عرب کی حالت میں ایک عظیم تبدیلی پیدا ہو گئی۔ قرآن مجید میں لوگوں کے دلوں کی تسخیر اور روحانی اور اخلاقی تعلیم کی وہ قوت تھی جس نے حیرت انگیز ربانی کرشمے دکھائے۔ اور دائم الاثر حقائق نتیجے پیدا کیے۔ اور اس کے نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جس کلام کے ایسے عظیم الشان اور قومی اور قائم نتیجے ہوں وہ بلاشبہ خدا کا کلام ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات کی نسبت یہی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آپ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے۔ جبکہ دنیا ایک عجیب روحانی حالت میں تھی۔ اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا۔ اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمے کی گئی۔ جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بد اخلاقی اور نفاق اور جنگ جونی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے۔ مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے انکی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں۔ برسوں کے ہلکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے۔ اور مدتوں کے سوئے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پرٹے۔ جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے۔ جو کافر تھے وہ ایمان لے آئے۔

جو بت پرست تھے وہ بت شکن بن گئے۔ جو کلمہ تھے وہ خدا کی راہ دکھانے لگے۔ جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ
عصبیت کا اونہیں نام نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ غرور و نخوت سے
خالی ہو گئے۔ اور اونکے دل صبر و توکل۔ علم و بردباری۔ زہد و پرہیزگاری۔ اور جمیع اخلاقی صفات
سے بھر گئے۔ آپلی تعلیم اور ہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست۔ پاک طبیعت۔ استباز نیک
دل۔ لوگوں کا قایم کر دیا جنکی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نامی عرب
میں گونج رہی تھی بند ہو گئی۔ اور اوسکے بدلے ایک بے چون و بے چگون۔ بے شہ و بے نمون۔
خدا کی مناد می پھر گئی۔ جنون نے عدم کاراستہ لیا۔ بتخانوں کا نشان مست گیا۔ آتشکدے
ٹھنڈے ہو گئے۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور ہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا۔ بِنَاءِ الْحَقِّ
وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا اور اس سے اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ آپ حقیقت
میں سچے رسول اور خدا ہی کی طرف سے مودیتے تھے۔ ورنہ انسان کا کام نہ تھا کہ وہ ایسا انقلاب عظیم
کی روحانی اور اخلاقی حالت میں پیدا کر دیتا اور ایسے جنگ جو ستم پیشہ لوگوں کو جو بات پر
لڑتے اور جھگڑتے تھے۔ اخوت کے ایک رشتہ میں بانڈھ دیتا۔ اور اونکی پشتینی عداوتوں اور
کینوں سے اونکے دلوں کو ایسا صاف کر دیتا کہ اوس کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ بلکہ دنیا میں اونکو مطلق
اور انسانیت کا نمونہ بنا دیتا۔

قرآن مجید کے اس حیرت انگیز نتیجے اور سرور کائنات علیہ السلام کی ابدیت کے یہی
عجیب و غریب تاثیر کو دیکھ کر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ حقیقت یہ بات بشری قدرت
سے خارج تھی۔ چنانچہ کوئی اونہیں سے کہتا ہے کہ وہ پیام جو آپ لائے وہ ایک سچا و حقیقی پیام تھا
جسکا مزاج وہی ہستی تھی جسکی تمنا کبھی کسی نے زمین باپنی کو می لکھتا ہے کہ قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے
کہ عرب کے رہنے والے ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو۔ مقصد کے مقصد عیسائیوں نے

۱۲
بہارِ حیات اور
تعمیرِ عالم کا جو
مقصد ہے وہ
انسانی عقل بھانپ
والا ۱۲ موضع
بارہ ۱۵ سورت
ہی اسرارِ حیات
رکوع ۹

سخت ماسخت مغضوب یا تورا کر کتابہ کہ زمین سمجی کی ابتدا سے آنحضرت کے وقت تک سمجی جاتا۔
 روحانی ایسی بالکلیتہ نوعی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی۔ مگر یہ دائم الاثر تاثر قرآن کی
 اور یہ غیر زوال پذیر اثر آنحضرت صلعم کی صحبت و ہدایت کا اوسی وقت تک مانا جاسکتا ہے جبکہ
 ہمارے عقائد کے موافق صحابہ کرام خصوصاً ماجرین و انصار سب سے اول ایمان لائیے۔
 اسلام میں پکے۔ اطلاق میں انسانیت کا نمونہ۔ پاک ولی اور نیک نبی اور راستبازی میں
 کامل مانے جائیں۔ مگر شیعوں کے اصول کے مطابق یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ عجیب و غریب
 انقلاب جو آپ کی صحبت اور ہدایت سے صحابہ کی حالت میں ہوا تھا عارضی تھا۔ اور وہ
 اثر جو قرآن کی تعلیم نے اونپر کیا تھا ناپائیدار تھا۔ وہ دل جو وحی و الہام کی برکت سے پاک
 ہو گئے تھے جلد ارتداد کے لوٹ سے لوٹ ہو گئے۔ اور وہ لوگ جو شیخ نبوت کے پروردانہ تھے
 اسلام اور ایمان کو جلد خیر باد کہ بیٹھے۔ وہ خدائی روشنی جسے سیکڑوں دل روشن کر دیے
 تھے جلد بجھ گئی۔ وہ حجاب نفاق و کفر کا جو انکے دل سے اٹھ گیا تھا پھر انکے دلوں پر
 پڑ گیا۔ اور مشکوٰۃ نبوت کی وہ شعاعیں جو ماجرین و انصار کے دماغ پر پڑیں تھیں جلد اٹل
 ہو گئیں۔ اور وہ خدائی آواز جو یاران نبوی نے دل کے کانون سے سنی تھی جلد بند ہو گئی۔
 ایسی حالت میں میں نہیں سمجھتا کہ وہ عظیم اور حیرت انگیز نتیجے جو خدا کے کلام کے بیان کیے جاتے
 ہیں۔ اور وہ عجیب تاثر آپ کی وعظ و ہدایت کی جسکی دنیا میں دھوم ہے کیونکر صحیح سمجھی جاگی۔
 اور اسلام کی وہ خوبی جس کا غلطہ زمین سے آسمان تک پہنچا کمان باقی رہیگی۔

اِنَّیْ یَوْمَ کُوْنَ ۝

شیعوں کے اس خیال کے مطابق اگر خدا کے کلام کو دیکھیں تو معاذ اللہ وہ جھوٹا نظر

آتا ہے۔ اور جبکہ محامد و صفات اوس میں بیان کیے گئے ہیں وہ بہترین خلائق بنا جاتے ہیں

کمان چکنا چک
 کمان چکنا چک
 سے اوجھ
 اوجھ
 و شون
 کمان چکنا چک
 کمان چکنا چک
 کمان چکنا چک
 کمان چکنا چک

جب ہم خدا کے کلام پر نظر کرتے ہیں تو اس کے اس خیال کے مطابق پاتے ہیں جو محاکمہ لام کی نسبت
 ہمارا ہے۔ اور انہیں خوبوں سے اور کو متصف پاتے ہیں جسکا ہم او کی نسبت عقائد رکھتے ہیں۔
 ہم دیکھتے ہیں کہ مین خند او کے ایمان اور عبادت کی نسبت فرماتا ہے۔ **مُحَمَّدٌ مَرْسُؤْلٌ لِّلّٰہِ وَالَّذِیْنَ
 مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰی الْکَفّٰرِ حَمَآءٌ بَیْنَهُمْ تَرَ کُمْ رُکَّعًا سَیِّئًا یَّبْتَغُونَ فَضْلًا
 مِنْ اللّٰہِ وَجُؤَانَا هَکَیْنِ اَبُو کَیْ شَانِ مِیْنَ کِتَابِ سَیِّمَآهُمُ فِی وَجُوْهِہِم مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ
 لِذٰلِكَ مَثَلُہُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَمَثَلُہُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَیْ سِیْنِ وَاوَلٰی سَیِّئًا یَّبْتَغُونَ فَضْلًا
 ظَاہِرٌ کَرِہٰتٌ وَّاَلْسِنٌ مِّنَ الْمَطْہَرِیْنِ وَاَلْاَصْوَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُمْ یَلْمِزُوْنَ
 اَبٰی اللّٰہِ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَیْنُوْا وَاَعْدَآءُ لَّہُمْ جَنَّتِ جَحْرِیْ تَحْتَہَا الْاَنْہَرُ خِلَافِہِمْ فِیْہَا اَبْدَا
 کَیْ سِیْنِ اَوْنِ کَیْ مَصَآئِبِ اَوْرِ کَلِیْفِ بِرُصَلْمَیْنِ کِیْ شَارَتِ اِسْ طَرِحْ سَاثَاہُ۔ فَالَّذِیْنَ ہِجْرُوا وَاَحْزَبُوْا
 مِنْ دِیَارِہِمْ وَاَوْدُوْا فِی سَبِیْلِہِمْ وَقَتَلُوْا وَقَتِلُوْا الْاَکْکٰفِرِیْنَ عَنْہُمْ سَبِیْطًا یَّقِیْمُوْنَ وَلَا ذِکْرَہُمْ
 جَنَّتِ جَحْرِیْ مِّنْ تَحْتَہَا الْاَنْہَرُ ہَکَیْ سِیْنِ وَاوَلٰی سَیِّئًا یَّبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنْ اللّٰہِ
 مَغْفِرٰتِ اَوْرِ رَزَقِ کَرِیْمِ کَاوَعَدَہُ اِن لِّفِظُوْنَ سَہُ فَرَمَاتَاہُ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھِجْرُوا وَاَوْجَہُہَا
 فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اَوْوَوْنَ وَنَصَرُوْا اُولَئِکَ ہُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَّہُمْ مَّغْفِرَةٌ
 وَرِزْقٌ کَرِیْمٌ ہَکَیْ سِیْنِ وَاوَلٰی سَیِّئًا یَّبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنْ اللّٰہِ مَغْفِرٰتِ اَوْرِ رَزَقِ کَرِیْمِ
 لَکِنَّمَا خَیْرٌ اٰمَنَ اٰخِرٌ حَیْتَ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ
 کَیْ سِیْنِ وَاوَلٰی سَیِّئًا یَّبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنْ اللّٰہِ مَغْفِرٰتِ اَوْرِ رَزَقِ کَرِیْمِ کَاوَعَدَہُ اِن لِّفِظُوْنَ سَہُ
 اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِمَّنْکُمْ وَاَعْمَلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفُوْہُمْ فِی الْاَرْضِ کَیْ سِیْنِ وَاوَلٰی
 کَثْرَتْ بِرِبْوَ یَبْخِیْنِ کِیْ اِن لِّفِظُوْنَ سَہُ فَرَمَاتَاہُ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھِجْرُوا وَاَوْجَہُہَا
 فَاسْتَنْطَظْ فَاسْتَوٰی عَلٰی سَوَاقِ یُحِیْرِ الرَّزَّاعِ لِیَغِیْطَ ہُمْ الْکَفّٰرِ کَیْ سِیْنِ وَاوَلٰی
 کَثْرَتْ بِرِبْوَ یَبْخِیْنِ کِیْ اِن لِّفِظُوْنَ سَہُ فَرَمَاتَاہُ۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھِجْرُوا وَاَوْجَہُہَا**

سورہ بقرہ کلام پر نظر کرتے ہیں تو اس کے اس خیال کے مطابق پاتے ہیں جو محاکمہ لام کی نسبت ہمارا ہے۔ اور انہیں خوبوں سے اور کو متصف پاتے ہیں جسکا ہم او کی نسبت عقائد رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مین خند او کے ایمان اور عبادت کی نسبت فرماتا ہے۔

میں نے اپنی کتاب میں جو کلام لکھا ہے اس کے مطابق پاتے ہیں جو محاکمہ لام کی نسبت ہمارا ہے۔ اور انہیں خوبوں سے اور کو متصف پاتے ہیں جسکا ہم او کی نسبت عقائد رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مین خند او کے ایمان اور عبادت کی نسبت فرماتا ہے۔

اور انہیں خوبوں سے اور کو متصف پاتے ہیں جسکا ہم او کی نسبت عقائد رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مین خند او کے ایمان اور عبادت کی نسبت فرماتا ہے۔

يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۚ اور انکے غلبہ و نصرت پر اَنَا جَمْعُ فَتْحًا أَقْرَبِيًّا ۚ وَمَعَانِيمَ كَثِيرَةً
 يَا خذُ وَهَمَّاهُ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۚ اور انکے خیالات صحابہ کرام کی نسبت صحیح میں تو ان آیتوں کی تکریب
 لازم آتی ہے۔ اور اگر یہ صرف اہل بیت کی شان میں سمجھی جائیں۔ یا اون کی نسبت جو بغیر خدا صلی اللہ علیہ
 وسلم کے سامنے انتقال کر گئے تھے۔ یا اون کی شان میں جو حسب علم شیوعہ چین تک مرتد ہو کر ہر ایسے المؤمنین کے
 شریک ہو گئے تھے۔ تو اس سے خدا کے کلام میں گویا تحریف معنوی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ و کیف
 يجوز لاحد من المسلمين ان يتكلم بمثل هذا او يبدل كلام الله من تلقاء نفسه۔
 ويصح فلهن موضعہ۔ فیا حسرتہ علیہم لہم لا يتفكرون فی ہذا الا آیات الیس فیہم رجل رشید
 اور اگر ہم آیات قرآنی اور مذہب ہی خیالات سے درگزر کریں اور صرف انسانی عقل کو کام میں لائیں
 تو شیوعہ کے عقیدے کے موافق مذہب اسلام سب مذہبوں سے زیادہ کمزور۔ اور اس کے بانی
 کے وعظ و ہدایت کا اثر دیگر مذاہب کے پیرواؤں کی نسبت زیادہ ضعیف معلوم ہو۔ کیونکہ جب ہم
 اس بات کو مانیں کہ وہ لوگ جنہوں نے بلا واسطہ قرآن سنا اور جبریلؑ کا آنا دیکھا۔ اور آپ کی
 صحبت کا فیض حاصل کیا۔ اور سب سے اول ایمان لائے۔ اور آپ کے بعد بھی ساری عمر
 اشاعت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ میں صرف کرتے رہے۔ وہ سب کے سب الاقلیٰ منہم اپنے پیرو
 کے انتقال فراتے ہی بدترین افعال کی طرف جھٹک پڑے۔ اور دیانت و صداقت کے
 وہ اخلاقی جوہر جس سے اون کے دل فریب اور زین ہو گئے تھے۔ اون کے سینوں سے
 ایک نخت جاتے رہے۔ تو سو اسکے کیا نتیجہ اس سے ہم نکال سکتے ہیں کہ مذہب اسلام جو
 بہترین مذہب کہا جاتا ہے۔ سب مذہبوں میں ذلیل۔ اور امت محمدی جو سب امتوں میں
 افضل سمجھی جاتی ہے۔ دیگر امتوں سے برتر ہے۔ اس لیے کہ جب ہم دوسرے مذہبوں پر

اس میں غلبہ نہیں ہے بلکہ حق و باطل کے درمیان میں ہے اور اس کے لیے جتنی بھی دلیل اور حجتیں دی جاتی ہیں، ان کے ساتھ ساتھ ہی اور بھی دلائل اور حجتیں دی جاتی ہیں۔

نظر کرتے ہیں میان تک کہ بدھ اور ہنود اور چین اور پارسی فرقہ کے ابتدائی معتقدین کے حالات سنتے ہیں تو ہم کسی مذہب میں یہ نہیں دیکھتے کہ ان مذہب کے ابتدائی معتقدین نے اپنے پیشواؤں کی ہدایت اور نصیحت کو اس قدر جلد بھلا دیا ہو۔ اور ان کے احکام سے ایسی سرتابی کی جو جیسے کہ اسلام کے ابتدائی ماننے والوں کی نسبت حضرات شیعہ بیان کرتے ہیں۔ جب ہم مشرکین اور کفار کے مذہب میں مثال نہیں پاتے۔ اور ان کے طبقہ اولیٰ کو اپنے رہنما کے بتائے ہوئے رستے سے ایسا بھٹکتا اور گمراہی کے قعر میں ایسا گرتا ہوا نہیں دیکھتے۔ اور شیعوں کے قول کے موافق اس قسم کی خیالات اور بدظناتی اور بد اعمالی کو اسلام ہی کے پہلے طبقہ میں پاتے ہیں۔ تو سو اس کے کیا چارہ ہے کہ ان کے اصول کے موافق مذہب اسلام کو قدرت کے اس علم قاعدے سے بھی متشنی سمجھیں۔ اور ان کے بانی کے وعظ و ہدایت کو ایسا کمزور و ضعیف مانیں کہ ایک لاکھ جو میں ہزار مسلمانوں میں سے سوائے تین بار کے کسی پر وہ اپنا اثر قائم نہ کر سکا اور نہ بجز چند عزیزوں اور دو چار غیبار کے کسی کو اتنا اور محبت الی الگ سے روک سکا۔ اور یہ وہ باتیں ہیں کہ مسلمان تو ایک طرف مخالفین اسلام بھی غلط سمجھتے ہیں۔ اور ان کو بھی صحابہ کے حالات نے اس کفن پر مجبور کیا ہے کہ وہ ان کو نہ صرف بجا مومن سمجھیں بلکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے اصحاب و حواریں پر بھی فضیلت دیں۔

اگر کوئی شخص دن تحریروں کو دیکھے جو منکرین نبوت نے باوجود انکار نبوت کے اسلام کی نسبت اور صحابہ کرام کی متعلق کی میں تو بے اختیار اسکے دل سے یہی آواز نکلے گی کہ ان مسلمانوں جو صحابہ کو مرتد و کافر و منافق سمجھتے ہیں وہی زیادہ منصف اور سمجھدار ہیں جو صحابہ کی نسبت غیر متعصبانہ راہی ظاہر کرتے ہیں۔ دیکھو سرور الیم سور ایسے متعصب عیسائی کیا لکھتے ہیں۔ اور واقعات نے ان کو کس چیز کی تحریر پر مجبور کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب لہف آف محمد۔ کی جلد دوم میں لکھتے ہیں۔ کہ ہجرت سے تیرہ برس پہلے کہ ایک فلیل حالت میں بے جان پڑا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی اثر عظیم پڑا ہوا

فیصلت صحابہ کرام کو ہم کو روزی و نسیان

کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدا سے واحد کی پرستش اختیار کی۔ اور اپنے عقائد کے موافق جی آئی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اسی تا درمطلق سے بکثرت و شدت دعا مانگتے۔ اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے۔ اور حسنات و خیرات اور پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب اونھیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہماری ادنیٰ حوائج کا بھی خبر گیران ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں ہر ایک متعلقہ زندگانی میں۔ اور اپنی خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثے اور تغیر میں۔ اسی کے قدرت کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر اس نئی روحانی حالت کو جس میں خود شمال اوجھ کنان رہتے تھے۔ خدا کے فضل خاص و رحمت با اختصاص کی علامت سمجھتے تھے۔ اور اپنے کو رباطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیے ہوئے خیال ان کی نشانی جانتے تھے۔ محمد کو جو ان کی ساری امیدوں کے ماخذ تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے۔ جو ان کے ربّ عالی کے لائق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں کہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت و ہلاکت تھے۔ مسلمانوں نے ان مصیبتوں کو حلّٰیٰ شکیبائی سے برداشت کیا۔ اور گواہیا کرنا ان کی ایک مصلحت تھی مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کے بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ اکیسومرد اور عورتوں نے اپنا گھر باڑھ چھوڑا۔ لیکن ایمان عزیز سے اپنا مومنہ نہ موڑا۔ اور جب تک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہوئے جس کو ہجرت کہتے۔ پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی کہ اونہیں نبی ہی شامل تھے اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو ان کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے۔ اور یہاں بھی اسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ایک برداری واسطے ان لوگوں کے جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی۔

ایک دوسرا عیسائی فاضل کا دوسری سیکشن اپنی کتاب موسوم بہ۔ ابا لوجی فرام محمد۔ میں لکھتا ہے کہ باوجودیکہ محمد اور عیسیٰ کی ابتدائی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں جنہیں عجیب مشابہت باہلواتی ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جنہیں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً عیسیٰ کے اول باڑہ مریدوں کو نام تیزیت یافتہ و کم رتبہ مانا گیا ہے۔ بخلاف محمد کے اول مریدوں کے کہ بجز اسکے غلام کے سب لوگ بڑے ذمی و جاہت تھے۔ اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اس زمانہ میں جو کچھ انہوں نے کام کئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اول درجہ کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالباً ایسے نہ تھے کہ باسانی دھوکہ کھا جاتے۔ عیسیٰ کے اول مریدوں کی کم رنگی کو موشیم صاحب بن عیسیٰ کی خوبی سمجھتے ہیں۔ مگر سچ بوجھو تو میں مجبور می مقرر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول محققین میں سے ہوتے تو مجلو بھی اطمینان کامل دیا ہی ہوتا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ ایک ہی سے مختلف شخصوں کو کسی مختلف معلوم ہوتی ہے۔

بڑے مشہور مورخ گبن نے بیان کیا ہے کہ پہلے چاروں خلیفوں کے اطہار کیسیان صاف اور ضرب المثل تھے۔ اونکی سرگرمی و دلوری اخلاص کے ساتھ تھی۔ اور ثروت و اختیار بالکر بھی انہوں نے اپنی عمر میں ادا سے فراغ اخلاقی و مذہبی میں صرف نہیں پس یہی لوگ محمد کے ابتدائی جلسہ کے شرکاء تھے جو پیشتر اس سے کہ اونے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار بکڑی اوسکے جانب ار ہو گئے۔ یعنی ایسے وقت میں کہ وہ بدت آزار ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا۔ اونکے اول ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے اونکی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے اونکی لیاقت کی قوت معلوم ہوتی ہے۔

اُس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذا نہیں دیا اور اپنے ملک سے جلا وطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اوسکے پابند ہوئے۔ اور یہ سب امور ایک ایسے

شخص کی خاطر ہوئے ہوں۔ جسمین ہر طرح کی برائیاں ہوں۔ اور اس سلسلہ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں جو اونکی تربیت کے بھی خلاف ہو۔ اور اونکی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ یہ یقین نہیں ہو سکتا یہ خارج از حیطہ امکان ہے۔“

تعمیراتی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد کے مسائل نے اس درجہ نشہ دہی اور اسکے بیرون میں پیدا کیا کہ جسکو عیسیٰ کے ابتدائی بیرون میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ اور اوسکا مذہب اوس تہذیب کے ساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کہ میں اسلام بہت سے عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسیٰ کو سولی پر لگیئے تو اوس کے بیرو بھاگ گئے۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں چھوڑ کر چل دیے۔ اگر بالفرض اوسکے حفاظت کرنیکی اونکو مالغت تھی تو اوسکی تشفی کے لیے تو موجود رہتے۔ اور صبر سے اوسکے اور اپنے ایذا رسالوں کو دھمکاتے۔ برعکس اوسکے محمد کے بیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اوس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطر سے میں ڈال کر کل دشمنوں پر اوسکو غالب کر دیا۔

انتہی قولہ

کیسی حالت بدل جائے اور کس قدر اصلاح مذہبی حالات میں حضرات امامیہ کے ہو جائے اگر وہ اس بات کو یاد رکھیں جسکے یاد رکھنے کی نصیحت یہ عیسائی مورخ اپنے بھائی عیسائیوں کو کرتا ہے کہ آنحضرت معلم کے اصحاب حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے زیادہ دل کے قوی۔ اور ایمان میں زیادہ پکے۔ اور اخلاص میں زیادہ ثابت۔ اور اپنے نبی کی حفاظت میں جان کے قربان کرنے والے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ ان تاریخی واقعات کو جسے منکرین اسلام تک مانتے ہیں نہیں مانتے۔ اور اسلام کے اون نتائج سے جس سے اونکی عظمت اور صداقت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے انکار کرتے ہیں۔

سرولیم میورچر اپنی کتاب لیف آف محمد میں جہاں اونہوں نے حضرت عیسیٰ کے حواریوں اور مساجرین و انصاف کے حالات کا مقابلہ کیا ہے لکھتے ہیں کہ جس زمانے تک مقابلہ کرنا ممکن ہے اوس میں

تکلیفات کی برداشت کرنے اور دنیاوی لالچوں کے قبول نہ کرنے میں دونوں (حضرت مسیح اور آنحضرت) برابر ہیں۔ لیکن محمد کے تیرہ برس کے موعظہ نے بمقابلہ کل زمانہ زندگی مسیح کے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں لوگوں کی نظر میں بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مسیح کے تمام بیرونیوں کی آہٹ منہوم ہوتے ہی بھاگ گئے۔ اور ہمارے خداوند کی تعلیم نے اون بانسواؤ میوں کے دل پر چھینون نے اونکو دکھیا تھا خواہ کیسا ہی گہرا آٹھ پیدا کیا ہو۔ گویا ظاہر میں اوسکا کچھ نتیجہ دکھانی نہیں دیا۔ اونہیں سے کسی نے بھی اپنی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑا۔ اور نہ سیکڑوں نے مسلمانوں کی طرح بالاتفاق ہجرت اختیار کی۔ اور نہ ویسا پر جوش ارادہ ہی کسی سے ظاہر ہوا۔ جیسا کہ ایک غیر شہر (یثرب) کے نو مسلمانوں نے اپنے خون کے عوض اپنے پیغمبر کے بچانے میں کیا۔“

یہ چند روایتیں کہ اوپر عنے نقل کیں وہ عام مہاجرین و انصار اور اصحاب نبوی کی نسبت ہیں۔ اب ہم بالتفصیل اوس راسے کو بیان کرتے ہیں جو حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت سرولیم میو نے ظاہر کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی نسبت وہ اپنی کتاب موصومہ بارلی خلافت میں یہ لکھتے ہیں۔

آخری دم تک ابو بکرؓ کے دل و دماغ کی صفائی اور طاقت کا مطلع مکہ نمود نے پایا۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری دن باریابی دی۔ اور معاملات کی نازک صورت کو جانچ کر عمر کو حکم فرمایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ایک دستہ فوج تیار کر کے جانب عراق روانہ کریں۔ بیماری کی حالت میں زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیدار زندگی کے متعلق ان اشعار کا مضمون اونکی زبان پر جاری رہا۔ (پہ ترجمہ سرولیم میور کی کتاب سے انگریزی اشعار کا نظم میں کیا گیا ہے)

کون ایسا ہے یہاں جو حشمت مال ہوتا ہے	اپنے وارث کو نہیں چاہتا ہے چھوٹا بچا
ایک دن اوس شخص کا بھی مال ڈوٹا جائیگا	جسے ہو کر بے وقار کی ہے بہت سی ٹاٹا
لو تو کہو آجائے گا اگر دن غصے بالضرور	گر مسافرنے سے کوئی کیا ہے نصیحتا

موت کے رستہ سے لیکن گوٹنا ممکن نہیں

سخت جان فرسا ہے اور مصیبت بھرا بگڑا

ایک شخص نے جو آپ کے بستر مرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا زانہ جاہلیت کے ایک شاعر کے کچھ اشعار مناسب حال پڑھے۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمائیے لگے کہ ایسا مست کہو بلکہ یوں کہو **وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ مَذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحْيِيْدًا** آخری کام جو اونھوں نے کیا وہ یہ تھا کہ آپ کو اپنے پاس بلایا اور اونھیں ایک طول طویل نصیحت کی۔ اور فرمایا کہ یہ میری آخری وصیت ہے کہ درستی اور سخی کو زمی اور لئیت کے ساتھ ملاے رکھنا۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنے غشی کا عالم طاری ہو گیا۔ اور زرع کے وقت کو قریب پہنچا دیکھا کہ ان الفاظ کو زبان پر لا کر جان بحق تسلیم ہوئے۔ یا اللہ ایسا کر کہ میں بچاؤں مروں۔ یا اللہ مجھے ان لوگوں کے گرد وہیں اوٹھا جنکو تو نے برکت بخشی ہے۔

الو بکر نے دو برس اور تین مہینے عہد حکومت کے بعد ۲۲۔ اگست ۳۳ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کی خواہش کے بموجب غسل میت اونھیں اونکی بی بی اسما اور آپ کے بیٹے عبدالرحمن نے دیا۔ تکفین آپکی اونھیں کبرون میں ہوئی جو وفات کے وقت وہ پہنے ہوئے تھے۔ کیونکہ اونھوں نے فرمایا تھا کہ میں کبرٹے زندون کے لیے موزون ہوں اور پرانے کبرٹے جسم بے جان کے لیے جسے کہ موزکا طعمہ ہونا ہے۔ جن اصحاب نے رسول اکرم کے جنازے کو کندھا دیا تھا وہی الو بکر کے جنازہ بردار ہوئے۔ اونھیں اسی مزار میں دفن کیا جس میں رسول اللہ آرام فرماتے تھے خلیفہ مغفور کا سر اپنے آقا کے بازو کے برابر تکیہ زن تھا عمر نے جنازے کی نماز پڑھائی جنازہ کو بہت دیر جانا نہیں تھا۔ صرف مسجد نبوی کا صحن طے کرنا تھا۔ کیونکہ الو بکر نے اسی مکان میں انتقال فرمایا جو رسول اللہ نے انکے رہنے کے لیے اپنے مکان کے سامنے تجویز فرمایا تھا۔ اور جہاں سے مسجد نبوی کے کشادہ صحن پر نگاہ پڑتی تھی۔ الو بکر نے اپنی خلافت کے زمانے کا اکثر حصہ اسی مکان میں بسر کیا۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد چھ مہینے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرح زیادہ تر مہین

اور تالی ہوئی
موت کی طبعی
یاد دہ سبک
جیسے کہ
میں کو یاد ہے
یاد دہ سبک
فی ربوعہ

انکا قیام رہا جو مدینے کے نواح میں واقع ہے۔ یہاں پر انکا مسکن ایک سادہ سا مکان تھا جو کھجور کے تنوں سے بنا تھا۔ اس مکان میں وہ اپنی بی بی حبیبہ کے اعزہ واقارب کے ساتھ رہتے تھے۔ حبیبہ سے انکی شادی اوسوقت ہوئی جبکہ وہ مدینے میں تشریف لائے تھے۔ انکی وفات پر انکی بی بی جن سے ہمیں اور کچھ تھوڑے عرصہ بعد انکے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

ہر مسیح ابو بکر سوار ہو کر یا پادہ پا مسجد نبوی کی طرف جہاں رسول اللہ اپنی حیات میں فرمان روا رہے تشریف لیجاتے تھے تاکہ امور مملکت کو انجام دیں۔ اور انکی غیر حاضری میں ہر ایک کے قائم مقام ہوتے تھے۔ ہاں جمعہ کے دن جبکہ کوئی خطبہ یا وعظ نہ ہوتا تھا تو وہ دوپہر تک گھر میں رہتے تھے۔ اس دن وہ اپنے سر اور درھی کو خضاب لگاتے تھے۔ اور لباس کے پینے میں ذرا زیادہ احتیاط اور صفائی کو مدنظر رکھتے تھے۔ اس سید سے سادے مکان میں اپنے اہل عمر کی سادگی اور روکھی پھیلکی طرز زندگی کو مرعی رکھا۔ گھر کی بکریوں کے لیے چارہ آب خود لاتے تھے۔ اور اونکا دودھ آپ خود دہتے تھے۔ اول اول تو اپنے اپنی خانگی اخراجات کے کفالت کے لئے تجارت کا سلسلہ جاری رکھا مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ ایسا کرنے سے انتظام سلطنت میں فرق آتا ہے۔ آپ نے اور سب کاموں کو چھوڑ دینا اور اپنے گھر کے خرچ کے لیے چھ ہزار درہم سالانہ کی رقم قبول کرنا منظور فرمایا۔

چونکہ سنح مسجد نبوی سے بہت فاصلے پر واقع تھا اور مسجد نبوی میں رسول اللہ کے زمانہ سے سلطنت کے امور طے ہوتے چلے آتے تھے اس لیے آپ نے یہاں نقل مکان کر لیا۔ اور ساتھ ہی بہت المال کو بھی ہمیں لے آئے۔ اسلام کا بیت المال اون دنوں میں نہایت سادہ سا ہوتا تھا۔ نہ تو اوسکے لئے پہرہ اور چوکیدار کی ضرورت ہوتی تھی۔ نہ سب کے ذمہ کی احتیاج۔ خرچ کی آمدنی غربا میں تقسیم کر دیا جاتی تھی یا سامان جنگ اور اسلحہ پر صرف

ہوتی تھی بل غنیمت در سونا چاندی خواہ وہ گانون سے آنا خواہ اور کہین سے آتے ہی یا آئینکے بعد دوسری سبکو تقسیم کر دیا جاتا۔ اس تقسیم میں سب کا حصہ برابر ہوتا تھا۔ نو مسلم اور دیرینہ مسلم ذکور و اناث غلام و احرام سب مساوی حصہ کے مستحق تھے۔ بیت المال اسلام پر ہر مومن عرب کا ایک سادہ دعویٰ ہوتا تھا۔ جب کوئی یہ کہتا کہ اسلام پہلے قبول کر نیکی باعث مجھے ترجیح حاصل ہے اور اسلئے مجھے زیادہ حصہ ملنا چاہیے تو ابو بکر فرماتے کہ یہ اللہ کا کام ہے۔ اللہ ہی اون لوگوں کو جنھوں نے ترجیح حاصل کی ہے دوسری دنیا میں نیک اجر عطا فرمائے گا۔ یہ انعام و اکرام محض موجودہ زندگی سے علاقہ رکھتے ہیں۔ آپ کی وفات پر عمر نے بیت المال کو کھلوایا تو مسالوم ہوا کہ صرف ایک دنیا رہا تھی ہے جو شاید بافاق تھیلیوں میں سے گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر سب کے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اور انھوں نے آپ کے لئے دعا و مغفرت مانگی اور برکت بھیجی۔ آپ نے بیت المال میں سے چوکھڑے اور وظیفہ لیا تھا اسے بھی آپ کی کانشینس نے روانہ رکھا۔ لہذا وفات کے وقت آپ نے حکم صادر فرمایا کہ بعض حصص ارضی جو میری ملکیت سے ہیں فروخت کی جائیں اور جو قیمت وصول ہو اوس میں سے بقدر اوس ہر کے جو میں نے بیت المال میں سے لیا ہے بیت المال میں واپس داخل کر دیا جاوے۔

ابو بکر کی طبیعت نہایت ہی حلیم اور نرم واقع ہوئی تھی۔ عمر کا قول تھا کہ ایسا اور کوئی شخص نہیں جس پر لوگ اپنی جان اس شوق سے نثار کر دینگے جیسی ابو بکر پر۔ آپ یہاں تک نرم دل تھے کہ لوگوں نے آپ کو ٹھنڈی سانس بھرنے والا کا خطاب دے رکھا تھا۔ بات شنار ایک دفعہ کے جب کہ آپ نے ایک مفسد قزاق کو آگ میں جلوادیا اور جب کہ آپ کو ہمیشہ افسوس ہا اور کوئی بے رحمی آپ سے کبھی ظہور میں نہیں آئی۔

ابو بکر کی زندگی دربار میں بھی اسی سادگی اور قناعت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی جیسے حضرت محمد کی۔ آپ کے دربار پر یہ مصرعہ صادق آتا تھا ع گبر و دراجب دربان برین درگاہ نیست

بزرگ و چشم اور عظمت و شان جو درباروں کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہوا کرتے ہیں ان کے دربار میں نام کو نہ تھے۔ ہور مملکت کے طے کرنے میں وہ نہایت مستعد اور سرگرم تھے۔ وہ اکثر اتون کو اکیلے نکل جایا کرتے تاکہ محتاجوں اور ستم رسیدوں کی حاجت برآری اور شنوائی کریں۔ اور عمر کے ایک دفعہ انھیں ایک اندھی غریب بیوہ کا پرسان حال پایا جسکی حاجت برآری کے لئے خود تشریف لائے تھے۔ محکمہ عدالت عمر کے سپرد کیا گیا۔ مگر روایت ہے کہ سال بھر کے عرصے میں شکل سے اوومعی بھی مقدمہ کے لئے نہیں آئے۔ ریاست کی مہر پر الفاظ نفعہ القادر اللہ کندہ تھے۔ خط و کتابت کا کام علی کے سپرد تھا۔ اور ابو بکر زید (رسول اللہ کے میرنشی اور جامع قرآن) اور عثمان سے یا کسی دراہل قلم سے جو وقت پر پاس ہوتا مدد لے لیا کرتے تھے۔ اعلیٰ عہدوں اور اعلیٰ فوجی خدمتوں کے لئے اپنے نائبوں کے انتخاب میں آپ نے کبھی طرفداری یا رعایت کو مد نظر نہیں رکھا۔ اور جال جلن کے اندازہ لگانے میں انکی رائے ہمیشہ سلیم اور صائب ہوتی تھی۔

ابو بکر میں غمیت اور استهلال کی کچھ کمی نہیں ہوتی تھی۔ اسامہ کے زیرکمان فوج روانہ کرنا اور مشرک قوموں کے برخلاف مدینے کو محفوظ رکھنا اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ آپ تنہا تھے اور چاروں طرف گویا ایک کالی گھٹا چھارہی تھی اس جرات اور عزم کا شاہد ہے جو فتنہ و فساد کی آگ بجھانے اور بغاوت کے فرو کرنے میں بہ نسبت کسی بات کے زیادہ کارآمد ثابت ہوا ابو بکر کی قوت کاراز وہ ایمان آسٹ تھا جو آپ حضرت محمد پر لائے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خلیفہ خدامت کہو میں رسول خدا کا خلیفہ ہوں۔ آپ کو ہمیشہ ہی سوال نظر رہتا تھا کہ حضرت محمد کا کیا حکم تھا؟ یا نبوت وہ ہوتے تو کیا کرتے؟ اس سوال کے جواب پر عمل کرتے وقت وہ سر مو تاجا ڈر لفظا تے تھے۔ اور اس طرح پر آپ نے شرک اور بت پرستی کو باہمال کر دیا۔ اور اسلام کی بنیاد استوار قائم فرمائی۔ آپ کا عہد مختصر تھا مگر رسول اللہ کے بعد اور کوئی ایسا نہیں ہوا جس کا اسلام کو ان سے زیادہ

ممنون اور مہزون احسان ہونا چاہئے۔ چونکہ ابوبکر کے دل میں رسول اکرم کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متکون تھا اور یہی عقیدہ خود رسول اکرم کے خلوص اور سچائی کی ایک زبردست شہادت ہے لہذا میں نے آپ کی حیات و صفات کے تذکرہ کے لیے کچھ جگہ زیادہ وقف کی ہے۔ اگر حضرت محمد کو ابتدا سے اپنے کذاب ہونے کا یقین ہوتا تو وہ کبھی ایسے شخص کو دوست اور عقیدتمند نہ بنا سکتے۔ جو نہ صرف دانا اور ہوشمند تھا بلکہ سادہ مزاج اور صفائی پسند بھی تھا۔ ابوبکر کو نفسانی عظمت و شوکت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انھیں شاہانہ اقتدار حاصل تھا اور وہ بالکل خود مختار تھے مگر وہ اس مطلق وقت و قسمت دار کو صرف اسلام کی بہتری اور کافرانام کے فائدہ پہنچانے میں عمل میں لایا کرتے۔ انکی ہوشمندی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ خود فریب کھائیں۔ اور وہ خود ایسے متدین تھے کہ سیکوڑ ہو کر نڈے سے لگتے تھے۔“ انتہی قولہ

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نسبت سر ولیم میور یہ لکھتے ہیں۔

۲۶۔ ”ذی الحجہ ۱۱ سنہ ہجری کو عمر نے سارٹھ سے دس سال کی عہد کوڑے کے بعد عتسال فرمایا۔ رسول اللہ کے بعد سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمر تھے۔ کیونکہ یہ انھیں کی دانائی و استقلال کا ثمرہ تھا کہ ان ۱۱ سال کے عرصے میں شام مصر اور فارس کے علاقے جبراً اور وقت سے اسلام کا قبضہ رہا ہے تسخیر ہو گئے۔ ابوبکر نے مشرک اقوام کو مغلوب تو کر لیا تھا لیکن ان کے عہد میں افواج اسلام صرف شام کی سرحد تک ہی پہنچیں تھیں۔ عمر جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت ان کے قبضہ میں صرف عرب تھا مگر جب آپ نے انتقال فرمایا تو آپ ایک بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے جو فارس۔ مصر۔ شام۔ بائٹان۔ اپنے سلطنت کے بعض نہایت ہی زرخیز اور دل کشا صوبوں پر مشتمل تھی۔ مگر باوجود ایسے عظیم الشان سلطنت کے فرمان روا ہونیکے آپ کو کبھی اپنی فراست اور قوت فیصلہ کی متانت کے میزان میں باسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سزا عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب سے اپنے آپ کو لقب نہیں کیا۔ دور دراز

صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبوی کے صحن کے چاروں طرف نطو و ڈرا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کمان میں
حالانکہ شاہنشاہ یعنی خلیفہ سادہ لباس میں اونکے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔

عمر کی سوانح عمری کا نقشہ کھینچنے کے لیے صرف چند خطوط کی ضرورت ہے۔ سادگی اور باجندی فریض
انکے اصول کے اعلیٰ ارکان تھے۔ اپنی اہم خدمت کے بجالانے میں کسی کی رعایت نہ رکھنا اور سرگرمی سے
کام لینا آپ کا خاصہ ہو گیا تھا۔ اور اوس بڑی جوابدہی کا بار آپ کو ایسا گران معلوم ہوتا تھا کہ اسی
اوقات آپ فرماتے کہ عکاشکے مادر نزادے مر مرا + اے کاش بجائے اسکے میں گمانس کا تھکا ہوا۔
آپ کا مزاج ناصبور اور صلہ شعل ہو جانے والا تھا۔ اور ایام جوانی میں بلکہ رسول اللہ کی زندگی
کے آخری حصہ میں بھی آپ ہتھام کے سخت مؤید اور حامی خیال کیے جاتے تھے۔ تلوار کو نیام
نکالنے کے لیے آپ ہر وقت تلوار رہتے تھے۔ اور آپ ہی نے جنگ بدر کے فاسقے پر یہ صلاح دی تھی
کہ تمام قیدیوں کو تہ تیغ کیا جائے۔ لیکن عمر اور رتبہ نے انکے مزاج کی تندگی اور درشتی کو
مبدل جہل کر دیا تھا۔ عدل اور انصاف زمین بیکس سال تھا۔ اور سوائے اس سلوک کے جو اپنے
غیر فیاضانہ اشتعالکے ساتھ خالد سے کیا اور وہ بھی اس لئے کہ آپ کو خالد کی وہ نامعقول حرکت جو
اوس سے ایک مغلوب دشمن سے بدسلوکی کرنے میں سرزد ہوئی نہایت قابل نفرت معلوم ہوئی اور
کسی ایسے فعل کا آپ سے ظہور میں آنے کا پتا نہیں چلتا جس سے بے انصافی یا ظلم مترشح ہو۔

فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب آپ نے بلار و رعایت کیا۔ اور مغیرہ اور عمار کو
چھوڑ کر باقی سب کا تقر نہایت مناسب اور نوزوں ہوا۔ سلطنت کی متفرق قومیں اور جماعتیں جو
الاغراض اور مختلف المقاصد تھیں انکی قوت اور دیانت پر کامل بھروسہ رکھتی تھیں۔ اور آپ کے
تعمد بازوں نے قانون کے قواعد کو جاری اور سلطنت کو نہایت عمدگی سے سنبھالے رکھا۔

بصرہ اور کوفہ کی محاصرت آئین مقامات کے گورنروں کے تغیر و تبدل میں البتہ آپ کی کچھ کوفہ

ظاہر ہوتی ہے لیکن پھر بھی بدوون اور قریش کی مقتدا و عاومی پر آپ نے ایک دباو ڈالے رکھا۔ اور اونٹوں نے اسلام میں آپ کی صحن حیات میں کبھی فتنہ برپا کر نیکی جرأت نکی صحابہ میں سے جزیا وہ منٹا تھے اونھیں آپ اپنے پاس دینے میں رکھتے تھے۔ جسکی وجہ کچھ تو بلاشبہ یہ تھی کہ صلاح و مسنورہ سے آپ کو تعویت دین اور کچھ اسلئے (جسبکہ آپ کا قول تھا) کہ میں نہیں چاہتا کہ انکو اپنے سے کم تر دیکر انکی شان و عزت میں فرق لاؤن۔

ہاتھ میں تازیانہ لیکر آپ مدینے کی گلیوں اور بازار و زمین بھر کرتے۔ اور جو تصور دار ہوتا وہاں سے وہیں سزا دیتے یہ بات منرب المثل ہو گئی تھی کہ عمر کا تازیانہ دوسرے کی تلوار سے زیادہ خوفناک ہے۔ مگر باہن بہاد پ نہایت نرم دل تھے۔ اور بے تعداد واقعات آپ کے علم اور مہربانی کے تذکرہ میں مثلاً حیوان اور یتیموں کی حاجت براری کرنا۔ ایک مثال ہم بیان درج کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ قحط کے سال میں عرب میں سفر کر رہے تھے۔ آپ کا گذر ایک غریب نادار عورت پر ہوا۔ جو بچوں کو لئے لٹھچلے کے پاس بیٹھی تھی اور بچے بھوکے مارے بلبلارہے تھے۔ چولھے پر ایک خالی مہنڈیا بچوں کی تسلی کے لئے بچاری عورت نے چڑھا رکھی تھی۔ عینے جب یہ دیکھا تو آپ بھاگتے ہوئے دوسرے گاؤں میں گئے۔ گوشت اور روٹی لاسے گوشت خود مہنڈیا میں چڑھایا اور خوب ساکھانا بچا کر بچوں کو کھلایا اور انھیں ستا کھیلتا چھوڑ کر تباہ آگے روانہ ہوئے۔“ اہنتی قول

مجھے امید ہے کہ ناظرین حق پسندان تحریر دن کو دیکھ کر تسلیم کریں گے کہ واقعات نے عیسا ایوں تک کو اسلام کی تعریف اور صحابہ کرام کے مکارم اخلاق اور محامد و صاف کے ظاہر کرنے پر مجبور کیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ خود اسلام کے مدعی ان واقعات سے انکار کریں اور عیسا صحابہ کرام کو اسلام اور اخلاص سے بے بہرہ بتائیں۔ افسوس انسان کیسا ہی دشمن خدا اور عالم ہو گا نہ یہی تعصب اور آبائی تقلید اسکو سوچ بات کے قبول کرنے اور کم سے کم اس کے اقرار کرنے سے ہمیشہ مانع ہوتی ہے۔ آفتاب کو دیکھتے ہیں کہ روشن ہے مگر اسکا اقرار

نہیں کرتے۔ انکھوں پر کچھ ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ اسے دیکھتے ہی نہیں۔ بعدین ہی حال حضرت مامیہ کا ہے کہ صحابہ کا اسلام اور انکا اخلاص آفتابِ نبیم ذر کی طرح روشن ہے۔ قرآن باور بلند اسکا شمار دے رہا ہے۔ اسلام کے دشمن تک اسکی تصدیق کر رہے ہیں۔ گروہِ بین کہ اپنے تعصب اور ضد پر قائم ہیں۔ اور ایک لاکھ چودہ ہزار اصحابِ نبوی کے ترہ اور منافق کہنے میں سرگرم بلکہ اوسپر نازان ہیں۔

کیا اسلام کی بنیاد صرف اس بات سے مضبوط اور مستحکم مانی جاسکتی ہے کہ تینیس برس کی موت میں جو کوشش رسولِ خدا صلعم نے ایمان و اخلاق کی تعلیم پر فرمائی۔ اور جس خدائی قوت اور آسمانی مدد سے اپنے لوگوں کو ہدایت کی اور سکا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اپنی وفات کے بعد قریب سو لاکھ آدمیوں کے اسلام کے نام لینے والے چھوٹے گروہ اور نین چہند غریبوں کے سوا سب جاراؤمیوں سے زیادہ کوئی سچا مسلمان اور کاتبِ امن اور دل سے خدا اور رسول کا ماننے والا اور انکے حکموں پر چلنے والا نہ تھا۔ باقی نہ صرف منافق اور ایمان سے بے بہرہ تھے بلکہ ایسے ظالم سفاک۔ سنگدل۔ بے رحم تھے کہ آپ کے وفات فرماتے ہی سب نے ایسی سردار کے گھر کو لوٹنا شروع کیا جسکے سامنے عاطفت میں پرورش پائی تھی۔ اور اوسکی اولاد پر ظلم و ستم کرنے لگے جن سے محبت رکھنا اور جنگی اطاعت کرنے کا اونھوں نے بارہا اقرار اور دعویٰ کیا تھا۔ اور ظلم بھی ایسے کئے کہ کبھی ختم نہ ہونے لگے۔ اس قسم کے خیالات سے جو خود مسلمانوں کا ایک فرقہ رکھتا ہے مکہ کی نبوت کو اس بات کے کہنے کا موقع ملیگا کہ رسالت کا مقصد صرف دنیاوی سلطنت کا قائم کرنا تھا اور لوٹ مار کی طمع اور امارت اور ریاست کی حرص میں نے ایک گروہ خود غرض نفسِ طمع اور حریصوں کا اوسکے بانی کے ارد گرد جمع کر دیا تھا۔ اون ہزاروں آدمیوں کے دلوں پر جو رات دن پیغمبرِ خدا صلعم کی صحبت میں رہتے تھے نہ قرآن کی تعلیم کا کچھ اثر ہوا تھا۔ نہ خدا کے رسول کے وعظ و نصیحت نے اونپر کچھ تاثیر کی تھی۔ نہ بانی اسلام اور اسلام کے ماننے والوں میں کوئی رشتہ اخلاص و اطاعت اور ایمان اور محبت کا جیسا کہ کسی سچے پیغمبر اور اوسکے ایمان لائے والوں میں ہوتا ہے قائم تھا۔ بلکہ دونوں

پہلے اغراض کے حاصل کرنے میں سرگرم اور مستعد تھے اور دو مختلف اور متناقض قوتیں اپنے اپنے مقاصد کے پورا کرنے میں کام کرتی تھیں۔ سردار تو یہ چاہتا تھا کہ جو سلطنت اور ریاست اوکلی قوت بازو قائم ہو وہ اویسکے گھر میں رہے کسی دوسری کا اوسپر تسلط ہونے پاوے۔ اور اس کے ساتھی اس فرائض کے ادھاری محنت اور کوشش کا صلہ خود اوکو حاصل ہو اور ریاست کی مسند پر اپنے سردار کے بعد وہ قابض ہوں۔

میرا یہ کہنا حقیقت میں نہ مبالغہ ہے۔ شیعوں کے عقائد پر بجا الزام لگانا بلکہ ان واقعات اور حالات سے جبکہ حضرت امامیہ سچ سمجھتے اور جن پر ان کے مذہب کی بنیاد قائم ہے ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اونکے خیال کے موافق وہ اسکے اور کیا بات معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو پشت کے روز سے وفات کے وقت تک یہ تھی کہ جناب امیر اونکے بظن فیہ ہوں اور الی یوم القیامہ لئلا یبدل ویبدلنا بعد یمنی اور دنیاوی سلطنت پر انھیں کے خاندان کا قبضہ رہے چنانچہ شیعوں کے عقائد کے موافق اس آرزو کو اپنے طرح طرح سے ظاہر کیا اور اسکے لئے کوئی دقیقہ سہی اور کوشش کا اوٹھا نہ رکھا۔ کوئی موقع خلوت میں اور جلوت میں سیفر میں اور حضر میں۔ صلح میں اور جنگ میں۔ صحت میں اور بیماری میں۔ ایسا نہیں چھوڑا جس میں اپنی یہ خواہش اشارۃً یا مبراہتہ ظاہر نفرمائی ہو۔ اور خدا کے حکام اور اسکے پیام اسکے تعلق نہ سنائے ہوں۔ اور اس حکم کے ماننے والوں کے فضائل اور انکے لئے انواع و اقسام کے ثواب۔ اور اوس سے عدول کرنے والوں کے معائب اور انکے واسطے طح طرح کے عذاب بیان کئے ہوں۔ یہاں تک کہ آخری کوشش آج کی وہ تھی جو خم غدیر میں ظاہر فرمائی کہ ایک لاکھ آدمیوں کے مجمع میں اوسکا اعلان صاف لفظوں میں فرمایا۔ اور جناب امیر کی امامت اور خلافت کا اشتہار دیکر سب سے آواز لے لیا۔ اور اپنے سامنے اپنی جانشینی کو ہر طرح سے قوی اور مستحکم کر دیا۔ چنانچہ اسپر مبارک سلامت کی آوازیں بھی چاروں طرف سے بلند ہو گئیں اور خوشی کے شادیاں بھی نہ بھی گئے۔ مگر اللہ سے بعض نفاق اور اتقاق صحابہ کا کہ تمیں چار آدمیوں کے سوا ایک نے بھی

اوس کا خیال نہ رکھا۔ اور کسی نے بھی امیر المؤمنین کی خلافت اور امامت کا جو اس اور مشور سے قائم کی گئی تھی اقرار کیا۔ بلکہ اپنی آنکھ بند ہوتے ہی سب کے سب اوس عمدے بھر گئے۔ اور اوس پر غضب یہ ہے کہ اصل واقعہ کے واقع ہونے سے بھی ناواقفیت جتانے لگے۔ سب نے کچھ ایسا اتفاق کر لیا کہ گویا وہ مستمر بالشان واقعہ واقع ہی نہوا تھا۔ اور عم غدیر میں علی رؤس الاسناد و بر سر منبر آپ نے اپنی جانشینی کا اعلان فرمایا ہی نہ تھا۔ اوس تمام واقعہ کی یادگار میں اگر کسی کی زبان پر کچھ باقی رہا تو صرف آپ کا یہ ارشاد کہ انی نارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتے اور اوس تمام تقریر میں اگر کسی نے اقرار کیا تو صرف آپ کے اس قول کا کہ من کنت مولاه فعلى مولاه اور اس کا مقصد اور حاصل بیان کیا تو صرف یہ کہ اوس نے محبت رکھنا اور انکی خاطر داری کرنا چاہیے۔ مگر اسپر بھی عمل کیا۔ اور بجائے محبت کے کھلم کھلا عداوت ظاہر کرنے لگے۔ اور پرانے کینے اور پشتینی رنج کے بدلے لینے لگے۔ اور رسول خدا کی وصیت کو بھلا دیا۔ اور قرآن کو پریشان الیاء۔ اور جو عہد کئے تھے انھیں توڑ دیا۔ اور سطر ح سے وہ دین سے خارج اور اسلام سے باہر ہو گئے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں رسالت اور شریعت پر کیا اطمینان رہے گا۔ اس لئے کہی لوگ جنکے اخلاق اور خصائل ایسے برے تھے وہی اسلام کے ارکان تھے۔ انھیں کے سلسلے سے ہکو قرآن ہو چکا۔ انھیں کے ذریعہ سے رسول خدا صلعم کے حالات ہکو معلوم ہوئے۔ اور انھیں کے وسیلہ سے وحی کا آنا اور جبرئیل کا نازل ہونا اور پیغمبر خدا صلعم کا ملکوتی صفات سے مستفہ ہونا ثابت ہوا۔ تو کیا تعجب ہے کہ ایسے بد دین اور بد اخلاق۔ ستم پیشہ۔ سفاک۔ نا خدا ترس۔ بد عمد۔ بد باطن۔ بد طینت۔ اور طماع اور حریص لوگوں نے باہم سازش کر کے دنیا کمانے اور خلق خدا کوٹھنے کے لئے ایک سیکور در بنالیا ہو۔ اور لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اوسکے چھوٹے حالات مشہور کر دیئے ہوں۔ اور اوسکے نام سے چھوٹے احکام جاری کیے اور چھوٹے قواعد و ضوابط بناے ہوں۔ اور لوگوں کو

۴
 کتاب تفسیر ابن کثیر
 جلد دوسری
 نمبر ۱۱
 جلد ۱۱
 نمبر ۱۱

دو مہینہ پھنسانے کے لئے اس کی رسالت و نبوت کو شہرت دیدی جو۔ اور قرآن کو چند لائق فصیح و بلیغ لوگوں سے لکھوا کر انکی طرف منسوب کر دیا ہو کیونکہ جس گروہ کا خیال ہو کہ بد اخلاقی کے علاوہ سازش میں بھی ایسے پکے ہون کہ جو بات عمر بھر وہ کا سردار بیان کرتا رہا۔ اور جبکے لئے ہمیشہ قرآن کا نازل ہونا بیان فرماتا رہا۔ اور جسکی تاکید شرا و ہبرا ہمیشہ اونکا پیشوا کرتا رہا ہو۔ اور اپنی وفات سے چند روز پہلے اسکا اعلان تہذیباً یا ایک لاکھ چودہ ہزار آدمیوں کے سامنے اس طور پر کر دیا ہو کہ زمین و آسمان۔ ملک و فلک۔ شجر و حجر۔ جن و انسان سب نے سنا ہو۔ اور نہایت فصیح و بلیغ اور بزرگوار اور بزرگوار پر جو شہ خطبے میں آخری حجت پوری کرنیکے لئے جانشینی کا مسئلہ پورے طور پر کر دیا ہو۔ اور اسکے سامنے خم غدیر میں اپنے جانشین کے خلافت کی معیت بھی لے لی ہو۔ اور خدا نے آیہ **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** کی مہر بھی خلافت کی سند پر کر دی ہو۔ باوجود اسکے ایسے متواتر اور غیر پوشیدہ رہنے والی بات کو انہوں نے چھپا ڈالا۔ اور اوسپر عمل کرنا ایک طرف اوسکے ہونے اور اوس واقعہ کے وقوع میں آنے ہی سے انکار کر دیا۔ اور ایسی امامت کی نسبت جو نہایت شد و مد کے ساتھ قائم کی گئی تھی نص جملہ کلمہ نصی سے بھی منکر ہو گئے۔ تو ایسے لوگوں سے جبکی سازش خلافت انسانی فطرت کے ہو اور جو ایسی متواتر اور مشہور بات کو جو ہتر ہزار آدمیوں کے سامنے ہوئی ہو پوشیدہ رکھ سکتے ہوں کہا بعید ہے کہ انہوں نے رسالت کے نام سے ایک جمہور کا رخا نہ کھرا کیا ہو۔ اور بے بنیاد باتوں کو مشہور کر کے کسی کو رسول اور نبی بنا لیا ہو۔ اور اگر اہم تسلیم بھی کریں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود اونسے بزار تھے اور انکے احکام و شریعت کے جاری کرنے والے اونسکے اہل بیت اور چند خاص لوگ تھے تو ایسے لوگ اتنے کم تھے کہ انکی تعداد عشرت کے درجہ سے بھی زیادہ نہیں تھی اور انکے ذریعہ سے جو کچھ لوگوں کو معلوم ہوا وہ نہایت قلیل گروہ پر محدود رہا۔ تمام دنیا میں جو اسلام پھیلا۔ اور جو حقیقت اسلام کی اور بانی اسلام کی لوگوں کو معلوم ہوئی وہ انہیں لوگوں کے ذریعہ سے جو ہاجرین انصار اور اصحاب نبی کے کہلاتے تھے۔

لا
آج میں پورا
دیکھا گیا کہ
دین بخدا
اور پورا کیا گیا
جس کا نام
بارہ اور
مذہب کو
اول

اور حیلہ و کنی کیفیت تھی کہ جو چاہتے وہ ظاہر کرتے۔ اور جو چاہتے وہ جاری کرتے۔ اور انہیں سے چند لوگوں کا رعب اب ایسا تھا کہ باقی تمام لوگ ان کی اطاعت کرتے یا اونکے دعوے کے میں آجاتے تھے تو صلیح اور نئے یہ ہو سکا کہ انہوں نے بسبب حسد یا عداوت کے امیر المؤمنین کے امامت کی نص علی کو چھپا دیا اور حقوق اہل بیت کے غصب کر نیکے لئے جھوٹی حدیثیں بنا کر لوگوں کو اپنا ساتھی کر لیا یہ بھی اوسنے ہو سکتا تھا کہ شریعت کو بدل دیا ہو۔ اور جو کچھ پیغمبر نے فرمایا ہو اوسکے خلاف شہرت دی ہو۔ قرآن میں کمی و زیادتی کر دی ہو۔ نازین بڑھا یا گھٹا دی ہوں۔ حج و زکوٰۃ کے اصلی احکام چھپا لیں رضی کے موافق اور بنا دیے ہوں۔ اور اگر یہ باتیں جائز سمجھی جائیں۔ اور کیونکہ جائز سمجھی جائیں اسلئے کہ جن باتوں کو ہم بالفرض تسلیم بیان کرتے ہیں شیعوں کے عقائد میں داخل ہیں۔ تو انجام اسکا سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ شرع پر سے بالکل بھروسہ اوٹھ جائیگا اور اسلام کی کوئی بات بھی قابل ثبوت اور یقین کے باقی نہ رہے گی۔

اگر حضرات شیعہ صاحب کو بد اخلاق اور مرتد سمجھ کر اس نتیجہ پر رضی میں تو خیر وہ جانیں اور انکا خدا کو اسلام پر اعتقاد رکھنے والیکے بدن پر تو صرف اس خیال سے لڑو آتا اور النذر النذر بچارتا۔ اور اسلام کے ساتھ ان خیالات کا جمع ہونا ناممکن سمجھتا ہے۔

تیسرا مقدمہ

اگر فرد کے غصب کرنے اور جناب سیدۃ النساء پر ظلم و ستم کرنے کی وہ روایتیں صحیح مانی جائیں جو اس باب میں حضرت امایہ بیان فرماتے ہیں تو اوس سے حضرت امیر المؤمنین پر اور تمام نبی ہاشم پر عینت اور عصیت اور غیرت جو میت میں ضرب اہل تھے سخت الزام آتا ہے۔ اور اونکے مقابلہ بلکہ قاتلہ کرنے اور نہایت عاجزی اور یکسی سے تمام باتوں کی برداشت کرنے پر حیرت ہوتی ہے اسلئے کہ یہ ظلم و ستم حضرت سیدہ پر کئے گئے وہ کچھ معمولی نہ تھے۔ نہ اوس پر صبر و تحمل کرنا۔ شرماً و عقلاً و اخلاقاً و عرفاً قابل ستائش نہ تھا

حضرت انس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں ایک کھجور کا پتلا لے کر کھڑے تھے اور فرمایا: "یَا مَعْشَرَ الْبَشَرِ إِنَّ اللَّهَ أَخَذَ مِنْكُمْ أَيْمَانَ أَنْ لَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْ لَا تُنْفِرُوا فِي دِينِهِ وَأَنْ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَأَنْتُمْ أَعْيُنُهُمْ يَجْعَلُونَ لِأَعْيُنِهِمْ فَتَةً أَنْ يُسْرِفُوا ذَلِكَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ بَشِيرٌ حَكِيمٌ" (مائدہ: ۱)

کلمۃ تا بہ یگانہ اور سکار و کنا اور مقابلہ کرنا و اجبات میں سے تھا۔ اگر صرف مذکر غضب کر لیا جاتا یا مال کو وہ بھیجیں لیتے تو اوپر صبر ہو سکتا تھا۔ مگر جبکہ حضرت سیدہ کو جبانی ایذا تین بہو بچا میں۔ اونہیں ہلانچے لگا سے۔ اور لاتین مارین۔ اور حسن کو شہید کیا۔ اور بعد سیدہ کی وفات کے ام کلثوم کو غضب کیا۔ تو یہ وہ باتیں ہیں جنہیں سکوت کرنا بزرگوار نہیں ہو سکتا۔ اسکا جواب حضرات امامیہ چند طرح سے دیتے ہیں۔ ایک کہ جو کچھ آپ نے عمل کیا اوپر آپ مجبور تھے اس لئے کہ خدا کا یہ حکم تھا۔ اور آپ کو خدا کی طرف سے اسی بات کی وصیت تھی۔ اور وصیت بھی ایسی شدید اور سخت کہ آپ اس سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔ اسلئے کہ اصول کافی کلینی میں صریح روایت موجود ہے کہ جب رسول خدا کی طرف سے ایک لکھا ہوا نامہ میر مہرین تھیں اور جبکہ ساتھ ملائکہ مقررہ تھے آنحضرت صلعم کے پاس لاسے اور کہا کہ اسے محمد سب آدمیوں کو باہر کر دو اور سوا سے تمہارے اور تمہارے وحی علی بن ابی طالب کے کوئی نہ ہے تاکہ وہ فرمان آئی ہم سے لین اور آپ کا وحی ہمیں گواہ کرے۔ کہ آپ نے وہ نامہ انکو دیا اور وہ ضامن ہوں کہ جو کچھ اوسمیں لکھا ہوا ہے اوسپر عمل کریں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے سب لوگوں کو باہر کر دیا سوا سے علی بن ابی طالب کے۔ اور حضرت فاطمہ پر جسے میں بھیجی ہوئی تھیں جب گھر اغیار سے خالی ہو گیا اور سوقت جبرئیل نے کہا کہ اسے محمد آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ وہ نامہ ہے کہ جسکا شنبہ حراج وغیرہ میں میں نے عمدا لکھا تھا اور آپ سے شرط کی تھی۔ اور اپنے ملائکہ کو اس بات پر گواہ کیا تھا کہ میں گواہی کے لیے کافی تھا۔ یہ لفاظ جبرئیل سے سسکر حضرت خوت آئی سے کا پنے لگے اور آپ کے بدن کے اعضا پر لڑہ پڑ گیا۔ اور کہا کہ اسے جبرئیل میرا خدا تمام نقصوں سے سالم ہے۔ اور اوسنے اپنے عمدا کو دکھایا ہے۔ اب آپ وہ نامہ دیکھیے جبرئیل نے وہ نامہ لکھ دیا اور کہا کہ میرا المؤمنین کو جو کہ روپیغیر خدا صلعم نے اسکے موافق جناب امیر کو دیا اور فرمایا کہ پڑھو۔ حضرت امیر المؤمنین نے اوسے حرف بحرف پڑھا۔ تب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ خدا کا

حضرت انس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں ایک کھجور کا پتلا لے کر کھڑے تھے اور فرمایا: "یَا مَعْشَرَ الْبَشَرِ إِنَّ اللَّهَ أَخَذَ مِنْكُمْ أَيْمَانَ أَنْ لَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْ لَا تُنْفِرُوا فِي دِينِهِ وَأَنْ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَأَنْتُمْ أَعْيُنُهُمْ يَجْعَلُونَ لِأَعْيُنِهِمْ فَتَةً أَنْ يُسْرِفُوا ذَلِكَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ بَشِيرٌ حَكِيمٌ" (مائدہ: ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں ایک کھجور کا پتلا لے کر کھڑے تھے اور فرمایا: "یَا مَعْشَرَ الْبَشَرِ إِنَّ اللَّهَ أَخَذَ مِنْكُمْ أَيْمَانَ أَنْ لَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْ لَا تُنْفِرُوا فِي دِينِهِ وَأَنْ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَأَنْتُمْ أَعْيُنُهُمْ يَجْعَلُونَ لِأَعْيُنِهِمْ فَتَةً أَنْ يُسْرِفُوا ذَلِكَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ بَشِيرٌ حَكِيمٌ" (مائدہ: ۱)

عہد ہے اور اسکی شرط ہے جو مجھ سے لی ہے اور اسکی امانت ہے جو مجھے دی ہے اور میں نے اسے
 چھوڑ دیا۔ اور جو کچھ امانت کی خیر خواہی تھی اسے عمل میں لایا۔ اور خدا کی رسالت اور اسکی حضرت امیر نے
 بھی اسکی تصدیق کی۔ اور کہلا میرے کان اور آنکھ اور گوشت و خون اسپر گواہ ہیں۔ جبریلؑ نے کہا کہ
 میں بھی اون باتوں کا گواہ ہوں جو تم دونوں نے کیں۔ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یا علیؑ تے یہ وصیت
 مجھ سے لی اور اسے سمجھ لیا اور اسکی ضمانت کرتے ہو خدا کے واسطے کہ ایسا ہی کرو گے۔ اور اس عہد پر
 پورے پورے طور پر عمل آور رہو گے۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ میرے مان باپ آپ پر قربان
 ہوں میں اسکا ضامن ہوں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ اسپر عمل کروں گا اور خدا مجھے دوسرے عمل کرنیکی
 یاری و توفیق دے۔ پھر رسول خدا نے فرمایا کہ اے علیؑ میں چاہتا ہوں کہ اسپر تے گواہی لوں کہ
 جب قیامت کے دن تم میرے پاس آؤ تو وہ گواہ گواہی دین کہ میں نے تمپر حجت تمام کر دی حضرت
 امیر نے فرمایا کہ جبریل و میکائیل ۲ اور یہ ملائکہ مقرر ہیں جو اسکے ساتھ آئے ہیں اسپر گواہ ہیں خیر خدا
 نے اونکو گواہ کیا۔

اور نبخدا اون باتوں کے جن پر جبریلؑ نے خدا کی طرف سے آنحضرت سے شرط لی تھی یہ تھی
 کہ اے علیؑ اس بات کو قبول کرتے ہو اور اسپر عمل کرو گے کہ جو خدا اور رسول کا دوست ہے اسنے
 دوستی کرنا اور جو انکا دشمن ہے اس سے دشمنی کرنا اور جو حق تمھارے چھینے جائیں اور تمھارا
 غضب کیا جائے اور تمھاری حرمت ضائع کی جائے اون سب پر صبر کرو گے اور غصہ نہ کرو گے۔ جنات
 نے کہا ہاں یا رسول اللہ پھر حضرت امیر نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جسنے خلایق کو پیدا کیا میں نے
 جبریلؑ سے یہ سن لیا جو اونھوں نے آپ سے کہا کہ انکو آپ آگاہ کرو دین کہ انکی حرمت کو برباد کرنے
 حالانکہ انکی حرمت خدا اور رسول ہے۔ اور انکی ریشیں مبارک انکے سر کے خون سے رنگین
 کرینگے۔ اور یہ کہ حضرت امیر نے فرمایا کہ جب میں نے یہ کلمے جبریلؑ سے سنے تو میں بیہوش ہو گیا

اور ہونے کے بل کر تپا اور کہنے لگا کہ ہاں یا رسول اللہ میں نے اسے قبول کیا اور میں رضی ہوا گو وہ میری حرمت کی ہتک کرین اور آپ کی سنت کو معطل۔ اور خدا کی کتاب کو پارہ پارہ۔ اور کعبہ کو خراب۔ اور میری ڈاڑھی سر کے خون سے رنگین کرین۔ ہر حال میں صبر کروں گا اور اس کے جزا کی امید سوا سے پروردگار کے کسی سے نہ کروں گا جب تک کہ مظلوم اس کے پاس آون۔ پھر حضرت رسول خدا نے فاطمہ اور حسنین کو بلا یا اور ان کو بھی آگاہ کیا جس طرح بیکہ حضرت امیر کو کہا تھا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اسکے بعد دس وصیت نئے پر ہشت کی مردوں سے تر کر کے جنگو آگے بچھوایا تھا۔ اور پھر وہ مرشدہ نامہ حضرت امیر کو سپرد کر دیا حضرت امام موسیٰ بن جعفر جب یہاں تک فرما چکے تو راوی نے پوچھا آیا اوس وصیت میں یہ بھی لکھا تھا کہ منافقین خلافت کو غضب کریں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں قسم خدا کی جو کچھ انہوں نے کیا سب اوس میں لکھا تھا کیا تھے نہیں خدا کا یہ کلام اِنَّا نَحْنُ نَحْيِي الْمَوْتِيَ وَنَحْنُ مَّا قَاتَلْنَا مَوْاِاْنَا رَهْمًا وَاَكْلَ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِي اِمَّاہِ قُبَيْنٍ پھر رسول خدا نے کہا کہ اسے علی و فاطمہ تم سمجھے جو میں نے تم سے کہا اور اسے قبول کیا اور اوس پر عمل کرو گے۔ اون دونوں نے کہا بلی و صبرنا علی ماساءنا و غاظنا کہ ہاں ہم نے قبول کیا اور صبر کرینگے جو کچھ کہہ کو اید اہو بچے گی اور جو رنج دیا جائے گا۔

جہاں جاب کو تسلیم کر لیتے اگر کہو اس کے خلاف کوئی عمل حضرت امیر المؤمنین و جناب امیر کا معلوم نہ ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو حضرت امیر نے جناب امیر کے صبر و سکوت اور تحمل و برداشت کے درجے کو ٹلی درجے پر پہنچانیکے لئے وصیت نامہ تحریر ہی اور میری خدا کا پیش کیا۔ اور اس سے گویا اون تمام جا بلانہ اعتراضات کے جواب دیدیے جو سنی تا صبی اپنی جو توفی اور جہالت سے کر سکتے تھے کہ حضرت امیر نے باوجود شجاعت اور عصیت کے ایسے مظالم کو کیوں جائز رکھا۔ اور بضعہ رسول پر ایسی تکلیفیں دیکھ کر کیوں سکوت اختیار کیا۔ اور دوسری طرف بعض مواقع پر

لا
 ہم میں وہ جملہ
 میں اسرار
 کلمہ میں ہو گیا
 میں علی علی اور اور
 پھر ان میں
 اور اس کے
 عن کی
 جب کہ
 میں اور
 سورہ
 بسین
 کو
 رول

دو روایتیں بیان کی ہیں جنسے گو شیر خدا کی میدری صولت اور غضنفری سطوت اجمعی طرح ثابت ہوئی ہے
 اگرچہ اکامہری و دستخطی وصیت نامہ باطل ہوا جاتا ہے۔ اور مثل دیگر روایات کے اس قسم کی روایتوں کا
 تناقض دیکھنے والے کو ظہان میں ڈالتا ہے۔

چنانچہ مجملہ اون روایات کے ایک یہ ہے کہ جب فدک کے ابو بکر صدیق نے حضرت فاطمہ کے
 کارندے کو موقوف کر دیا اور اسکی جگہ اشجع کو مقرر کیا۔ اس شخص نے رعایا کو ستایا اور وہ حضرت
 امیر کے پاس فریادی آئے حضرت امیر کو ایسا غصہ آیا کہ مع چند عزیزوں اور مہراہمیوں کے وہاں
 گئے اور اسکو ہلاک کر قتل کر دیا اور خالد بن ولید سے اسی موقع پر ایسی گفتگو کی کہ انکے
 بن پر لڑو گیا اور انھوں نے منت سماجت کر کے پیچھا چھوڑا۔ اس موقع پر آپ نے
 نہ غلیظہ وقت کا خیال کیا نہ خالد سے جنگ ہونے کا اندیشہ فرمایا بلکہ اپنا ہاشمی و بدر اور قریشی
 جوش اور میدری سطوت اور اسد اللہی ہیبت ایسی دکھائی کہ نہ صرف خالد بلکہ ابو بکر و عمر
 بھی دم بخود ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ابو بکر صدیق نے خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ اب علی بن ابی طالب کی
 نماز میں مشغول ہوں تم اوکو قتل کر دینا مگر میں مسازمین سلام پھیرنے سے قبل ابو بکر نے کچھ سوچ
 سمجھ کر خالد کو منع کر دیا اور دوسرے موقع پر اس کام کو محمول رکھا اور جب ابو بکر سلام سے فارغ ہوئے
 تو علی نے خالد سے کہا کہ کیا تم اس کام کو پورا کرتے جو تم سے کہا گیا تھا انھوں نے کہا بلا شک آپ
 حضرت علی نے اپنی دونوں اونگلیوں سے ایسا دبا یا کہ قریب تھا کہ اونکی انکھیں نکل پڑیں مگر شفاعت
 سے لوگوں کی آپ نے اونھیں چھوڑ دیا۔ لیکن خالد ایک دوسرا موقع ڈھونڈتے اور چاہتے تھے کہ اگر علی
 اتفاقاً کمین بجا میں تو اونھیں قتل کر دیں۔ اور آخر اونکو ایسا موقع ملا کہ شیر خدا نے خالد کی جس طرح پر خبر لی
 اور جس طرح اونکو اپنے ارادے کی سزا دی وہ بجا الاوار اور ارشاد و العلوب میں منقول ہے جو کچھ انھیں

۴
 حضرت امیر کو ایسا غصہ آیا کہ مع چند عزیزوں اور مہراہمیوں کے وہاں
 گئے اور اسکو ہلاک کر قتل کر دیا اور خالد بن ولید سے اسی موقع پر ایسی گفتگو کی کہ انکے
 بن پر لڑو گیا اور انھوں نے منت سماجت کر کے پیچھا چھوڑا۔ اس موقع پر آپ نے
 نہ غلیظہ وقت کا خیال کیا نہ خالد سے جنگ ہونے کا اندیشہ فرمایا بلکہ اپنا ہاشمی و بدر اور قریشی
 جوش اور میدری سطوت اور اسد اللہی ہیبت ایسی دکھائی کہ نہ صرف خالد بلکہ ابو بکر و عمر
 بھی دم بخود ہو گئے۔

کے نقل کرینے ناظرین اسکا لطف نہیں اونٹھا سکتے اس لئے ہم اسے بجنسہ بیان کرتے ہیں۔ ملا باقر علی کتاب
افتن میں لکھتے ہیں کہ ابو بکر نے ایک لشکر خالد کے ہمراہ کہیں کو روانہ کیا جب سب لوگ مینے سے نکلے باہر آگئے
خالد مسلح تھے اور اونکے آس پاس شجاع لوگ تھے جنکو حکم دیا گیا تھا کہ جو خالد کہیں وہاں اتنے میں خالد نے
حضرت علی کو دیکھا کہ اپنی زمین فرزد و عد بر سے تنہا بے ہتھیار آ رہے ہیں۔ جب قریب پہنچے اسوقت
خالد کے ہاتھ میں ایک لوبہ کا گرز تھا۔ اونھوں نے گزراؤٹھا کہ حضرت علی کے سر پر مارنا چاہا لیکن حضرت
علی نے اونکے ہاتھ سے جھین کر گردن میں خالد بن ولید کی لپیٹ دیا اور باکر طرح پنا دیا۔ تب خالد ابو بکر
کے پاس لوٹ کر آئے لوگوں نے ہر چند اسکے توڑنیکے ذریعے پیدا کئے لیکن نہ ٹوٹ سکا۔ اسکے بعد
بہت سے لوہاروں کو بلا یا اون سے کہا کہ بغیر آگ میں گلانے کے اسکا ٹکٹا ممکن نہیں ہے اور اسکا
اونکے مرجانے کا اندیشہ ہے۔ جب لوگوں نے اونکی کیفیت دیکھی تو کہا کہ حضرت علی ہی اس سے نجات
دیسکتے ہیں جیسے اونھوں نے اونکی گردن میں اسکو ڈال دیا ہے۔ اور خدا نے تو انکے لئے لوبہ کو نرم
کر دیا ہے جیسے حضرت داؤد کے لئے نرم کر دیا تھا۔ تب ابو بکر نے حضرت علی سے سفارش کی اور حضرت
علی نے ہاتھ سے پکڑ کر گزر کا ایک ایک ٹکڑا الگ کر دیا۔ (بخاری الا نوار صفحہ ۹۶)

ارشاد القلوب میں جابر بن عبد اللہ انصاری اور عبد اللہ بن عباس سے۔ وایت ہے کہ ہم ابو بکر
کے پاس اونکے زمانہ حکومت میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ خوب چڑھ گیا تھا دفعۃً خالد بن ولید مخزومی ایک
ایسے لشکر کے ساتھ آئے جسکا غبار بلند تھا اور کثرت اس لشکر کے گھوڑے ہن ہنار ہے تھے۔ کہ ایک
جلی کا پاٹ خالد کی گردن میں لپٹا ہوا ہے خالد سامنے آتے ہی اپنے گھوڑے سے اتر کر سجدے اند
آگئے اور ابو بکر کے سامنے آکر کھڑے ہوئے لوگوں نے اپنی آنکھیں اونکی طرف بلند کیں کہ اسکے
دیکھنے سے خوب معلوم ہوا۔ پھر خالد نے کہا اے ابو قحافہ کے بیٹے انصاف کر اس لئے کہ خدا نے تجکو ایسی
بٹھا یا ہے جسکے تولا ق نہیں ہے اس جگہ پر تو بس طرح بلند ہوا ہے جیسے پانی پر مچھلی اور بھرتی ہے وہ بھی

او بھرتی تھے کہ جب اوسین چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رہتی... اسکے بعد خالد نے طائف سے اپنے لوٹنے
 کی کیفیت اور حضرت علی کے ملنے کی کیفیت کے بعد یہ بیان کیا کہ حضرت علی نے اپنا ہاتھ میرے حلقوم پر مارا اور
 گجگو گھوڑے سے نیچے اوتا لیا اور گجگو گھسیٹتے ہوئے لگیئے... اور حارث بن کلابہ نقضی کی چلی منگانی اور اوسکا
 موٹا سا پاٹ اوٹھایا اور میری گردن لپیٹ کر دو وزن ہاتھوں سے اور پاٹ کو گردن میں لپیٹ دیا اور وہ ایسا لپٹتا
 جاتا تھا جیسے گرم کی ہوشی لگے۔ اور سب میرے بھراہی کھسے ہوئے تھے اونسے کچھ نہو سکا خدا اونکو
 سزا دے۔ یہ حضرت علی کو ایسا دیکھتے تھے جیسے اپنے ملک الموت کو۔ اوسکی قسم جسے آسمانوں کو لغیر تھو نیوں کے
 بلند کیا کہ قرب سو اوسوں کے بلکہ زیادہ نہایت مضبوط مضبوط عرب لوگ اس پاٹ کے علیحدہ کرنے کے لئے
 جمع ہوئے تھے لیکن اونسے وہ جدا نہو سکا۔ تب لوگوں کے عاجز ہونے سے معلوم ہوا کہ اسنے جا دو کیا ہے یا
 اوسین فرشتے کی قوت ہے۔ اسکے بعد ابو بکر نے عہ کو بلایا... اور بھرتیس بن عبادہ انصاری کو اوس
 چلی کے پاٹ جدا کر نیکے لئے بلایا مگر قیس سے بھی جدا نہو سکا... اور خالد اوسی حالت سے کہ پاٹ اونکی
 گردن میں پڑا ہوا تھا مدتوں تک رہنے میں پھنسے رہے۔ چند روز کے بعد پھر ابو بکر کے پاس گئے
 اور کہا کہ حضرت علی ابھی سفر سے آئے ہیں اونکی میٹانی سے پسینہ ٹپک رہا ہے اور چہرہ سرخ ہے۔ یہ سنا کر ابو بکر نے
 اقع بن حرقہ ہاہلی کو اور اثنوش بن اشجع ثقفی کو بھیجا کہ حضرت علی کو ہمارے پاس مسجد میں بلا لاؤ وہ دونوں حضرت
 علی کے پاس گئے۔ اور پیام دیا کہ ابو بکر تم کو ایک خاص امر کے لئے بلاتے ہیں جسکے سببے اوکو سنج ہے وہ جا بیٹے یا
 کہ آپ سجد نبوی میں اونکے پاس تلبین حضرت علی نے اسکا کچھ جواب نہیں دیا۔ اونھوں نے کہا کہ آپ اسکا کچھ جواب
 نہیں دیتے جسکے لئے ہم آئے ہیں۔ حضرت علی نے کہا کہ تمھارا برا طریقہ ہے مسافر پہلے اپنے مکان کو جاتا
 پھر کھڑے لٹا ملا تا ہے۔ بہر حال وہ دونوں حضرت علی کے پاس لوٹ گئے اور پھر ابو بکر ایک جماعت کے ساتھ
 حضرت علی کے مکان چلے گئے انہیں خالد بن ولید بھی تھے۔ اونکو دیکھا کہ حضرت علی نے کہا کہ اے ابوسلیمان تمھاری گروہ میں
 کیا عہدہ ہارہے اور پھر اون دونوں میں تریک گفتگو کہورت آمیز ہوتی ہی۔... تب ابو بکر نے کہا کہ ہم اس لئے نہیں

تعالیٰ نے اس کو کھلیا ہے...
 اور اسے طعن برپا دیا...
 اور اسے طعن برپا دیا...
 اور اسے طعن برپا دیا...

(Marginal notes on the right side, written vertically in Urdu, including the name 'Sulaiman bin Qasbi' and other commentary.)

آئے ہیں ہم سستے ہن کہ خالد کی گردن میں سے اس لوہے کو کھول لو اسکے بوجھ سے انکو تکلیف ہے
 اور اسے طعن برپا دیا اسکا اثر ہو گیا ہے۔ اور تم نے تو اپنے سینے کی سوزش بھجائی ہے حضرت علی نے کہا کہ
 اگر میں سینے کی سوزش بھجانا چاہتا تو تلوار میں جاری کا پورا علاج تھا۔ اور یہ ابو جہا و سکی گردن میں
 سے میں اس کو صبر نہیں کر سکتا۔ اسکو خالد خود جدا کر لین یا تم لوگ اسکو جدا کر لو۔ بہر حال ہمدیدہ سلی
 اور عامر بن اشجع اور عمار وغیرہ نے اچھائیں کیں لیکن کسی کا کہنا حضرت علی نے مانا اور اخیر میں ابو بکر نے
 کہا کہ خدا کی واسطے اور اپنے بھائی مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واسطے خالد پر رحم کر کے یہ لو ہا علیہ کر دو۔
 جب اس طرح پر ابو بکر نے درخواست کی تو حضرت علی شرمندہ ہو گئے۔ کیونکہ ان میں جیسا بہت تھی۔ تب خالد کو
 اپنی طرف کھینچا اور اس طوق کا ایک ٹکڑا توڑ کر اپنے ہاتھ پر پٹیٹے جاتے تھے وہ موہم کیرج لپٹتا
 جاتا تھا۔ پہلے کرٹے کو انھوں نے خالد کے سر پر اور پھر دوسرے کو جب اونکے سر پر مارا تو
 خالد نے کہا یا امیر المؤمنین حضرت علی نے کہا کہ تو نے ناخوشی سے اس لفظ کو کہا ہے اگر تو اسکو نہ کہتا
 تو میں تیرے کرٹے کو تیرے پیچھے سے نکالتا۔ اور وہ ایسے ہی برابر لوہے کو توڑتے رہے یہاں
 کہ ب کو کھول دیا۔ سب حاضرین بکیر اور تلیل کرنے لگے اور اونکی قوت سے سبکو تعجب ہوا۔
 ایک اور موقع پر غالب علی کل غالب مطلوب کل طالب امیر البرہہ قاتل الکفرہ و شیر خدا علی رضی
 وصیت کے خلاف اپنے چچا عباس کی حمایت میں اپنی ہاشمی قوت اور قہر مشی و بدبہ لکھا یا اور تلوار لیکر قتل
 جہاد پر مستعد ہو گئے اور یہ وہ موقع ہے جب حضرت عباس کے مکان کا پرناہ حضرت عمر نے نکلا و پلاس
 اسلئے کہ جب محمد کی نماز کو وہ جا بیکر تے تو اس پر تلے کے بانی سے اونکے کپڑے خراب ہو جاتے۔
 حالانکہ یہ پرناہ کلمہ خدا خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لگا دیا تھا۔ حضرت عباس کو جب یہ معلوم ہوا کہ عمر نے اوتسا
 پر تلے کو کھڑا دیا ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی پھر اسے لگائے گا تو میں اسکی گردن مار دوں گا۔ وہ
 اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عبداللہ بن عبد اللہ بن کبیر کیسے ہوئے جاری کی حالت میں لڑتے کا پختے

(Marginal notes at the bottom left, including the name 'Sulaiman bin Qasbi' and other commentary.)

حضرت امیر کے پاس آئے اور کہنے لگے زمین دو آنکھیں بکھٹاتا تھا ایک تو جاتی رہی یعنی پیغمبر خدا صلعم اور دوسری باقی ہے یعنی تم۔ اور میں نہیں گمان کرتا کہ تمہاری زندگی میں مصیبت میں بڑوں۔ جناب امیر نے فرمایا کہ آپ آرام سے گھر میں تشریف رکھیے اور دیکھتے رہیے کہ کیا ہوتا ہے۔ یکمکرم آپ نے قبر کو حکم دیا یا قنبر علی بذی الفقار کہ اسے قنبر والفقار حاضر کرو۔ اور آج اتفاقاً حامل فرما کر اور چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر مسجد میں تشریف لائے اور قبر کو حکم دیا یا قنبر اصعدا مرد المیزاب الی مکانہ کہ اسے قبر چڑھ جاؤ اور میزاب کو اپنی جگہ پر لگا دو۔ قبر نے ایسا ہی کیا اور پھر حضرت علی نے فرمایا وحق صاحب هذا القبر والمنبر لئن قلعه قالع لاضرہ من عنقه وعتق الامر له بذلک ولاصلبہ فی الشمس حتی یفنا واکرم کما ہون صاحب قبر و منبر یعنی رسول خدا کی کہ اگر کسی نے اس نالے کو پھر اپنی جگہ سے کالاتا تو میں اسکی اور نیز حکم دینے والی کی گردن مار دوں گا اور چلتی ہوئی دھوپ میں صلیب پر چڑھا دوں گا۔ یہ خبر عمر کو پہنچی وہ مسجد میں آئے اور دیکھا کہ میزاب پھر اپنی جگہ پر لگا ہوا ہے مگر دیکھ کر کچھ نہ کر سکے اور ڈر کے اسے صرف یہ کہنے لگے کہ خدا نکرے کہ کوئی ابو الحسن کو غصے میں لائے۔ صبح کے وقت امیر المؤمنین نے حضرت عباس سے پوچھا۔ کیف اصبحت یا عم کہ آج کیسی گزری۔ ابو مخون نے جواب دیا کہ جب تک تم زندہ ہو میں چین و آرام سے ہوں۔ اس پر جناب امیر نے فرمایا یا عم طب نفسک وقرعینا فواللہ لو خاصمنی اهل الاض فی المیزاب لخصمتہم ثم لقتلتہم بحول اللہ و قوتہ کہ اسے چچا قسم ہے خدا کی اگر تمام اہل زمین اس میزاب کے سانپے میں بچے سے جھگڑا کریں تو میں سب کا مقابلہ کروں اور سبکو مار دوں آپسے فکریسے۔ حضرت عباس نے آپکی بیٹائی کو بوسہ دیا اور کہا جسکے تم مددگار ہو اسے کیا غم ہے۔

ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے حسین حضرت علی کے مقابلے وقت تلے کے لئے آمادہ ہونا

میں اور وہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...

یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...

کون کون سے لوگ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...

یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...

بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت علی نے رات ہی میں آجکے دفن کروایا اور سکی جگہ کو ابو بکر و عمر اور کچھ ماجرین و انصار حضرت علی کے مکان پر آئے تاکہ جنازے کی نماز پڑھیں مقتدا بن اسود نے کہا کہ فاطمہ کو کل رات ہی میں دفن کر دیا۔ عمنے ابو بکر کو کھڑک کر کے کہا انما قلنا انهم سيفعلون ذلک کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ یہ ایسا ہی کرینگے۔ عباس نے کہا کہ حضرت فاطمہ کی وصیت یہی تھی کہ تم اور نیر نماز نہ پڑھو۔ عمر نے کہا کہ اسے نبی ہاشم اپنے برائے کہنے تم نہیں چھوڑتے۔ قسم خدا کی اگر ہم جاہل تو تو جسے نکال کر فاطمہ پر جنازہ پڑھیں۔ یہ سن کر اس اللہ غضب میں آئے اور فرمانے لگے واللہ لو رمت ذلک یا ابن ضحاک لا رجعت الیہا بییننا لئن سللت سیفیفا لغدتہ دون ازہاق نفسا۔ کہ اے پسر ہماک قسم ہے خدا کی اگر تم ایسا ارادہ کرو تو پھر تم اپنے آپ کو بناؤ اس لیے کہ اگر میں تلوار نکالوں تو جب تک تمہارا خون نہ بہا لوں پھر اسے میان میں نکر دوں۔ عمر یہ سمجھ کر کہ غضور علی اپنی قسم پوری کرینگے جب رہ گئے اور کچھ نبولے۔ اور اسی خبر کو دوسرے طور پر لیون لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ کو دفن کر دیا تو ماجرین و انصار بقیع میں گئے وہاں جا لیس قرن ایک قسم کی پائین در او میں حضرت فاطمہ کی قبر چھانی جاتی تھی۔ اس میں بعضے کہنے لگے کہ ہم ان سب قبروں کو کھود کر فاطمہ کی بخش باہر نکالیں گے اور نماز پڑھیں گے۔ جب یہ خبر حضرت علی کو پہنچی تو آپ مثل شیر خشتناک گھر میں باہر آئے آجکی آنکھیں غصے سے سرخ تھیں اور گردن کی رگین پر خون۔ اور وہ زرد جامہ کہ خاص لٹائی کے دن آپ پہنا کرتے تھے پہنے ہوئے اور ذوالفترت حاصل کئے ہوئے بقیع میں تشریف لائے۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر کہیں دوسرے سے کہا کہ دیکھتے ہو کس جوش اور کس حالت سے علی آرہے ہیں۔ اور قسم کھالی ہے کہ اگر کسی نے ایک پتھر کو بھی قبر سے اٹھا یا تو تمام جماعت کو از اول تا آخر قتل کر دوں گا پھر جب عمر معہ اور لوگوں کے آپ کے سامنے آئے

یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...
 حضرت فاطمہؑ کی قبر پر...
 یہاں تک کہ...

تو عمر نے کہا کہ یا ابو الحسن آپ کو کیا ہو گیا ہے ہمتو فاطمہ کو قبر سے نکال کر خانے کی نماز خضر در پڑھیں گے۔ آپ نے
 یہ سن کر عکبر طیف ہاتھ بٹھایا اور اونکے کپڑے کپڑا کر ڈالے اور ایسی جنبش نہی کہ وہ زمین پر گر پڑے اور زمین پر گر کر
 آپ نے کہا کہ اسے سیاہ لٹنڈی کے بچے خلافت جو میرا حق تھا تنہا لے لیا اور میں کچھ نہ بولا اس خیال سے
 کہ لوگ تڑپ ہو جائیں گے۔ اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ لیکن قسم ہے او سکی جسکے قبضے میں علی کی جان ہے کہ
 اگر تنہا فاطمہ کی قبر کو کھودنے کا ارادہ کیا تو زمین کو تم لوگوں کے خون سے سیراب کر دوں گا۔ اب لگ جاتے
 ہو تو اچھا آگے بڑھو اور قبر کو ہاتھ لگاؤ۔ سپر ابو بکر نے آگے بڑھ کر آپ کو قسم دلائی کہ اسے ابو الحسن آپ کو
 رسوخ اور عرش کے پیدا کر نیوالے کی قسم ہے عمر کو چھوڑ دیجیے۔ ہم کوئی کام ایسا نہ کریں گے جو آپ کے
 ناگو اور خاطر ہو۔ اسپر جناب امیر نے اڑ کو چھوڑ دیا۔ اور لوگ چلے گئے اور علی اپنے گھر کو تشریف لے آئے۔
 یہ روایتیں اگرچہ جناب امیر المؤمنین کی شجاعت اور محبت اور غیرت اور حمیت اور اسد اللہ کی
 شان کے مطابق ہیں اور اس سے آپ کا سطوت و جلال بلا شہد ثابت ہوتا ہے لیکن اوسکے ساتھ و بیٹھ
 خدا کا بھیجا ہوا ہوا، انور ہوا جاتا ہے اور وہ اقرار اور عہد جو جناب امیر نے رسول خدا سے کیا تھا اور
 جس پر جبریل و میکائیل اور ملائکہ مقربین کی گواہی ہوئی تھی کہ میں صبر کروں گا اگرچہ میری حرمت کو تنہا
 کریں اور میرا ننگ و ناموس برباد ہو اور خانہ کعبہ خراب کیا جائے باطل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ گواہوں
 مواقع پر جہاں شرفاء عقلاً غیظ و غضب ظاہر کرتی تھی ضرورت تھی آپ نے ایسا تحمل فرمایا جو انسانی طاقت سے
 باہر ہے مگر دوسرے موقعوں پر جو بمقابل اوسکے نہایت ہی خفیف تھے آپ نے ایسی اسد اللہ کی گواہی
 کہ زمین و آسمان میں لرزہ پڑ گیا۔ اور تمام ماجربین و انصار کا نپ اوٹھے۔ اور فقط غیظ و غضب انہما ہی
 نہیں کیا بلکہ بعض موقع پر ذوالنفس اعلیٰ کے جوہر دکھانے اور خون کے بہانے سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔
 یہ مختلف حالتیں جناب امیر کی جو مختلف ردایوں سے شیعوں کی بائیں جاتی میں ہماری انسانی سمجھ سے
 باہر ہیں۔ درحقیقت یہ ان سرار امامت سے ہیں جنکو نہ فرشتے سمجھ سکے نہ انبیاء اولوالعزم بچہ دوسرے لوگ

کیونکہ سمجھ سکتے ہیں۔ ہم تو اگر کچھ سمجھ سکتے ہیں تو صرف یہ بردہ تین محض بے بنیاد ہیں اور ہر موقع اور محل کے مناسب بنالی گئی ہیں۔ اور الف لیلہ کی کہانیوں اور امیر حمزہ کی داستانوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اور اگر عقل کو ذرا بھی خلل دیا جائے تو خدا اور اسکے رسول اور ائمہ کی شان سے یہ تمام باتیں نہایت بعید معلوم ہوتی ہیں۔ اور ہرگز قیاس میں نہیں آتا کہ جس خدا نے پیغمبر صلعم کو تبلیغ رسالت کے لئے مامور فرمایا ہو اور جس نے حیانت اسلام اور حفاظت مسلمین کے لیے سیف و سنان سے کام لینے کا حکم دیا ہو وہ خلیفہ بلا فصل اور وحی رسول اور ابوالائمہ اور سدا اللہ کو تاکید بڑا کیا کرے کہ خلفا کی مخالفت نہ کرنا اور وہ کیسے ہی ظلم و ستم کریں یہاں تک کہ اہل بیت نبوی کی ناموس برباد کریں غائبہ کعبہ کو ڈھا دیں قرآن کو بارہ بارہ کہیں بگڑ جائے۔ اور اسلام کے اصول اور خدا کی عام ہدایتوں اور رسول خدا کے طرز عمل اور امامت کے مقصود کے اس وصیت کو کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ وصیت سراسر اس کے مخالف پائی جاتی ہے۔ اور بالقرین اگر یہ وصیت صحیح ہو اور جس شان سے اور جس اہتمام سے وصیت نامہ بھیجا گیا جو کہ تنزیل قرآن سے بھی بڑھ کر ہے یعنی قرآن کی کوئی سورت یا ایک آیت نہ لکھی ہو یا نازل ہوئی نہ ہر شدہ۔ اور یہ وصیت نامہ اس لئے بھیجا گیا کہ جبریل پر بھیج دئے انے وطنان نکلیا شاید خیال کیا ہو کہ وہ کچھ بدل نہ دیں لکھا لکھا یا عرش سے نازل کیا۔ اور اس لئے کہ کوئی کھول نہ لے اور قرآن کی طرح او میں تخریف نہ کر دے اور ہر مہرین حجت کی لگائی گئیں اور ملا کہ مہرین حفاظت کے لئے اس کے ساتھ لئے گئے اور پیش کو سنئے وقت سوا وحی رسول کے تمام لوگ خواہ وہ اہل بیت ہی میں سے ہوں ہٹا دیئے گئے۔ اور بجز علی کے کوئی حاضر نہ رکھا گیا۔ اور پھر اسکی تمہید لفظی طور سے جبریل امین نے شروع کی کہ رسول خدا کا نب اوٹھے اور ایک ایک جڑ آپ کے بدنکا ہلنے لگا۔ اور پھر جب علی رضی وحی رسول اور شیر خدا نے اسے سنا تو مارے دہشت اور خوف کے زمین بگر پڑے اور بیہوش ہو گئے۔ اور خداوند تعالیٰ کو اس وصیت نامے کی شدت اور سختی اور غیر ممکن التعمیل نے پرخود اس قدر خیال تھا کہ قطر رسول خدا کا کہنا اور جناب مہر کا

اقرار کر لیا کافی منہجی بلکہ جبریل و ملائکہ مقررین کی اوس پر شہادت لی اور بغیر شہادت لئے اوس اقرار کے
 و خاکرنیکے عہد کو کافی نہ خیال کیا۔ جبکہ ایسے اہتمام سے اس وصیت نامے پر عہد لیا گیا اوسکی تعمیل غصب فدک اور غصب
 خلافت پر محدود درجی۔ اور دیگر مواقع پر اوسکا کچھ بھی خیال نہ رکھا گیا۔ وہ عہد پورا کیا گیا۔ عہد تو ایسا سخت تھا کہ غصہ
 کرنیکی بھی اجازت نہ تھی۔ اور برٹے سے برٹے واقعات پر جو بن و چرا کرنیکی ممانعت تھی۔ مگر کس آسانی سے
 خلاف اوسکے کرنا اور اوس عہد کا توڑنا بیان کیا جاتا ہے کہ خفیف سے خفیف معاملات پر نہ صرف انہما
 غیظ و غضب پر جناب میرے کفایت فرمائی بلکہ ذوالفقار علی سے بھی کام لیا اور کام لینے کا ڈر دکھایا اور
 اوس عہد و موثقی کا جن پر ملائکہ عرش برین کی شہادت تھی کچھ خیال نہ کیا۔ افسوس ہی کہ اس قسم کی روایتیں
 بیان کرنے اور ہر موقع کے لئے ایک داستان گڑھ لینے سے بجز مذہب کی ہنس کرانے اور خدا و رسول پر
 تمسک لگانے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور تناقض اور اختلاف ان روایتوں کا اس طرح پورا ہوا کہ کذب
 ظاہر کر دیتا ہے کہ دوسرے کو اوسکی تردید اور تکذیب کی وجہ پیش کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہتی۔
 پھر یہ بات بھی خیال میں نہیں آتی کہ اوس وصیت نامے کا مضمون کھلایا جائے کیونکہ ظاہر ہوا اور
 کس طرح رادیوں کو معلوم ہوا کہ اوس مہری اور دستخطی وصیت نامے کا یہ مضمون تھا جو اوپر بیان کیا گیا۔
 اوسکے مضمون کا افشا کرنا بد عہدی تھا اور ایسے یہ نہیں مانا جاسکتا کہ ائمہ نے کسی سے اوسکا ذکر
 کیا ہو۔ ایسے کہ جیسا کہ روایت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا یہ وصیت خود ایک راز سربستہ تھی اور اوسکے
 پوشیدہ رکھنے اور کسی پر ظاہر ہونے کے لئے خاص اہتمام خدا کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اول یہ کہ وہ لکھا ہوا
 تھا اور سوا سے خدا کے کوئی دوسرا اوسکا لکھنے والا نہ تھا۔ دوسرے سر مہر تھا اور جو جبریل امین
 ملائکہ مقررین اوسے لائے اور کوئی اندیشہ اوسکے مضمون کے ظاہر ہونے کا نہ تھا جسکے لئے مہر کی
 ضرورت ہوتی مگر مزید احتیاط سے اوپر جنت کی مہر لگانی گئی تھی اور پھر جب جبریل امین رسول خدا کے
 پاس پہنچے تو بسکو ہٹا دیا اور خدا کی طرف سے اول ہی حکم سنایا کہ سوا سے علی کے کوئی نہ ہونے پاو

خوڑا اور نکلے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ حضرت میرے فرمایا ہے کہ آپ دو سچ جابین اور صبر کرین اور اس سے ہر
 عذاب کی باعث نہ بنیں۔ فاطمہ نے کہا کہ اگر انھوں نے کہا ہے تو اچھا میں لوٹی جاتی ہوں اور صبر کرونگی۔
 اور ایک دوسری روایت میں حضرت امام جعفر صادق سے یہ منقول ہے کہ جب حضرت فاطمہ نے
 اپنے سر کے بال کھولنے کا ارادہ کیا تو مسلمان کہتے ہیں کہ میں اوس نکلے پاس موجود تھا اور بخدا میں نے دیکھا
 کہ مسجد کی دیوار میں جڑ سے اوپر گھسٹیں اور تہی اونچی ہو گئیں کہ اونکے نیچے سے آدمی گذر سکتا تھا پس میں
 اونکے پاس گیا اور کہنے لگا کہ سیدہ من و خاتون من خدا نے تمھارے والد بزرگوار کو جملہ عالم کے رحمت
 بنایا تھا تم سب نزل عذاب مت ہو۔ اب حضرت فاطمہ سے باہر گھسٹیں اور دیوار میں اپنی جگہ پر گھسٹیں
 دیواروں کے بلند ہو جانے اور اپنی جڑ چھوڑ دینے اور ہجر اپنی اصلی حالت پر آنے سے جو خاک اور ٹہنی کی
 گرد ہاری گا کون میں پہنچی فقط۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ نے اپنی طرف سے نہ صبر فرمایا
 اور نہ وصیت کا کچھ ذکر کیا اور نہ اوسکی عایت کی بلکہ یا تر حالئنا س یا حضرت علی کے کہنے یا مسلمان کے
 عرض کرنے سے اپنے ارادے سے باز رہیں اور لوگوں کو ہلاک کرنے اور عذاب نازل کرنے کی دعا نہ کی۔
 اگر وصیت کی روایت صحیح ہوتی تو جناب سیدہ خود ہی صبر فرماتیں اور اس قسم کا ارادہ ہی نکرتیں۔
 یا وصیت کی یاد کر کے اس ارادہ سے باز رہتیں۔ نہ کہ دیگر وجوہ سے۔

علاوہ برین بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ تو صحابہ کا ظلم دیکھ کر صبر کر چکے
 تھے اور مخزون اور مظلوم بیٹھے رہتے تھے مگر حضرت فاطمہ اونکے اس سکوت اور خانہ نشینی کو اور اپنے
 حق طلب نفرانے کو پسند نہ کرتی تھیں اور اس پر غصہ کیا کرتیں۔ یہاں تک کہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت
 فاطمہ امیر المؤمنین سے اس بات پر بیخ کا اظہار کر رہی تھیں کہ یکایک نمودن نے اذان دی اور اشہد
 ان محمدار رسول اللہ کی آواز سنائی دی تو حضرت علیؑ نے فاطمہ سے کہا ایسراک زوال ہذا
 النداء من الارض قالت لقال فانه لا اقول لاک کہ کیا آپ اس بات کو پسند کرتی ہیں کہ

۴
 جون حضرت زینب
 شہناز بے باکی اور
 بیحد دل
 وہ خون چھلکے
 کہ جو خیاں نہ کھانڈے
 نظر ڈالو کہ لڑکوں
 تیغ خشک نماں سے
 نے ہر دوں کا خون
 ہر گھٹ سے
 ہر گھٹ سے
 زوال انوار اللہ
 الارض قالت لقال
 فانہ لا اقول لک
 بہتیمان ان
 سو کھائے
 کہیں ان کا
 ہوا نہ وہ حق کرود
 غلام زوال نہ ہوا
 کہ ہوں کہ ہوں
 ہونا نہ

یہ نام زبان پر نہ آوے اور یہ عوامسانی نہ پڑے۔ حضرت فاطمہ نے کہا میں تب آپ نے فرمایا کہ اسی کا تو مجھے خوف ہے کہ اگر میں اپنے حق کے لئے مقابلہ اور مقاتلہ کروں تو خوف ہے کہ ایک بارگی سب آدمی شریک ہو جاویں۔

اور سب سے بڑھ کر ذمیت کی روایت کو جو جریباطل کرتی ہے وہ جناب امیر المومنین کا خطبہ شریف ہے اور یہ وہ خطبہ ہے جسکو امامیہ قرآن مجید کی بڑے بڑے سمجھتے ہیں اور اسکی صحت میں شبہہ کرنا گویا قرآن میں شبہہ کرنا خیال کرتے ہیں۔ امین حضرت امیر فرماتے ہیں اما والله لقد نقمصها فلان وانہ ليعلم ان محلي منها محل القطب من الرحي ينحد عنى السيل ولا يرقى الى الطير فسندلت دونها ثوبا وطويت عنها كشحا وطفقت ان ارتضى بين ان اصول بيابجاء واصبر على طخية عمياء يهرم فيها الكبير ويشيب فيها الصغير ويكبح فيها مومر حتى يلتقى ربه فرأيت ان الصبر على هاتنا لاجحى فصبرت وفي العين قذى وفي الحلق شحج جسکا حاصل یہ ہے کہ جب البوکرنے خلافت لے لی باوجودیکہ وہ خوب جانتے تھے کہ نظام خلافت کا مار مجھ پر ہے اور تمام علوم اور حکمتیں اور تدبیرات اور تصرفات مجھ سے خلق پر ایسے نازل ہوتے ہیں جس طرح کسی بلند ہاڑے پانی گرتا ہو۔ میرے کلمات کو کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ اور جب میرے اس درجے کو جانکر خلعت خلافت خود پہن لیا تو میں نے صبر کا جامہ پہنا اور اسکی طلب سے ہاتھ کھینچا اور اسکی طرف التفات نکلیا کیونکہ میں نے اس معاملے میں خوب فکر کی اور حجبی طرح اسپر غور کیا کہ دو کاموں میں سے مجھے ایک کا کرنا چاہیے یا تو کٹے ہوئے ہاتھ سے حکم کرنا یعنی بے معاون و ناصر کے افسے مقابلہ کرنا یا صبر و شکیبائی اختیار کر کے چپ رہ جانا۔ اور صبر بھی اوس تاریکی کی حالت پر جس میں امور خلافت مشتبہ ہو رہے ہوں اور لوگ تو ضلالت میں مثل اندھوں کے گم رہے ہوں۔ اور نیز ایسے زمانے تک کہ بس میں جو ان بوڈھا اور بچہ جوان ہو جاوے اور مومن بچ و وصیبت اوٹھاتا رہے یہاں تک کہ اپنے خدا سے ملے۔ ان دور ایوں پر

جب میں نے عوکیا تو مجھے بھی مناسب معلوم ہوا کہ اس شدت و ظلمت میں صبر کرنا تو رین عقل ہے اس لئے میں نے صبر کیا اور منازعت اور محابہ کو چھوڑا حالانکہ میری آنکھوں میں خار کھٹکتا تھا اور حالت دکھ بھر میرا عیش منقص تھا۔

ملاحظہ فرمائیے شرح فارسی پنج البلاغت میں فساد ملت دو تھا آٹھواں اور دوا سکے بعد کے فقر و ننگے ترجمہ اور شرح میں لکھتے ہیں کہ پس فرود گئے تہم نزد آن خلافت جائے صبر اور دست از طلب آن باز آئتم در نوروزیم ازان تہی گاہ را و بیک جانب شد معنی اعضاء نمودم ازان و حملہ التفات بجانب او نکردم و در ایستادم بنگر کردن در امر خود و جولان دادن فکر میان آنکہ حملہ آرام بدست بریدہ۔ این کنایت است از عدم معاون و ناصر صبر در ملازمت او پیش از دو وارزدہ کس نبودند۔ یا صبر نامیم و شکیبائی پیشہ کفتم بظلمتی کہ تصف بصف کوری است۔ و این کنایت از شدت التماس و در امور خلافت یعنی یا شکیبائی در زرم بزاری کی التماس امور خلافت کہ خلق بان معتمدی نمی شود یعنی دو اسطر آن در ادوی ضلالت می افتند مثل کوری کہ بان راہ بنزد و در چاہ ہلاکت افتند۔ و آن چنان ظلمتی کہ بہ نہایت پیری میرسد در آن بزرگ سال کمال پیریسد در آن خورد سال سبب عدم نظام امور معاش۔ و تعب و بیخوشی در آن مؤمن بجهت سعی و اجتهاد و حصول حق و دفع فساد و غمی رسد بان تا میرسد بہرہ در دو گار خود و چون حال برین منوال بود پس یدم کہ صبر کردن درین شدت ظلمت اقرب است بعقل و اولی و اہل حق است بان سبب نظام اسلام بواسطہ عدم معاونت کمزرت معاند پس صبر کردم و ترک منازعت و محار بہ نمودم در حالتیکہ در حتم من غاشاک بود و غبار ازان ایذا می یافتم و متنازی می شدم و در گلو تخوان گزفتہ بود کہ ازان منقص بود عیش من۔ این ہر دو فقرہ کنایت از شدت غصہ و غم و مرارت صبر و الم اہتمی بلغظہ۔

اور ابن میثم بخرانی و طہفقت بین ان اصول کی شرح میں فرماتے ہیں بیدانی جعلت اجیل الفکر الخ یعنی جناب امیر کا مقصود یہ ہے کہ امر خلافت کی تدبیر میں میں نے اپنی راہ کے دو نقیصوں کے درمیان پایا تو یہ کہ جو لوگ میرے سوا امامت کے غاصب ہیں انہوں نے لڑو یا امامت کو چھوڑ دو اور ان

دونوں باتوں میں بڑا خطرہ دیکھا اس لئے کہ کٹے ہوئے ہاتھ سے یعنی بے معادن و ہمین کے مقابلہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں علاوہ اپنے نفس کو ایذا دینے کے نظام مسلمین کو بے فائدہ تشویش میں ڈالنا ہے اور اسکو چھوڑنے میں حق و باطل کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ اور معاملات کا التباس اور اختلاط میں بڑھانا اور اس کا دیکھنا نہایت تکلیف دہ ہے۔ بھراپ نے اپنی ترجیح راسے کا اظہار دوسرے امر کے اختیار کرنے یعنی امامت سے صبر کرنے اور اس کے چھوڑ دینے پر اپنے عقل سے فرمایا کہ امامت بڑھ کر کرنے کو میں نے زیادہ اچھا خیال کیا اور انتظام اسلام کے لئے زیادہ مناسب جانا تاکہ دین قائم رہے اور اس کے قواعد قانون مستقیم پر جاری رہیں اور ہوا خلق کا انتظام جو شراعیین کا مقصود ہے بنا ہے اور بے یار و مددگار کے آپ کا لڑنا امامت کے قائم رہنے کے لئے مفید نہ تھا کیونکہ اگر لڑائی ہوتی تو اس سے مسلمانوں کے امور پر لگندہ ہو جاتے اور انکی ایک بات بنی نہ رہتی اور انہیں فتنہ و فساد بڑھتا سیلے کہ اسلام کی محبت اکثر لوگوں کے دلوں میں راسخ نہ ہوئی تھی اور ابھی حلاوت اسلام سے وہ واقف نہ ہوئے تھے اور منافع اور اعدا اور مشرکین اپنی نہایت قوت کے ساتھ اقطار عالم اور مسلمانوں میں موجود تھے تو باوجود ان حالات کے ملاحظہ کرنا کیلئے امامت کے لئے لڑائی اور منارعت پر جہارت کرنا کسی طرح ممکن نہ تھا اور صبر کرنا اور امامت کے لئے نہ لڑنا اگرچہ آہین بھی آپکی راہ کے موافق دین کا خلل اور اپنے مقصود کے برخلاف تھا اسلئے کہ اگر آپ امامت پر قائم ہوتے تو انتظام قوم دین پوری طرح بڑھتا مگر بغل نسبت اس خلل کے جو امامت کے لئے لڑائی کرنے اور آپکی طلب امامت میں ہوتا کہ ہے کیونکہ بعض زبانی دوسری بڑائی سے آسان ہوتی ہے فقط ان الفاظ سے جو جناب امیر نے اس خطبہ میں فرمائے وصیت کی روایت کی پوری پوری تردید ہوتی ہے۔ اسلئے کہ آپ نے مقابلہ اور مقاتلہ سے اسلئے ہاتھ نہیں اٹھایا کہ اس کے نگرانی وصیت تھی اور نہ اس حملے میں خلافت کے آپ کے لئے خدا کی طرف سے کوئی ہدایت تھی کیونکہ اس خطبہ میں آپ صاف صاف فرماتے ہیں کہ میں نے دونوں پہلو پر نظر کی اور دونوں خرابیاں پائیں مگر ترک منارعت کو زیادہ آسان بنا اور مقابلے میں اسلام کی خرابی دیکھی اور اسلئے آسان تر خرابی

یعنی ترک مناعت کو اختیار کیا پس فیصلہ آپ نے صرف اپنی رائے سے کیا اور جس طرح ایک نہشت مند اور
 اور اندیش نیک طینت خیر خواہ خلق اور بے نفس و بے غرض آدمی معاملات کے ہر ایک جانب اور ہر ایک
 پہلو کو دیکھ کر انہوں اور اسل چہر کو اختیار کرتا ہے۔ آپ نے بھی ترک مخالفت کو اختیار کیا اگر خدا کا حکم ہوتا
 اور آپ کے لئے کوئی خاص وصیت خدا کی طرف سے ہوتی تو پھر اسے اور قیاس کو دخل دینے کی ضرورت تھی
 اور نہ دخل دینا جائز تھا کیونکہ خدا کے حکم اور وصیت میں اسے اور قیاس کا کیا کام ہے پس اس خطبے سے
 جسکو حضرات امامیہ معتبرین کلام جناب امیر کا سمجھتے ہیں اور جسکے کسی ایک لفظ اور ایک حرف میں شک
 نہیں رکھتے وصیت نامیکلی۔ وایت غلط ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
 اگر آپ کی خلافت ہونے سے انتظام دین زیادہ مستحکم ہوتا مگر دوسروں کے خلیفہ ہو جانے سے بھی انتظام اسلام کا
 قائم رہا اور لوگ مسلمانی پر ثابت قدم رہے اور منافقین اور اعدا اور مشرکین کی قوت کا اثر اسلام پر پڑنے پایا۔
 دوسری وجہ جناب امیر کے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے اور ہر طرح کے ظلم و ستم سننے کی یہ بیان کی جاتی ہے
 کہ آپ کے اعدا و انصار نہ تھے۔ اور گو کوئی شخص کیسا ہی شجاع اور دلیر اور باہمت اور باغیرت ہو
 مگر اوسکا ساتھ دینے والے اور اوسکی اعانت و مدد کرنے والے لوگ نہوں تو اوس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔
 اگر جناب امیر کے ساتھ دینے والے اہل بدر کی تعداد کی برابر بھی ہوتے تو آپ بلاشبہ مقابلہ اور مقاتلہ
 کرتے۔ اور وجہ معاون و انصار کے نہون کی یہ ہے کہ تمام ہاجرین و انصار اور سارے اصحاب پیغمبر
 صلعم کے وفات پاتے ہی مرتد ہو گئے تھے۔ بخار الاوار میں حال الکشی سے بروایت مسدیر یام باقر
 سے یہ روایت لکھی ہے کہ تمام آدمی بعد نبی کے مرتد ہو گئے الا تین شخص اور وہ مقداد بن اسود اور ابوذر
 غفاری اور سلمان فارسی تھے۔ ان تین میں عمار بن یاسر کا نام نہیں ہے مگر ایک اور روایت میں خیر کو
 انکا نام بھی مرتدین سے خارج کیا گیا ہے۔ ابو بکر غفاری نے امام باقر سے روایت کی ہے کہ آپ نے
 فرمایا کہ مجز تین شخصوں سلمان ابوذر و مقداد کے سب مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے کہا کہ عمار کا کیا حال ہوتا

اونہون نے جواب دیا کہ پہلے اونہون نے حق سے عدول کیا تھا لیکن پھر حق کی طرف رجوع کر گئے بعد اسکے امام نے فرمایا کہ اگر تو ایسا شخص چاہتا ہے کہ جسے بالکل شک کیا ہو اور اسکے دل میں کوئی دوسو سو نہ آیا ہو تو صرف مقداد بن اور سلمان کے دل میں عارضی طور پر یہ بات آتی تھی کہ حضرت علی کے پاس ہم اعظم ہے اگر وہ اوسکو اپنی زبان سے نکالیں تو سب مخالف زمین میں دھنس جائیں اور یہ بات بھی ٹھیک تھی۔ پھر اسی روایت میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ اسکے بعد ابو ساسان انصاری اور ابو عمرہ اور شیبہ تین آدمیوں نے حضرت علی کی طرف رجوع کی غرض کہ جن لوگوں نے حضرت امیر المؤمنین کا حق پہچانا وہ سات آدمی تھے۔

(بحار الانوار کتاب الفتن صفحہ ۴۶ و ۴۷) عبدالملک بن امین سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے صحابہ کے ارتداد کے متعلق سوال کرنا شروع کیا اور برابر سوال کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے آپ سے کہا کہ اس صورت میں تو سبھی ہلاک ہو گئے امام نے فرمایا ہاں بخدا اے ابن امین سب ہلاک ہو گئے۔ میں نے کہا کہ کیا جو شرق کے رہنے والے تھے وہ بھی اور جو غرب کے رہنے والے تھے وہ بھی ہلاک ہوئے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں خدا کی قسم سوائے تین کے سب ہلاک ہو گئے۔ لیکن بعد کو ابو ساسان اور عمار اور شیبہ اور ابو عمرہ آئے تھے اور سب ملکر سات شخص بن گئے تھے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعد بیت ابو بکر کے ماجرین و انصار نے جناب سے بیعت کر لی خود ایش ظاہر کی مگر ثابت قدم نہ رہے جیسا کہ ابھی امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ بعد اسکے ماجرین و انصار وغیرہ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہی امیر المؤمنین ہیں اور خلافت کے مستحق آپ ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں حضرت علی نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کل سر کے بال منڈوا کر میرے پاس آؤ مگر سوائے سلمان اور مقداد اور ابو ذر کے کسی نے بال نہ منڈاے اور پھر دوسری مرتبہ آئے اور بیعت کر نیکی لئے آنا دگی ظاہر کی پھر حضرت نے وہی فرمایا اور پھر بھی اونہون نے اوسکی تعمیل نہ کی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ کیا عمار و ابو بکر وغیرہ تین نہ تھے جنہوں نے حضرت کے حکم کی تعمیل کی تھی فرمایا نہیں پھر میں نے کہا کہ عمار بھی مرتدین میں

داخل میں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بعد اسکے حضرت علی کی طرف سے لڑے۔ اس سے میطلب نکلتا ہے کہ گو وہ اوس وقت مرتد ہو گئے تھے گزرجیچے حضرت علی کے ساتھ دینے اوں کی طرف سے لڑنے کے سبب اون کا ایمان قائم رہا۔

اور کافی عین ابو العیثم بن نیمان سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین علی نے مدینے میں لوگوں کے سامنے ایک خطبہ پڑھا جس میں بعد حمد کے آنحضرت صلعم کے فضائل بیان کئے اور یہ فرمایا کہ آپ نے اپنی پیغمبری کا کام پورا کیا اور رہنمائی کے راستے مقرر کئے۔ اسے لوگوں کو فریب دیا گیا اور وہ فریب میں آگئے اور فریب دینے والیکے لڑکے کو پہچان گئے اور جان بوجھ کر اوس پر اڑے رہے اور ہوائے نفس کا اتباع کرتے رہے حق اونکے لئے ظاہر ہوا لیکن وہ اوس سے باز رہے اور اٹھلا سوار آستہ اونکے سامنے تھا اور وہ اوس سے بچ گئے۔ اوس ذات کی قسم جسے دانے کو اگایا اور بچے کو پید کیا اگر تم کو معدن علم سے حاصل کرتے اور شیرین پانی پیتے اور نیکی کی توقع سے نیکی کا ذخیرہ کرتے اور صاف صاف راستے اختیار کرتے اور کھلے ہوئے حق کے راستے پر چلتے تو صاف صاف راستے تک پہنچ جاتے اور تمہارے سامنے نشانیاں ظاہر ہو جاتیں اور اسلام تمہاری نظر میں روشن ہو جاتا۔ خوشی اور فرے سے تم کھاتے اور کوئی شخص تم میں سے تنگ حال نہوتا۔ اور کوئی مسلمان اور وہ شخص جس سے عہد کیا گیا ہوتا تم سیدہ نہوتا لیکن تم لوگ ظلم کے راستے پر چلے اس واسطے باوجود فراخی کے دنیا تمہارا ایک ہو گئی اور علم کے دروازے تمہارے سامنے سے بند ہو گئے۔ تمہیں اپنی خواہشوں سے گفتگو میں کین اور اپنے دین میں مختلف ہو گئے۔ اور بغیر علم کے دین آہی میں مستوی دیے اور کج طبع لوگوں کا تم سے اتباع کیا اونہوں نے تمکو گمراہ کر دیا اور تم نے اماموں کا ساتھ چھوڑا اونہوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ تم عنقریب اپنی بولی ہو سی چیزوں کو قطع کرو گے اور اوسکی ناگواری معلوم کرو گے جو تم سے گناہ کئے اونکا ناگوار مزہ چکھو گے قسم ہے اوس

ذات کی جینے والے کو اوکا یا اوربچے کو پیدا کیا کہ بیشک تم جانتے ہو کہ میں تمہارا صاحب اور حاکم اور عالم ہوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ تمہاری نجات میرے علم پر موقوف ہے۔ تمہارے پیغمبر اور عالم صلعم کا وہی ہوں تمہارے پروردگار نے مجھ کو منتخب کیا ہے۔ عنقریب آہستہ آہستہ وہ مہیب ترین ہتھیار نازل ہونگی جسکا وعدہ کیا گیا ہے اور پہلی امتوں پر وہ نازل ہو چکی ہیں۔ واللہ اگر میرے پاس طاقت کے ساتھیوں کی برابر یا اہل بدر کی تعداد کی برابر لوگ ہوتے تو میں تم کو تلوار سے ایسا مارتا کہ تم حق کی طرف سب جمع کرتے اور صدق کی طرف متوجہ ہوتے اور سوت میں بند و بست کرتا اور لطف اور نرمی سے کام لیتا۔ اے بارخدا یا تو ہم میں حق بات کا فیصلہ کر دے تو سب حاکم بنیں بہتر ہے۔ اس خطبہ پڑھنے کے بعد حضرت علی مسجد کے باہر آئے اور اونکا گدرا ایک بکریوں کے گلے پر ہوا جس میں تیس بکریاں تھیں۔ تب حضرت علی نے کہا کہ اگر میرے پاس ان بکریوں کی تعداد کی برابر خدا اور رسول کے خالص دوست ہوتے تو میں اکلۃ الذبان کے بیٹے (البکر) کو حکومت سے نکال دیتا۔ پھر شام کی وقت میں سوسا آدمیوں نے مر جانے پر اون سے بیعت کی۔ حضرت علی نے کہا تم صبح کی وقت مقام حجار الزیت میں (نام مقام قریب مدینہ) سر منڈا کر آؤ۔ حضرت علی نے سر منڈا لیا لیکن اون لوگوں میں سے سوائے ابو ذر اور مقداد اور خذیفہ اور عمار کے کسی اور کو سر منڈا ہوا نہ پایا۔ اخیر میں سب کے سلمان آئے۔ پھر حضرت علی نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا بارخدا یا اون لوگوں نے ہلکوم نہ روں بالیا ہے جیسے کہ بنی اسرائیل نے حضرت ہارون کو ضعیف بالیا تھا بارخدا یا تو اون چیزوں کو بھی جانتا ہے جنکو ہم چھپاتے ہیں اور اونکو بھی جنکو ہم ظاہر کرتے ہیں کوئی چیز زمین و آسمان کی سمجھ مخفی نہیں ہے تو جنکو اسلام پر سوت دے اور نیک لوگوں سے جنکو ملا دے۔ قسم ہے بیت اللہ کی اور حج کے لئے بیابان میں نکلنے والی اور زلفہ کی کہ اگر مجھ کو اس

عہد کا خیال نہوتا جو آنحضرت نے نبیجہ سے لیا تھا تو میں مخالفوں کو موت کی خلیج تک پہنچا دیتا۔ اور
میں اونپر موت کی بدلی موسلا دھا رہا پانی برساتی ہوئی اور گر جتی ہوئی بھیجتا۔ اور جنگ بہت جلد اونکو معلوم
ہو جائے گا۔

عمر بن ثابت سے روایت ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ سے سنا کہ آنحضرت کا انتقال
ہو گیا تو سب لوگ ترند ہو گئے صرف تین مسلمان رہے سلمان مقداد اور ابو ذر۔ اور نیز روایت ہے
کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جاہلیں آدمی حضرت علی کے پاس آئے انھوں نے کہا و اللہ
ہم تمہارے بعد کی کبھی اطاعت نہ کریں گے۔ حضرت علی نے کہا کیا وجہ۔ انھوں نے کہا کہ روز غدیر میں
تمہارے حقین بنا ہے۔ حضرت علی نے کہا تم ایسا کر دو گے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ حضرت علی نے
کہا تو کل تم میرے پاس سر منڈا کر آ جاؤ۔ ابو عبد اللہ نے کہا کہ بجز ان تینوں کے اور کوئی نہیں آیا۔
ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر بعد ظہر کے آئے تو انکے سینے پر حضرت علی نے ہاتھ مارا اور فرمایا
ابھی وقت نہیں آیا کہ تم غفلت کی نیند سے جاگو۔ جاؤ مجھکو تمہاری کچھ حاجت نہیں ہر تم نے سر منڈا
میں تویر لکنا مانا نہیں لو ہے کے پاڑوں سے جنگ کرنے میں تم میرا کیا کہا مانو گے تم چلے جاؤ مجھے
تمہاری کچھ حاجت نہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے میں کے سب لوگ ترند ہو گئے
تھے۔ مگر کافی میں ایک اور روایت ہے جو اسکے مخالف ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ترند
نہو جائیکے خیال سے حضرت علی نے اپنے حقوق کا دعویٰ نہیں کیا اور ترحمال الناس تمام مصائب اپنے
اوپر گوارا کئے۔ زرارہ نے امام باقر سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب لوگوں نے ابو بکر سے
بیعت کر لی اور کیا جو کچھ کیا تو حضرت علی نے لوگوں کو رحم دلی کی وجہ سے اپنی طرف نہیں بلایا اونکو
اندیشہ تھا کہ ایسا نہو کہ لوگ اسلام سے پھر جائیں اور بت پرستی کرنے لگیں اور کلمہ شہادت ترک
کر دیں بلکہ آپکو یہی پسند ہو کہ لوگ اسلام سے ترند ہوں اور اپنی حالت پر قائم رہیں اس لئے جن لوگوں نے

تصدیقاً جمعیت آپکی نہیں کی تھی اور لوگوںکی دیکھا دیکھی بغیر علم اور بغیر عداوت امیر المؤمنین ابو بکر کی بیعت
 اگر لی تھی وہ لوگ اس جمعیت کی وجہ سے کافر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ دائرہ اسلام سے نکل سکتے ہیں اسدو اسطے
 حضرت علی اپنی حالت کو چھپا یا کئے اور بالکراہ خود بھی جمعیت کر لی۔ چونکہ یہ حدیث بالکل منافی اور مناقض
 احادیث سابقہ کے ہے کیونکہ ان سے تمام مسلمانوں کا مرتد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس حدیث سے حضرت
 علی کا دعویٰ نکرنا اور مقابلہ نافرمانا صرف اس خیال سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو ازبیشہ تھا کہ ایسا
 کرنے سے لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ اس لیے جناب ملا باقر مجلسی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ
 اسلام سے مرتد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر اسلام کی پابندی کریں اور کلمہ شہادت پڑھتے رہیں۔
 اس لئے کہ امت کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ اسلام پر باقی رہیں۔ تاکہ مدتوں کے بعد وکویا اونکی
 اولاد کو حق کے قبول کرنے اور ایمان میں داخل ہونے کا موقع مل سکے۔ اس صورت میں یہ
 قول اس قول کے منافی نہیں ہے کہ صرف تین ہی آدمی ارتداد سے بچ گئے تھے۔ اس لئے کہ
 مرتد ہونیکے وہاں یہ معنی ہیں کہ انھوں نے عموماً دین کو فی بحقیقت چھوڑ دیا تھا اور ایمان اسکے
 معنی یہ ہیں کہ انہیں اسلام کی صورت باقی تھی اگرچہ وہ اکثر احکام واقعی کے لحاظ سے کافروں کے
 حکم میں داخل تھے۔ اور یہ بھی اون لوگوں کے لئے ہے جنھوں نے حضرت علی کی امامت کے
 نقص کو سننا ہوا اور اس سے حضرت علی سے بغض و عداوت ہوئی۔ مگر جس شخص نے ان باتوں میں سے کوئی
 ایک بات بھی کی وہ گویا بغیر کے قول کا منکر ہو گیا۔ اور ظاہر میں بھی کافر اور کوئی حکم اسلام کا
 پاسکے لئے باقی نہ رہا اور وہ وجہ القتل ہے۔

جناب عمدة المتکلمین جزیرة الناخرین مولوی سید حامد حسین صاحب استقصا کی جلد دوم

میں بھی اسی کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حدیث ارتداد الصیابة کلہم الاثلاثۃ
 وامنالہ برکز اہل حق معمول بروت شرعی وکفر ظاہری نمی سازند چنانچہ در عبارت بکار کہ انفا منقول شد صحیح

تذکرہ است کہ مراد از ارتداد درین احادیث ارتداد در دین و اقصیت یعنی نہ ارتداد از دین و ظاہر با کلمہ مراد از ارتداد در امثال این احادیث ارتداد بمعنی نام است کہ منافی اسلام ظاہری نیست و در معنی عام ارتداد چہ با دخل می توانند شد ہم تدرین شرعی و ہم کسانیکہ بر اسلام ظاہری باقی مانند دواز ایمان بدر رفتند۔ پھر آنگے اسکے مولوی صاحب مدوح فرماتے ہیں کہ تو ضیح مقام این است کہ ارتداد وارد یعنی مست یکی عام و یکی خاص۔ اما ارتداد عام پس بمعنی لغوی است یعنی برگشتن از چیزی و این معنی شامل است جمیع انواع ارتداد را۔ خواه ارتداد از اسلام باشد خواه ارتداد از ایمان۔ خواه ارتداد از اخلاق حسنہ و عادات جمیلہ و امثال ذلک۔ و اما ارتداد خاص پس ارتداد شرعی است یعنی برگشتن از اسلام و اختیار کردن کفر کہ موجب جریان احکام کفار در دنیا بر صاحب آن تو اندمند۔ اور اسکے بعد جناب مدوح نے خلفائے ثلاثہ کی نسبت دو نو قسم کے ارتداد کا دعویٰ کیا ہے اور فرمایا ہے فان کفرهم و ارتدادهم واضح و لا سترۃ فیہ غرضکہ حضرات امامیہ نے ارتداد کی دو قسمیں کی ہیں ارتداد حقیقی یعنی ظاہر او بظاہر مرتد ہو جانا اسمین خلفاء ثلاثہ کو لغو ذبا شد من ذلک اور ساسمین انھں کو شریک کیا ہے۔ اور دوسری ارتداد باطنی یعنی ظاہر اسلام پر قائم رہنا اور اسمین اون لوگوں کو داخل کیا ہے جنھوں نے بغیر علم اور بغیر عداوت جناب امیر کے دھوکے میں آکر یا اور لوگوں کو نگی کیا دیکھی خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی اور پھر اس قسم کے لوگوں کو جبکہ وہ شریک جناب امیر کے ہو گئے مسلمانوں اور مومنین میں داخل کر لیا ہے۔ اوّل تو یہ تقسیم ہماری سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ ارتداد اولیٰ یہ ہے کہ خدا اور اسکے رسول اور ما جا بہ انہی سے انکار کیا جائے اور ایسا انکار صحابہ کی نسبت ثابت نہیں خصوصاً خلفائے ثلاثہ رض۔ اور اونکے اعمان و انصار کی نسبت۔ اس لئے کہ اونکے اسلام ظاہری پر قائم رہنے کی تصدیق خود حضرات امامیہ کے اکثر اقوال سے ہوتی ہے جیسا کہ علم الہدیٰ ص ۱۱۱

انہی کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ کمنا قاضی کا کہ جس طرح امام حسین نے یزید سے مخالفت کی اور اسکی
 برائیاں نکالیں جناب امیر کو بھی جابہی تھا کہ اپنے مخالفین سے مخالفت کرتے اور زکیہ یعنی اعتراض
 اور انکا نکالنا کرتے اور لوگوں کو اس کے خلاف میں برہنہ فرماتے۔ بعید از صواب ہے اس لئے
 کہ جو خوف یزید سے تھا مثل اس خوف۔ کے نہیں تھا جو خلفا سے کیا جاتا اس لئے کہ یزید فسق و
 فجور کا اعلان کرتا اور دینداری سے بے پروا تھا اور سب جانتے تھے کہ اس میں امامت اور خلافت
 کی قابلیت نہیں ہے۔ اور کوئی شرط شرط امامت میں سے اس میں پائی نہیں جاتی۔ بخلاف
 خوف کرینیکہ ایسے شخص سے جو بزرگ اور مقدم قوم ہوا اور حسن ظاہر میں مستصف اور جم غفیر اس سے
 امامت کے لائق جانتے ہوں بلکہ اس کے رتبہ کو خلافت سے بڑھ کر سمجھتے ہوں پس تم اس ایک کا
 دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے۔ اس میں بناب علم اللہ ہی نے حضرت ابو بکر صدیق کی نسبت
 ان باتوں کو تسلیم کیا ہے کہ وہ مقدم اور عظیم قوم تھے اور حسین ظاہر متصف اور امامت کے لوگ
 ان کے رتبہ سے کہ سمجھتے تھے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں و کیف یکون الخوف من مظهر الفسق
 والخلاعة ولا شہاقتی ان امامتہ مباحہ وغلبۃ وانہ لا بشرط من شرائط
 الامامۃ فیہ کا خوف من مقام معظّم جمیل الظاہر یری اکثر الامم ان الامامۃ
 دونہ وانہا اذنی منازل وما لجمع بین الامم من الالکاجامع بینہم الصّیدین اور محقق جیلانی
 فتح اسبل میں لکھتے ہیں کہ سب دیگر تقویّت سن ظن مردم بعا تقدیرین بیعت آن شد کہ آنہا
 نفوس خود را از اموال باز داشتند و شیوہ زہر در دنیا پیش گرفتند و رغبت بد دنیا و زینت آن را
 ترک کردند و قناعت بقلیل و کل خشن و لباس کرباس ملک خود را خندند و حالتیکہ اموال ہر ایک
 ایشان حاصل و دنیا رو کرده بود و آن را در میان قوم قسمت می کردند و خود را بان صلا آوردہ
 نمی کردند پس دلہای مردم بایشان مائل شد و ایشان را دوست داشتند و ظنون مردم بایشان

نیک شد وہ کس راکہ در بارہ ایشان شہدہ در خاطر بود یا توفیقی داشت با خود گفت کہ اگر ایشان ہوا
 نفس مخالف نفس مغیبر کردہ بودند باست اہل دنیا باشند و ترک اموال و لذات نکلند تا خسران دنیا و
 آخرت ہر دو برامی ایشان نباشد و اینہا اہل عقل و رای صحیح اند چگونہ خسران دنیا و عقبی ہر دو پسندید
 باشند پس فعل ایشان صحیحست کسی اشکی در صلاح ایشان باقی نماند و اعتقاد بولایت ایشان کند
 و افعال ایشان پسندید نہ تہی بلفظ پس تو کہما نہیں جاسکتا کہ خلفا اور اونکے اعران و انصاف نے
 اسلام کو باہم یعنی ترک کر دیا کہ وہ خدا و رسول کے منکر ہو گئے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ امامت
 جو حق علی مرتضیٰ کا تھا وہ او کو نہ دی اور نہ صرف منکر امامت بلکہ غاصب امامت ہو گئے۔
 اس لحاظ سے اونکو شیعہ اپنی اصطلاحی ارتداد کے مطابق مرتد کہیں تو کہیں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں
 آتا کہ دوسرے صحابی جنکی تعداد ہزاروں سے کچھ کم نہ تھی اور جو جناب امیر کے زمانے میں
 اونکے شریک ہوئے کیوں شروع میں علی مرتضیٰ سے پھر گئے اور اونکی اعانت اور مدد کی۔
 اگر یہ کہا جائے کہ وہ دھوکے میں آ گئے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اسلئے کہ حضرت علی کی امامت
 کا معاملہ پیغمبر خدا صلعم نے اس اعلان کے ساتھ طے کیا تھا اور اوسکا اس خوبی سے استہزاء
 تھا کہ سیکو کوئی موقع غدر کا یاد ہو کے میں آئیکا باقی نہ رہا تھا۔ خم غدیر میں صاف صاف لفظوں
 میں ستر ہزار آدمیوں کے سامنے آپ نے علی کو امام بنا یا اور اونکو اپنا ولی عہد کیا اور سب سے
 بیعت لی اور سب نے مبارکباد دی۔ اور پھر پیغمبر خدا صلعم نے اس عہد پر قائم رہنے والوں کے
 درجے ثواب کے اور اس سے پھر جانے والوں کے عذاب جو خدا نے مقرر کئے ہیں وہ بھی
 صاف صاف بتا دیے اور مثل خدا پر ایمان لانے اور اوسے معبود مطلق سمجھنے کے امامت کے
 مسئلے کو بھی اسلام اور ایمان کے لئے لازمی قرار دیا۔ ایسی صورت میں سوائے ولیوں اور سب سے
 بچوں کے کوئی جاہل اور بدوی بھی دھوکے میں نہیں آسکتا تھا۔ نہ ایسی نفس علی اور پیغمبر

بلکہ مشاہدے سے انکار کر سکتا تھا۔ بجز اور ان لوگوں کے جنکو ایمان اور اسلام سے بہرہ نہ ہو۔ اور جنکو حرص و نیا نے غصبِ خلافت پر آمادہ کیا ہو یا اون غاصبوں کے ساتھ دینے کو اپنے لئے مفید سمجھتے ہوں اور ان تمام صورتوں میں جسطرح پر خلفا اور ان کے معاون و انصار مطابق اصول شیعوں کے وارثہ اسلام سے خارج بن سیرح پر تمام صحابہ اور سارے مسلمان جنھوں نے خلفا کا ساتھ دیا اور انکی خلافت پر بیعت کی اور کسی کا کوئی عذر مقبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر انھوں نے نصیحی سنی ہوتی تاہم جناب امیر نے علی رؤس الاشهاد اپنی خلافت کا دعویٰ کیا اور خلفا کو غاصب اور ظالم ٹھہرایا اور سب سے اعانت و مدد مانگی اور حسنین اور فاطمہ کو لئے لئے گھر گھر پھرا گئے۔ کوئی دقیقہ اپنے حق کے مطالبے کا بقول شیعوں کے باقی نہیں رکھا۔ ایسی صورتیں سیکو دھوکے میں آنے کا موقع باقی نہ تھا اور نہ اونکا یہ عذر ساعت ہو سکتا ہے۔ اور بالفرض اگر خلافت اولیٰ میں دھوکے سے بیعت کر لینے کا عذر قبول بھی کیا جائے تو دوسری اور تیسری خلافت میں غاصبین خلافت سے بیعت کرنی اور انکی خلافت ماننے کے لئے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سبب اسکے کہ تمام مہاجرین اور کل مومنین و مسلمین اس زمانے کے سوا سے تین کے مترادف قرار دیے جائیں مطابق اصول شیعوں کے کیسیرح اونکا اسلام ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اسلئے اگر حضرات امامیہ اس دعوے پر ثابت قدم رہتے اور سب صحابہ کو سوا سے تین چار کے خواص ہوں یا عوام کی ہوں یا مدنی حضری ہوں یا بدوی متردما تے اور کسی کو کسی عذر سے خارج نہ کرتے تو بھی مقابلہ اور مقابلہ نہ کرنے اور ظلم و ستم سننے کی وجہ کچھ خیال میں آتی۔ مگر تعجب یہ ہے کہ اس بات پر بھی تو حضرات امامیہ ثابت قدم نہیں رہتے بلکہ اپنی شوکت اور اپنے مذہب کے حامیوں کی کثرت اور عظمت دکھانیکے لئے وہر وہاں بیان کرتے ہیں جس سے یہ تمام اقوال باطل ہو جاتے ہیں اور ان لوگوں کی جو اسلام اور ایمان پر ثابت قدم رہے بہت بڑی تعداد معلوم ہوتی ہے۔ اور نیز بہت سے قبیلے عامی اور مدوگار حضرت

علی کے پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ ریاض السالکین شرح صحیفہ مجاہدین صدر الدین حسنی حسینی روزہ بہار میں بیان
 ذکر حضرت امام بن العابدین کی اوس کا ہے جو آپ نے اصحاب رسول پر کی ہے لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلعم کی
 وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار اصحابی موجود تھے۔ اور جو کہ کتاب الحفصا رئیس المؤمنین کے حضرت
 امام جعفر صادق سے نقل کرتے ہیں کہ بارہ ہزار اصحاب پیغمبر کے جنین سے آٹھ ہزار دینی اور دو ہزار غیر دینی
 اور دو ہزار طلاق میں سے ایسے تھے جنہیں نہ کوئی قدری تھا نہ خارجی نہ معتزلی نہ صاحب الراء۔ اہل
 رویا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قبل اسکے کہ ہم خمیری روٹی کھا دین خدا یا ہماری روح قبض کر لے
 اور اوس اور خزرج اور بنو صنیف اور بنو ان اور بنو ج اور بنو عبید اور مضر اور از دا اور وائل اور خزاعہ اور
 طی یہ سب قبیلے شیعان علی میں سے تھے۔ اور ایسے صادق العقیدہ کہ جنکی خلوص عقیدت اور مددگاری و
 نصرت کا خود جناب امیر نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے اور انکی تعریف کی ہے۔ چنانچہ بلا باقر مجلسی
 مجالس المؤمنین کی مجلس دوم میں جسکا عنوان ہے ”مجلس دوم در بیان حال طائفہ چند کہ بہ تشیع
 مشہور و در سلک ایمان مذکور اند“ فرماتے ہیں کہ اوس و خزرج دو بڑے قبیلے انصار کے ہیں کہ
 انکا حال غایت اشتہار کی وجہ سے محتاج اظہار نہیں ہے اور اخلاص خصوصاً سعد بن عبادہ خزرجی اور
 انکی اولاد امجاد کا نسبت علی مرتضیٰ کے سب پر ظاہر ہے۔ چنانچہ شارح دیوان مرتضوی قاضی میر حسین
 شافعی کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ متوجہ حرب معاویہ ہوئے تو
 نوے ہزار آدمی ہمراہ تھے۔ انہیں سے آٹھ سو انصار اور نو سو اہل بیعت رضوان سے۔ اور جنکی
 نسبت حضرت علی نے فرمایا ہے

اوس و الخزرج القوم الذین ہم	اووا فاعطوا فوق ما وھبوا
-----------------------------	--------------------------

یہی اوس و خزرج اوس قوم کے لوگ ہیں کہ جن لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دین تو انکے ساتھ اپنی

استقامت سے زیادہ سلوک کرتے ہیں۔ اور قبیلہ ہمدان کی نسبت حضرت امیر المومنین نے فرمایا ہے ۵

ونادی ابن ہند ذاکل الخراج وینصباً	وکنذۃ فی لحم و حی جزام
بتتمت الہمدان الذین ہم ہم	اذ اناب امر جنتی وسہامی
جزی اللہ الہمدان الجحان فانہم	سہام العدی فی کل یوم خصام
فلو کنت بواباً علی باب جنة	لقلنت لہمدان ادخلی بسلاہم

کہ جب ابن ہند یعنی مساویہ نے ذوالکلاع اور کعب اور کعبہ کے قبیلوں کو بلایا میں نے ہمدان کے قبیلوں کو بجا رکھا کیونکہ وہی لوگ ہیں کہ سخت وقت پر میری ڈھال اور تلوار ہیں۔ خدا قبیلہ ہمدان کو اس کے صلہ میں جنت دے کہ وہی ہر لڑائی کے دن دشمنوں کے تیر ہے ہیں۔ اگر میں جنت کا دربان ہوں گا تو ہمدان سے کہہ دوں گا کہ بے دشمنی چلے آؤ۔ اور قبیلہ ازو کی نسبت حضرت امیر المومنین نے فرمایا ہے ۵

الازد سیفی علی الاعلاء کلہم	وسیف احمد من دانت لہ العرب
قوم اذا فاجلو و افوا وان غلبوا	لا یجھون ولا یدرون ما لہرب

ان اشعار کا ترجمہ بلا صاحب نے فارسی میں یہ کیا ہے ۵

یاران من اند اہل شمشیر ہمہ	مائل بخدا از جان سیر ہمہ
معنی گر یغمن نہ انست کہ کہت	باشند بر وز حرب چون شیر ہمہ

اور نیز حضرت امیر المومنین کا اصل شعر قبیلہ ازو کی نسبت نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ حضرت امیر المومنین علی میفرماید۔ اسے جماعت ازو بدرستی کہ من از ہمہ شتاخوشنوم و شتا سر مای کار خلافت من آید ہرگز نا امید نشوید از راحت و آمرزیدن۔ و خدا نگاہ دارو ایشان از ہر جا کہ روند۔ پاکید شتا در مالیکہ تو آید چنانکہ پاکست اول شتا و خاجیدہ نشو و از سر شاخ انگور۔

اوی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تعریفیں جو قبائل انصاری کی مجالس المومنین میں بیان کی گئی ہیں یہ چونکہ

نسب اسماعیلی وغیرہ کتب عامہ وغیرہ سے لیکٹی ہین شیون کے مقابلے میں پیش نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے کہ ملا باقر مجلسی نے ان تمام قبائل کو مخلصین اور شیعیان علی میں داخل سمجھکر ان اقوال کو اوس کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ اور ایسی حالت میں یہ اقوال حضرات امامیہ پر اوسط طرح حجت ہو سکتے ہیں بشرط خود اونکے مؤرخین کے اقوال۔ اور اس سے غرض اصلی ملا باقر کی یہی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ شیعیان علی کچھ کم نہ تھے۔ اور بہت سے قبائل حامی اور مددگار جناب امیر کے تھے۔ لیکن اگر حضرت امامیہ جناب ملا باقر مجلسی کی تحریر کو رد کریں اور اوسے نامین اور جن قبائل کا شیعیان علی میں سے ہونا اونھوں نے بیان کیا ہے اوسے غلط سمجھیں اور اونکو بھی عدار اہل بیت میں شمار کریں تاہم وہ اسے تو رد نہیں کر سکتے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار صحابی بعد پیغمبر خدا صلعم کے موجود تھے۔ اور اسکی بھی تکذیب نہیں کر سکتے کہ بارہ ہزار صحابی حسن اعتقاد کی صفت سے موصوف تھے۔ اور رات دن خدا کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اگر یہ سب کے سب سوالے تین چار کے تردید ہو گئے تھے تو بس اسلام پر فاتحہ پڑھنا چاہیے اور سیکے سامنے اسلام کی خوبی کا نام نہ لینا چاہیے۔ مگر اس بات کا کہ حضرت علی کی حمایت میں نہ صرف عام صحابہ تھے بلکہ اونکے ساتھ بڑا لشکر جہاد ماجرین و انصار و تابعین باحسان کا تھا حضرات امامیہ انکار ہی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اوسکا ثبوت اون کتابوں سے ہے جنکو مثل خدا کی کتاب کے حضرات امامیہ صحیح سمجھتے ہیں۔ دیکھو نہج البلاغت جناب امیر المؤمنین معاویہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ تم نے اپنے خط میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے بیچ میں شیشہ آبدار کے سوا اب دوسری چیز فیصلہ کرنے والی نہیں ہے اسنے مجھے بہت ہنسایا اور نہایت تعجب کیا۔ کیا کبھی بنی عبدالمطلب و ستمنون سے خائف ہوئے ہیں اور تلوار سے ڈرے ہیں بلکہ وہ اس جنگل کے شیر ہیں اور میدان جنگ کے مرد۔ اب تم دو رمت سمجھو اسے کہ جسے تم طلب کرتے ہو وہ تمھیں طلب کرے اور جسے تم دو رمت سمجھتے ہو وہ تمھارے پاس پہنچے۔ یعنی میں تمھاری طرف

آرہا ہوں ایک ایسے لشکر جبار اور فوج بیشمار کے ساتھ اور اس لشکر بیشمار میں کون ہیں وہ ماجرین و انصار اور تابعین باسان ہیں کہ جنگاگر وہ قوی ہے اور جنگا غبار بلند ہے اور جو موت کے پیرا ہیں سہنے ہوئے ہیں جو خدا کی موت کو سب سے زیادہ چاہتے اور اسکی آرزو رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہیں فریہ بدری اور سیوف ہاشمی یعنی اہل بدر کی اولاد اور شمشیر ہاشمی۔ چنانچہ اس خط کے الفاظ کا ترجمہ فارسی میں جو ملاحظہ اللہ نے کیا ہے یہ ہے ”ویا کردہ در نامہ خود انکہ نیست مرا و نہ صاحب مرا نزد تو کہ شمشیر تبار پس ہر آنکہ بختہ آوردی مرا و باران مرا پس از اشک فرود آوردن باین گفتار یعنی ہر کہ شنید این گفتار ترا از مومنین خندید از روی تعجب بعد از گریستن ایشان بردین بخت تصرف بے وجه تو در او۔ کجا یافتہ شد ہسران عبدالمطلب کہ از دشمنان و اسیر رفقان بودہ باشند از بخت جہانت و شمشیر ترسانیدہ شدہ با ہسران و ہراسان۔ چہ ایشان شیران بیشتر جہولیت اند و از رو باہ صفتان چہ اندیشہ دارند۔ پس درنگ کن اند کہ تا طحی شود بصف جنگ جہل بن بدر۔ دین منگی ست بر اسے و عید اعدا بوج۔ و قائل آن جہل بن بدرست و او مروی بود از قشیر کہ شتران اور ابغارت برودہ بودند اور میان ہیجا رفت بدلاوری دشتران خود را باز ستد از اعدا۔ پس زود با شد کہ طلب کند ترا کیہ طلب میکنی اورا و نزدیک شد تو آنچه دوری میجوی ازو۔ و من شتابندہ ام بجانب تو در لشکر عظیم بیشمار از ماجرین و انصار و تابعان بنیکوی کہ سخت مست انبوہے ایشان مرتفع ست غبار ایشان۔ گویند کہ نود ہزار کس بودند و در بر کنندگان پیرا ہنہاے مرگ را این کنایت ست از زر ہما و چو ہنہا کہ در برداشتند همچو پوششش آلفان۔ دوست ترین ملاقات بسوسے ایشان ملاقات کردن ایشان ست بر حمت پروردگار خود و تحقیق کہ ہمراہ ست ایشان از فریہ بدری یعنی فرزندان بدری خونخوار و سیوف ہاشمیہ یعنی شمشیر ہاشمی ایشمار۔ انتہی“

جبکہ خود جناب امیر ماجرین و انصار اور اصحاب و تابعین کے ایک لشکر جبار کا اپنے ساتھ ہونا

بیان فرماتے ہیں اور اونکے ثابت قدم و شجاعت مردانگی اور جاد فی سبیل اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور شاہین
 نج البلاغت نوے ہزار آدمیوں کا اور سوت آپ کے ساتھ ہونا بیان کرتے ہیں تو کیونکر سمجھ میں آئے کہ
 یہ لوگ مسلمان نہ تھے اور اونکے دل ایمان کے نور سے اور اہل بیت کی محبت سے خالی تھے۔ یا کسی نے کہا
 میں کسی سبب سے وہ مرتدا دشمن اہل بیت ہو سکتے تھے۔ یا کسی کے دعوے کے میں اگر دوسری سول کا
 ساتھ چھڑ سکتے تھے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر حضرت علی نے خلفاء سابقین کی خلافت کو قبول کیا ہوتا
 اور اونکو فاضل اور مرتد جانا ہوتا تو وہ مقابلے اور مقابلے کا ارادہ فرماتے۔ اور اگر ارادہ فرماتے تو
 کیا ایسے جان باز اور جان نثار جنگی تعریف اس خط میں جناب امیر نے کی ہے وہ جناب امیر کا ساتھ
 نہ تھے اور اونکے دشمنوں سے مقابلہ کرتے۔ اور حضرت علی کی حمایت پر آمادہ نہوتے۔ گمراہ یہ ہے
 کہ درحقیقت جناب امیر نے نہ اون خلفاء کو فاضل تصور کیا نہ اونکے ساتھ مقابلے اور مقابلے کا ارادہ فرمایا
 بلکہ جو کچھ ہوا اسے تسلیم کیا اور مثل دوسروں کے خود بھی خلفاء سابقین کی مدد دینے میں آمین ہو کر
 رہے اور ماجرین و انصار کے اتفاق کو ہمیشہ ضائقہ کے مطابق سمجھا۔ اور یہ خیال ہمارا کچھ قیاسی
 نہیں ہے بلکہ خود جناب امیر کے ان بیانات پر مبنی ہے جو آپ نے کئے اور جس پر اپنی خلافت
 کی حقیقت پر استدلال کیا۔ کیا حضرات امامیہ اس خط پر غور نہیں فرماتے جو جناب امیر نے
 معاویہ کو لکھا تھا کہ میری بیعت کرنیوالے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابو بکر اور عمر اور عثمان کی بیعت
 کی تھی اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جنگی اتفاق کر لینے پر نہ کسی اوس شخص کو جو اس وقت موجود تھا عدول کرنا
 جائز ہے اور نہ کسی غائب اور غیر حاضر کو اختیار ہے کہ اوسے رو کرے بلکہ شوری حق ماجرین
 و انصار کا ہے جب وہ کسی آدمی پر اجماع اور اتفاق کر لیں اور اوسے امام بنالین تو سمجھنا چاہیے کہ
 وہی مرضی خدا کی تھی اگر اونکے اجماع کے بعد کوئی کسی طعن یا بدعت کی وجہ سے باہر ہو جائے تو اوسے
 مرد و سمجھو اور اگر وہ انکار کرے تو اوس سے مقابلہ کرو کیونکہ اوسنے وہ راے اختیار کی جو مومنین

کی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ جو نبی البلاغت میں منقول ہیں وہ یہ ہیں ومن کتاب له
 عليه السلام الى معاوية انه بايعني القوم الذين بايعوا ابا بكر وعمر وعثمان
 على ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد ان يختار ولا للعائب ان يرد وانما الشورى للمهاجرين
 ولا نصارى فاجتمعوا على جل وسموه اماما كان في الله رضى فان خرج من امهم خارج بطعن
 او بدعة خروا الى ما خرج منه فان ابى قاتلوه على التبع غير سبيل المؤمنين وولاه الله ما تولى
 اور یہ کہنا شارحین نبی البلاغت کا کہ یہ خطاب آپ نے معاویہ سے مطابق اون لوگوں کے
 خیال کے کیا تھا جو خلافت کو شورے پر مبنی سمجھتے تھے یا یہ کہ مدارات و تقیہ کے طور پر آپ نے
 یہ لکھا تھا۔ صحیح نہیں ہے۔ مسئلے کہ اول تو کومى لفظ اس خیال کے ثبوت اور تصدیق کے متعلق
 با یا نہیں جاتا۔ اور اگر آپ کی خلافت پر نص ہوتی تو اس کے اظہار کا یہ موقع تھا۔ اور آپ کے
 دعوے کے لئے وہ ایک عمدہ اور قوی دلیل تھی۔ اور آپ اپنے حق پر ہونیکے ثبوت میں فرما سکتے
 تھے کہ میری خلافت منصوص ہے اور علی رؤس الاشهاد پیغمبر خدا صلعم غدیر خم میں مجھے اپنا خلیفہ
 کر گئے تھے۔ اس صحیح اور قوی دلیل کو تو آپ نے چھوڑ دیا اور اس بات سے استدلال کیا جسکو
 آپ غلط اور جھوٹ جانتے تھے۔ اور جس سے خلفائے سابقین کی خلافت غصبی کی حقیقت کا ثبوت
 ہوتا تھا۔ ان هدا الشیء عجائب۔

ہا یہ خیال کہ معاویہ اور اونکے ساتھی اس استدلال کو نہانتے اسلئے جھوٹی اور غلط بات سے
 اونکے عقیدے کے موافق آپ نے استدلال فرمایا قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس لئے کہ آخر وہ لوگ
 پیغمبر خدا کی تصدیق فرماتے تھے اور انہیں نص کے سننے والے بھی موجود تھے بالفرض اگر وہ
 نہانتے تو آپ کے ساتھ جتنے مہاجرین و انصار اور نوے ہزار آدمی تھے وہ تو آپ کی تصدیق فرماتے۔
 اور جبکہ یہ لوگ آپ کے ساتھ جان دینے اور خون بہانے پر آمادہ تھے اور اپنے قول کو اپنے عمل سے

ثابت کر رہے تھے تو کیا وہ آپ کے عقین رض خلافت کی تصدیق نہ کرتے اور اس دلیل کو اپنے مخالفین کے سامنے پیش کرنے سے باز رہتے۔ بلکہ اگر ایسی رض صریح ہوتی تو حامیان جناب امیر بالضرور اسکو آپ کے ساتھ دینے کے لئے اپنے حق پر ہونیکے ثبوت میں پیش کرتے اور کہتے کہ ہم نے جو انکا ساتھ دیا ہے وہ صرف پیغمبر خدا صلعم کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور جو کچھ ہم کرتے ہیں اور انکے ہمراہ ہو کر اپنی جان میں قربان کر رہے ہیں وہ اسی لئے ہے کہ پیغمبر خدا نے جنہر ہم ایمان لائے اور جنہوں نے ہمکو ہر ایت کی اونکے حکم کو پورا کر دین اور اونکے مقرر کئے ہوئے امام کے ساتھ دینے پر اپنا اسلام اور ایمان دکھا دین۔ اس کے حضرت علی کے استدلال کو اور قوت ہوتی اور ایک ایسے گروہ کثیر کی بات کے انکار پر ہم ایمان معاویہ کو جرات نہوتی۔ پس ایسے استدلال کو مچھڑانا اور جھوٹی اور غلط بات کو سند میں پیش کرنا و حقیقت جناب امیر کی عصمت بلکہ صداقت میں شک پیدا کرنا ہے۔ رہا تفتیہ تو اسکا موقع اور محل ہی کیا تھا اس لئے کہ اگر وہ وہاں تین حضرات امامیہ کی صحیح میں جنہیں صحابہ کی برائیاں بر سر ہنہم اور علی رؤس الاشہاد جناب امیر نے بیان کیں تو پھر خوف کسا تھا کہ جھوٹی اور غلط تعریفیں جاتا کی کرتے اور ماجرین و انصار کی شان میں ایسے فقرات تعریف کے لکھتے۔ غرض کہ اگر عقل سلیم کو دخل دیا جائے تو اس میں کچھ شبہ نہیں ہتا کہ جناب امیر بھی خلافت کو غیر منصوص سمجھتے تھے۔ اور ماجرین و انصار کبھی اونکے مخالف نہ تھے۔ اور خلافت ماجرین و انصار اور اہل حل و عقد کے اتفاق پر مبنی تھی۔ جبکہ آپ کا وقت آیا ماجرین و انصار نے آپ سے بیعت کی اور آپ کو خلیفہ قرار دیا اور آپکی مدد و اعانت میں کوشی و قیقہ سعی و کوشش کا اوٹھا نہ رکھا۔ اور اسی سے ہر غیر متعصب منصف اس بات کو تسلیم کر گیا کہ اگر لوگوں نے آپ کا حق چھینا اور فک کو غضب اور حضرت فاطمہ پر ظلم و ستم کیا ہوتا تو بلاشبہ حضرت امیر مقابلے پر آمادہ ہوتے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے آپ کی خلافت میں آپ کا ساتھ دیا ضرور آپ کے ساتھ ہوتے۔ اور جس طرح

امیر شام کے مقابلے میں اپنی جان میں علی مرتضیٰ پر قربان کین اوس سے بڑھ کر حضرت فاطمہ کا ساتھ دیتے اور اون پر ظلم و ستم کرنے والوں سے مقابلہ کرتے۔ اور اپنی محبت اہل بیت کے ساتھ دکھاتے۔ اور اس سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ دو اہل بیتین جس میں ظلم و ستم کے واقعات نہایت مبالغے سے بیان کیے گئے ہیں بے اصل اور غلط ہیں۔

علاوہ اوں امور کے جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا یہ بات بھی بہت غور کرنیکے لائق ہے کہ صحابہ کے دو بڑے گروہ تھے ایک مهاجرین دوسرے انصار۔ مهاجرین کی نسبت حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ اونہیں جناب امیر کے ساتھ اس لئے عداوت تھی کہ اونکے عزیز و قریب اکثر جہادوں میں حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اور اسی بات کا رنج اون لوگوں کے دلونہیں چلا آتا تھا اسی لئے مهاجرین نے آپ کا ساتھ نہ دیا اور آپ کے حقوق غضب کرنے والوں کے ساتھ ہو گئے۔ یہ بات بچوں کے ہنسنے کے لائق ہے اس لئے کہ اول تو تنہا حضرت علی مرتضیٰ ہی جہاد کرنے والوں میں نہ تھے۔ اور نہ صرف ایک اونہوں ہی نے سب لوگوں کو قتل کیا تھا۔ بلکہ خود مهاجرین نے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو چھوڑ دیا تھا اور پیغمبر خدا صلعم کے ساتھ جہادونہیں شریک ہو کر اپنے خویش و اقارب کے قتل کرنے میں درج نہ کیا تھا۔ علاوہ برین جو کچھ حضرت علی نے کیا اور جنکو جہادوں میں مارا وہ سب پیغمبر خدا صلعم کے حکم سے کیا۔ اس لئے چاہئے تھا کہ مهاجرین سب سے زیادہ جناب سرور کائنات سے عداوت رکھتے اور اونہیں کی رسالت کے منکر ہوتے۔ نہ یہ کہ پیغمبر خدا پر تو اپنی جانیں نثار کرتے اور شمع نبوت پر پروانہ دار قربان ہوتے رہتے۔ اور حضرت علی سے جنہوں نے صرف پیغمبر خدا کے حکم سے اور اونکی مدد کے لیے مهاجرین کے خویش و اقارب کے قتل کیا عداوت رکھتے۔ اسکے سوا اگر حضرت علی نے قتل بھی کیا تو مهاجرین کے خویش و اقارب کو کیا تھا۔ انصار کے گروہ میں سے تو کوئی ایسا نہ تھا جس کے عزیز اور رشتہ داروں کو حضرت علی نے قتل کیا؟

پھر اونکو آپ کے ساتھ عداوت رکھنے کا کیا سبب ہے۔ کیونکہ جو علت عداوت کی بیان کی جاتی ہے وہ انصار میں موجود ہی نہ تھی۔ بلکہ انصار کا وہ معزز فرقہ ہے کہ جسکو اپنی وفات کے اخیر وقت تک جناب پیغمبر خدا صلعم جانتے رہے اور اونکی نصرت و مدد کا شکر یہ ادا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے انصار کی شان میں فرمایا کہ یہ میری عیال و فرزند ہیں اور اونکے ساتھ نیکی کرنے دراجبی طرح سے پیش آئیگی آخری دم تک وصیت فرمائی۔ ایسے لوگوںکو جناب امیر کے ساتھ خاص محبت اور ایک خصوصیت ہونی چاہیے تھی نہ کہ دشمنی اور عداوت۔

کیا حضرات امامیہ اپنے یہاں کی اون رد ایون کو ملاحظہ نہیں فرماتے جنہیں انصار کے فضائل اور انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت پیغمبر خدا نے فرمائی ہے۔ ذرا تفسیر منج الصادقین اور مجمع البیان طبرسی ہی اوشکار دیکھئے کہ اوسمین خود مفسرین امامیہ نے کیا لکھا ہے۔ یہ موقع نہیں ہے کہ میں تمام رد ایونین اسکے متعلق بیان نقل کروں صرف آپ روایت منج الصادقین کی بیان کرتا ہوں۔ مفسر منج الصادقین لَقَدْ نَصَرَ كُمْ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَالْيَوْمَ حُنَيْنٍ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حنین داوطاس کی غنیمت سے پیغمبر خدا صلعم نے مؤلفۃ القلوب کو حصہ دیا اور مہاجرین کو زیادہ اور انصار کو کم۔ اس تقسیم سے انصار غمگین اور رنجیدہ ہوئے اور بعضے کہنے لگے کہ پیغمبر نے تمام غنیمت کا مال اپنی قوم کو دیا اور ہکو محروم کیا۔ آنحضرت صلعم کو اسکے سننے سے نہایت بیخ ہوا اور انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ تم دوزخ کے کنارے پر تھے خداوند تعالیٰ نے میرے واسطے سے تمکو اوس سے نجات دی کیا یہ سچ نہیں ہے۔ سب نے کہا یا رسول اللہ یہ سچ سے۔ یہ طرح آپ نے چندا اور باتیں فرما کر یہ کہا کہ تم بھی اسکے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ میں تمنا آیتھا اور تم نے میری مدد کی اور میں خائف تھا تم نے امان دی۔ اور لوگ میری تکذیب کرتے تھے تم نے تصدیق کی۔ انصار یہ بات سنکر رونے لگے اور ہاے ہاے کرنے لگے اور پیغمبر خدا کے پاؤں پر گر کر

۴
 درجہ اول
 انصاریوں کی
 عداوت میں
 دن حنین کا
 بیان ہے
 سورہ ۱۱
 قومیہ

کئے گئے کہ یا رسول اللہ تن وجان و مال ہمارا آپ پر قربان ہے۔ ہمارا مال بھی آپ کے اختیار میں ہے اگر آپ چاہیں اپنی قوم کو عطا فرمائیں۔ اور جو کچھ آپ کی نسبت ہم لوگوں میں سے بعض نے کہا ہے وہ بے ادب اور اونی درجے کے لوگ ہیں اور اب وہ تو بے کرتے ہیں آپ اوسکے لئے استغفار فرمائیے۔ تب آپ نے ہاتھ دعا کے لئے اٹھایا اور فرمایا اللھم اغفر لالانصار و ابناء الانصار و ابناء ابناء الانصار یا معشر الانصار اما ترضون ان ینصرف الناس بالشاة والغنم فی سہمکم رسول اللہ قالوا بے یا رسول اللہ یعنی شامی ہستیہ کہ مردمان بزرگ روزِ نصیب ایشان کو سفند و چارپا سے باشد و در نصیب شمار رسول خدا باشد گفتند بے کہ ضعیفایا اللہ عنہ و رسولہ بسند کہ الانصار کوشی و عیبتی لوسلک الناس لادیا و سلک الانصار شعبا سلکت شعب الانصار انصار سرمن نزد خوہم من نذر اگر مردمان بوادی سلوک کنند و انصار شبی من بطریق انصار سلوک نم (سنخو ۱۰ جلد دوم مطبوعہ ایران) حاصل اسکا ہے کہ پیغمبر خدا نے انصار سے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے رضی نہیں ہو کہ اور لوگوں کے حصے میں ہویشی اور کریان ہوں اور تمہارے حصے میں خدا کا رسول۔ انصار کہنے لگے کہ ہاں ہم۔ رضی ہیں خدا سے اور اوسکے رسول سے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ انصار میری عیال و فرزند اور صاحب سرا ہیں اگر لوگ کسی ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں اوسکی راہ پر چلوں گا جس پر انصار چلے ہوں۔ اور مجمع البیان طبرسی میں اسی روایت میں یہ الفاظ اور یہاں کئے گئے ہیں کہ بعد اسکے آپ نے فرمایا ولولا الهجرة لکنتم امرأ من الانصار واللھم ارحم الانصار و ابناء الانصار و ابناء ابناء الانصار فبکی القوم حتی اخضبت لحاھم کہ اگر ہجرت نہوتی تو میں بھی ایک آدمی بجملہ انصار کے ہوتا اور ہجر آپ نے یہ دعا کی کہ خدا یا رحم کر انصار پر اور انکے بیٹوں اور پوتوں پر یہ سنکر انصار رونے لگے یہاں تک کہ اونکی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔

اور احتجاج طبرسی میں ابو الفضل محمد بن عبد اللہ شیبانی سے یہ روایت ہے کہ پیغمبر خدا

کوشی و عیبتی لوسلک الناس لادیا و سلک الانصار شعبا سلکت شعب الانصار انصار سرمن نزد خوہم من نذر اگر مردمان بوادی سلوک کنند و انصار شبی من بطریق انصار سلوک نم (سنخو ۱۰ جلد دوم مطبوعہ ایران) حاصل اسکا ہے کہ پیغمبر خدا نے انصار سے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے رضی نہیں ہو کہ اور لوگوں کے حصے میں ہویشی اور کریان ہوں اور تمہارے حصے میں خدا کا رسول۔ انصار کہنے لگے کہ ہاں ہم۔ رضی ہیں خدا سے اور اوسکے رسول سے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ انصار میری عیال و فرزند اور صاحب سرا ہیں اگر لوگ کسی ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں اوسکی راہ پر چلوں گا جس پر انصار چلے ہوں۔ اور مجمع البیان طبرسی میں اسی روایت میں یہ الفاظ اور یہاں کئے گئے ہیں کہ بعد اسکے آپ نے فرمایا ولولا الهجرة لکنتم امرأ من الانصار واللھم ارحم الانصار و ابناء الانصار و ابناء ابناء الانصار فبکی القوم حتی اخضبت لحاھم کہ اگر ہجرت نہوتی تو میں بھی ایک آدمی بجملہ انصار کے ہوتا اور ہجر آپ نے یہ دعا کی کہ خدا یا رحم کر انصار پر اور انکے بیٹوں اور پوتوں پر یہ سنکر انصار رونے لگے یہاں تک کہ اونکی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔

سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے قریب مرض کی حالت میں فضل بن عباس اور ان کے غلام ثوبان پر سہارا لگاے ہوئے نماز کے لئے آئے اور بعد نماز کے مکان کو واپس تشریف لگائے اور ثوبان سے کہا کہ تم دروازے پر بیٹھے رہو اگر کوئی انصار میں سے آوے تو اونہیں اندر آنے سے منع کرنا۔ اور پھر آپ غمشی طاری ہو گئی۔ اتنے میں انصار آئے اور کہا کہ ہم پیغمبر خدا کے پاس جانا چاہتے ہیں حاجے بنے جو اب دیا کہ آپ پر اس وقت غمشی طاری ہے اور ازواج مطہرات آپ کے پاس میں پہنکر انصار رونے لگے۔ جب رسول خدا نے ان کے رونے کی آواز سنی پوچھا یہ کون لوگ ہیں جو اب میں عرض کیا گیا کہ انصار میں آپ یہ سنکر علی و عباس پر سہارا لگا کر باہر تشریف لائے اور یہ خطبہ فرمایا **معلشیر الناس انہ لم یت بنی قط الا خلقت ترکة وقد ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و اہل بیتی فمن ضیعہم ضیعہ اللہ الاول ان انصار کوشی و عیبتی التی اوی الیہا و انی اوصیکم بتقوی اللہ و الاحسان الیہم فاقبلوا من محسنہم و تجاوزوا عن مسیئہم** یعنی اسے لوگو کسی نبی نے دنیا سے انتقال نہیں کیا جسے کچھ ترک نہ چھوڑا ہو میں تمہارے واسطے ترس کے میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنے اہل بیت کو جو اونہیں چھوڑ دیا اللہ اسے خراب کر دے گا اور خبردار یہ انصار میرے عزیز اور میرے چھوٹے بچوں کی موافق ہیں اور میرے بھروسے کے لوگ اور میرے محرم امر ہیں میں تمکو اللہ کے خوف اور ان کے ساتھ نیکی کرنیکی وصیت کرتا ہوں جو انہیں نیک میں اونکی نیکی قبول کرو اور غیبی خطا ہوا ہونے سے درگزر کرو۔ یہ آپ کے آخری الفاظ ہیں جو شان میں انصار کے فرمانے۔ انہوں نے اہل بیت اور ان کے پیغمبر خدا کو خدا کا رسول سمجھیں اور اس پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں اور ان کلمات کو اپنی زبان مبارک سے خود ہی نقل فرما دیں اور انصار کی شان میں ایسی ہیبت پیغمبر خدا کی طرف سے بیان کریں اور پھر انکو متد اور دشمن اہل بیت اور خارج از دائرہ ایمان قرار دیں۔ کیا کوئی آدمی الای بظنہ کے لئے مان سکتا ہے کہ یہ گروہ انصار کا جنکو رسول خدا نے اپنے عیال

اور فرزندان خود کو ماہودہ جناب امیر سے عداوت کھین گے اور بلا سبب اوکاسا ساتھ چھوڑ کر دوڑن کے شریک ہونگے۔ اور نص حلی سنکر اپنے گروہ میں سے سعد بن عبادہ کو امام بنانے کا ارادہ کرینگے۔ اور جناب امیر کی شان میں جو نص حلی تھی اسے ایسا بھلا دینگے کہ کسی وقت اسکا ذکر بھی زبان پر نہ لایں اور اسے ایسا نسیا نسیا کروین کہ کسی موقع پر اسکا خیال کھین۔ حاشاشام حاشاشا اس کے جواب میں قاضی نور اللہ شوشتری نے احقاق الحق میں یہ فرمایا ہے کہ انصار نے حضرت علی کی شان میں جو نص ہے اسے سنا تھا اور آپس میں اسکا ذکر کیا تھا لیکن انھوں نے سنی سقیفہ میں سا عہدہ میں اسے ابوبکر پر بلو رحجہ کے بوجہ اس شہبہ کے پیش نہیں کیا جو ابوبکر کے دوستوں وغیرہ نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ علی نے خلافت کا خیال چھوڑ دیا ہے اور وہ گھر میں بیٹھ رہے ہیں۔ اور ان لوگوں نے جو علی سے منحرف تھے اس وقت جبکہ آپ رسول خدا کی تجویز و تلمیذ میں مشغول تھے اور ان کے دلوں میں یہ بات جا دی کہ آپ پر آنحضرت کی وفات کی مصیبت کا ایسا اثر ہوا ہے کہ آپ نے خلافت کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اور آپ نے خانیہ نشینی اختیار کی ہے۔ چنانچہ خزیمہ بن ثابت انصاری آیا اور اس نے جو علی کا حال سنا تھا وہ اپنی تم سے کہا اور یہ بھی ذکر کیا کہ خلافت کے لئے کوئی ہونا چاہیے۔ اور علی کے سوا کوئی قرشی ایسا نہیں جو اسکے لائق ہو۔ اس وقت انصار کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انہیں بلوہ زیادہ ہو جائے اور خلافت کا متولی کوئی ایسا ورثت خو قریشی ہو کہ اون سے جاہلیت کے خونوں اور بدر کے کیٹون کا بدلے۔ اس خیال سے وہ سعد بن عبادہ سردار انصار کے پاس آئے۔ اور سقیفہ میں آکر ان سے خلافت کے قبول کرنے کے لئے کہا۔ سعد نے بوجہ علی کے موجود ہونیکا انکار کیا اور یہ کہا کہ وہی اللہ و رسول کی طرف سے منصوص بالخلافت ہیں۔ قریش نے یہ بات سنی اور ابوبکر کے طرف رجوع کیا اور انصار سے طوعاً و کرہاً ابوبکر کی بیعت کے لئے التماس کیا۔ تب انصار نے کہا کہ

اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت سے مالا مال کیا ہے اور ان کو جہنم سے محفوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے جو لوگ ایمان لائے اور ان کی سنتوں کو سیکھا اور ان کی نیکوئیوں کو عمل میں لایا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زیادہ نفع مند ہوں گے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے والے صحابہ کرام اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مالا مال کیا ہے اور ان کو جہنم سے محفوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے جو لوگ ایمان لائے اور ان کی سنتوں کو سیکھا اور ان کی نیکوئیوں کو عمل میں لایا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زیادہ نفع مند ہوں گے۔

جناب امیر اور اونکی اولاد و مجاہد کے غلامین خاص میں داخل فرمایا ہے جیسا کہ ماباقر مجلسی فرماتے ہیں کہ الأوس
والخزرج دو قبیلہ بزرگ انداز انصار کہ حال ایشان از غایت است تا حاجت باظهار ندارد و اخص این دو
طائفہ خصوصاً سعد بن عبادہ و خزرجی و اولاد مجاہد و نسبت بحضرت علویہ مرقنویہ غایت ظہور دار و پس اگر
حضرت علی و حقیقت مقابلے و مقاتلے کا ارادہ کرتے اور اپنے حقوق کے لیے غاصبین کی
رافعت چاہتے تو کیا انصار اونکی اعانت نہ کرتے اور اونکا ساتھ نہ دیتے۔

انصار کی کیفیت اور اونکے ایمان اور اسلام کی حقیقت اور اہل بیت کرام کے ساتھ محبت
کی حالت تو یہ ہے جسکو ہم حضرات امامیہ کی روایتوں سے دکھا چکے۔ ربا و دسر اگر وہ قریش کا جنین
مہاجرین و داخل ہیں اور جبکہ حضرات امامیہ سلام اور ایمان و دلو سے خارج سمجھتے ہیں۔ خصوصاً
حضرات شیخین اور اونکے فاضل معاذین کو۔ اونکی کیفیت یہ ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ
حضرات ابو بکر و عمر و عثمان خلیفہ ہوئے اور اونکے زمانہ خلافت میں اسلام نے بہت ترقی کی اور
اونہیں کے عہد میں بہت کثرت سے جہاد ہوئے۔ اور اونہیں کے ہاتھوں کسری اور قیصر کے
ملک مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ یہ وہ واقعات ہیں کہ انکا کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا۔ فرق یہ ہے
کہ حضرات امامیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان سے بے برہ تھے اور منافق اور مرتد۔ اور جو کچھ انکے
زمانے میں ہوا اوس سے اونکا ایمان و اسلام ثابت نہیں ہوتا۔ بہت سے دنیا دار اور ظالم
بادشاہ ہوئے ہیں کہ باوجود اونکے فاسق و فاجر ہونیکے مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور کفار کے
ملک میں اسلام پھیلا۔ اسلئے اونکی لڑائیاں مثل اور دنیا طلب بادشاہوں کے دنیاوی لڑائیوں
میں داخل ہیں نہ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں۔ اور ہم اہل سنت و جماعت اونکے جہاد اور فتوحات
کو اونکی خلافت کی حقیقت کی دلیل سمجھتے ہیں اور بموجب خدا کے اس وعدے کے کہ وَعَدَ اللّٰهُ
الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

خدا کی بشارت اور وعدے کے موافق خیال کرتے ہیں۔ اب یہ امر دیکھنا باقی ہے کہ آیا حضرت المرید کی مستند اور معتبر کتابوں اور ائمہ کرام کے اقوال سے ہمارا اعتقاد صحیح ثابت ہوتا ہے یا حضرت امامیہ کا۔ اوسکے لئے ہم ایک حدیث کافی کی پیش کرتے ہیں جس سے تمام مقتدا حضرت امامیہ کے جو نسبت خلفا راشدین کے میں ہوا مستنذر ہو جاتے ہیں۔ اور خلفا راشدین کا ایمان اور اعمال سنہ سے مستند ہونیکا ثبوت ایسا ہوتا ہے کہ اوکا کوئی مقول جواب ہی نہیں دے سکتے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ فرما کافی میں باب من یحب علیہ الجھاد ومن لا یحب من الوعی زبیری نے نام حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ میں نے امام سے پوچھا کہ خدا کی طرف بلانا اور اوسکی اہ میں ہسا دیکر کسی خاص قوم سے مخصوص ہے یا ہر موجد اور مومن اوسکا مجاز ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں ہ ایک خاص لوگوں سے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ لوگ زمین و مہر انطا موجود ہوں جو خدا نے مجاہدین اور مومنین الی اللہ کے مقرر فرمائے ہیں۔ وہ مہر انطا بنائے جا میں نہ اوست دعوت الی اللہ کی اجازت ہے نہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ما ذون ہے۔ تب میں نے کہا کہ اوں مہر انطا کو بیان فرمائیے آپ نے فرمایا کہ خدا سے عزوجل نے اوسکے درجے مقرر کئے ہیں۔ اول خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اوست دعوت کیا کہ اللہ یدعو الی دارالسلام و یھدی من یشاء الی صراط مستقیم کہ اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے اور سب کو جاتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ بعد اوسکے پیغمبر صلوات دعوت کے لئے ارشاد کیا کہ اذع الی سبیل نجات بالحکمة والوعظۃ الحسنۃ و جاد لهم بالنی ہی احسن کہ بلا داپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی وعظ سے اور مجاہدہ کرو اوسکا اچھے طریقے سے۔ پھر ایسی قوم کو دعوت کی اجازت دی ہے جو نیک ہوں اور اہل المعروف اور نسی منکر کرتے ہوں کہ اقال ولکن ھم لکم امۃ یتدعون الی الخیر و یامرؤن بالمعروف و ینھون

خدا کی بشارت اور وعدے کے موافق خیال کرتے ہیں۔ اب یہ امر دیکھنا باقی ہے کہ آیا حضرت المرید کی مستند اور معتبر کتابوں اور ائمہ کرام کے اقوال سے ہمارا اعتقاد صحیح ثابت ہوتا ہے یا حضرت امامیہ کا۔ اوسکے لئے ہم ایک حدیث کافی کی پیش کرتے ہیں جس سے تمام مقتدا حضرت امامیہ کے جو نسبت خلفا راشدین کے میں ہوا مستنذر ہو جاتے ہیں۔ اور خلفا راشدین کا ایمان اور اعمال سنہ سے مستند ہونیکا ثبوت ایسا ہوتا ہے کہ اوکا کوئی مقول جواب ہی نہیں دے سکتے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ فرما کافی میں باب من یحب علیہ الجھاد ومن لا یحب من الوعی زبیری نے نام حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ میں نے امام سے پوچھا کہ خدا کی طرف بلانا اور اوسکی اہ میں ہسا دیکر کسی خاص قوم سے مخصوص ہے یا ہر موجد اور مومن اوسکا مجاز ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں ہ ایک خاص لوگوں سے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ لوگ زمین و مہر انطا موجود ہوں جو خدا نے مجاہدین اور مومنین الی اللہ کے مقرر فرمائے ہیں۔ وہ مہر انطا بنائے جا میں نہ اوست دعوت الی اللہ کی اجازت ہے نہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ما ذون ہے۔ تب میں نے کہا کہ اوں مہر انطا کو بیان فرمائیے آپ نے فرمایا کہ خدا سے عزوجل نے اوسکے درجے مقرر کئے ہیں۔ اول خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اوست دعوت کیا کہ اللہ یدعو الی دارالسلام و یھدی من یشاء الی صراط مستقیم کہ اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے اور سب کو جاتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ بعد اوسکے پیغمبر صلوات دعوت کے لئے ارشاد کیا کہ اذع الی سبیل نجات بالحکمة والوعظۃ الحسنۃ و جاد لهم بالنی ہی احسن کہ بلا داپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی وعظ سے اور مجاہدہ کرو اوسکا اچھے طریقے سے۔ پھر ایسی قوم کو دعوت کی اجازت دی ہے جو نیک ہوں اور اہل المعروف اور نسی منکر کرتے ہوں کہ اقال ولکن ھم لکم امۃ یتدعون الی الخیر و یامرؤن بالمعروف و ینھون

خدا کی بشارت اور وعدے کے موافق خیال کرتے ہیں۔ اب یہ امر دیکھنا باقی ہے کہ آیا حضرت المرید کی مستند اور معتبر کتابوں اور ائمہ کرام کے اقوال سے ہمارا اعتقاد صحیح ثابت ہوتا ہے یا حضرت امامیہ کا۔ اوسکے لئے ہم ایک حدیث کافی کی پیش کرتے ہیں جس سے تمام مقتدا حضرت امامیہ کے جو نسبت خلفا راشدین کے میں ہوا مستنذر ہو جاتے ہیں۔ اور خلفا راشدین کا ایمان اور اعمال سنہ سے مستند ہونیکا ثبوت ایسا ہوتا ہے کہ اوکا کوئی مقول جواب ہی نہیں دے سکتے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ فرما کافی میں باب من یحب علیہ الجھاد ومن لا یحب من الوعی زبیری نے نام حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ میں نے امام سے پوچھا کہ خدا کی طرف بلانا اور اوسکی اہ میں ہسا دیکر کسی خاص قوم سے مخصوص ہے یا ہر موجد اور مومن اوسکا مجاز ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں ہ ایک خاص لوگوں سے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ لوگ زمین و مہر انطا موجود ہوں جو خدا نے مجاہدین اور مومنین الی اللہ کے مقرر فرمائے ہیں۔ وہ مہر انطا بنائے جا میں نہ اوست دعوت الی اللہ کی اجازت ہے نہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ما ذون ہے۔ تب میں نے کہا کہ اوں مہر انطا کو بیان فرمائیے آپ نے فرمایا کہ خدا سے عزوجل نے اوسکے درجے مقرر کئے ہیں۔ اول خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اوست دعوت کیا کہ اللہ یدعو الی دارالسلام و یھدی من یشاء الی صراط مستقیم کہ اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے اور سب کو جاتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ بعد اوسکے پیغمبر صلوات دعوت کے لئے ارشاد کیا کہ اذع الی سبیل نجات بالحکمة والوعظۃ الحسنۃ و جاد لهم بالنی ہی احسن کہ بلا داپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی وعظ سے اور مجاہدہ کرو اوسکا اچھے طریقے سے۔ پھر ایسی قوم کو دعوت کی اجازت دی ہے جو نیک ہوں اور اہل المعروف اور نسی منکر کرتے ہوں کہ اقال ولکن ھم لکم امۃ یتدعون الی الخیر و یامرؤن بالمعروف و ینھون

وہ سب مومنین کے لئے ہے۔ اور جہاد کی اجازت اون مومنین کو جو موصوف ان شرائط سے ہوں
 نہیں دی گئی مگر اونھیں کو جو مظلوم ہوں اور مظلوم نہیں ہوتا مگر مومن۔ اور مومن نہیں ہو سکتا
 مگر وہ جو جامع ہو اور شرائط کا جو مجاہدین کے لئے قرار دیے گئے ہیں۔ اور جبکہ آیۃ اَلَّذِیْنَ
 یَفْتَنُوْنَ یَاۡتِھُمْ ظَلْمُوۡاۡذُنْ ہوتی تو اون لوگوں کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ
 میں نے امام سے پوچھا کہ مجاہدین نے اہل مکہ سے لڑنیکی اجازت اسلئے پائی کہ وہ ظلم کئے گئے
 تھے۔ مگر وہ کسری اور قیصر اور دیگر مشرکین کے جہاد پر کیوں متوجہ ہوئے۔ امام نے جواب
 دیا کہ اگر اتنی ہی اجازت ہوتی۔ تو وہ کسری اور قیصر پر جہاد کبھی نہ کرتے۔ اس لئے کہ اونھوں نے
 کچھ مجاہدین پر ظلم کیا تھا بلکہ ظالم تو اہل مکہ تھے اور اگر قیصر اور مجاہدین سے ہوتی تو متاخرین اس
 حکم سے خارج رہتے اس لئے کہ متاخرین کے وقت نہ ظالمین کہ میں سے کوئی رہا نہ مظلومین میں سے
 یہ بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین دو طرف سے مظلوم ہیں ایک اہل مکہ
 سے دوسرے کسری اور قیصر سے کیونکہ سلطنت مجاہدین کا حق تھا پس مجاہدین کا جہاد کسری
 قیصر پر بھی خدا کے حکم سے تھا۔ اور اسی دلیل سے ہر زمانے کے مومنین جہاد کر سکتے ہیں۔ لیکن اذن
 جہاد اونھیں لوگوں کو ہے جو جامع شرائط ہوں تاکہ ایمان اور مظلوم اور ماذون ہونا پایا جاسے۔ اور
 جو ایسا نہیں ہے وہ ظالم ہے نہ مظلوم نہ داعی مجاہد۔ بلکہ مومنین یا مومنین کہ اس سے قتال کریں۔
 انتہی ملخصاً۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسری اور قیصر پر بھی جہاد حکم خدا ہوا تھا اور مجاہدین
 جنھوں نے جہاد کیا وہ ماذون من اللہ تھے۔ اور اس حدیث میں یہ بیان بھی کر دیا گیا ہے کہ ماذون
 جہاد نہیں ہوتے مگر وہ مومنین جو متصف بصفات التَّائِبُوْنَ الْعَمِلُوْنَ وَرَانَ الْحَمْدَانَ
 السَّائِحُوْنَ اَلْحَمْدِ کے ہوں۔ اور جبکہ مجاہدین کسری اور قیصر کے جہاد پر ماذون من اللہ تھے تو امام کے بیان
 سے اونکا ان صفات سے متصف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ثبوت ایسا ہے کہ اس سے انکار ہی نہیں

ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ماجرین کسری و قیصر پر جہاد کرنے والے تھے۔ اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے اس جہاد کو ماذون من اللہ فرمایا اور اسکی وجہ اور دلیل بیان کی۔ اگر اذکار جہاد بلا اذن خدا ہوتا تو اسی کے سوال کے جواب میں امام یہ فرماتے کہ یہ جہاد نہ تھا اور نہ وہ لوگ جو اذکار کے لئے ماذون تھے۔ برعکس اسکے امام نے اذکار ماذون من اللہ ہونا اور اذکار ماذون من اللہ ہونے کی دلیل صاف صاف لفظوں میں بیان کی۔ اور چونکہ ماذون من اللہ جہاد کے لئے نہیں ہو سکتے الا وہ لوگ جو ایمان اور اعمال حسنہ کے جامع ہوں اس لئے منطقی دلیل سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ امام نے ان ماجرین کو جنہوں نے کسری و قیصر پر جہاد کیا تھا مومن اور جامع شرائط جہاد قرار دیا۔

اس حدیث کے جواب میں علماء اہل بیت کو نہایت وقت پیش آئی اور کچھ جواب اسکا بن نہیں آیا۔ مجتہد صاحب تشہید البانی میں بجواب مولوی حیدر علی صاحب کے اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ نہایت آچھے ازین حدیث ظاہر می شود اینست کہ ماجرین ماذون جہاد کسری و قیصر بودند و حقیقت خلافت خلفا از ان جہلا استفادہ نمی شود زیرا کہ در امامیث متقدمہ اہل سنت وارد شدہ کہ جناب رسالت آب سلیمین اخیر تسلط خلفا و جور دادہ امر باطاعت آنها نمودہ بود انہی۔ یعنی اس حدیث سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ماجرین کسری و قیصر کے جہاد کے لئے ماذون تھے مگر اس سے خلفا کی خلافت کی حقیقت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ سنیوں کی حدیثوں میں آیا ہے کہ بغیر خدا کے خلفا جور کے تسلط کی خبر دیکھ لو گنی اطاعت کا حکم فرمایا تھا۔ اس جواب سے اتنا تو ثابت ہوا کہ جناب مجتہد صاحب کو اس حدیث کی صحت میں کلام نہیں ہے نہ اس کے مضمون میں کچھ ندرت ہے۔ اور ہمارے مقصود کے لئے یہی کافی ہے۔ آئندہ ناظرین حدیث خود غور کر کے اس کا تصفیہ کر سکتے ہیں کہ مجتہد صاحب کے جواب سے ہمارا دعویٰ جو اس حدیث کی دلیل پر مبنی ہے ثابت

ہوتا ہے یا باطل۔ اور چونکہ اونھوں نے کوئی جواب اسکا نہ پایا۔ نہ مہاجرین کے کسری و قیصر پر
 جہاد سے انکار کر سکیں نہ اونکے ماذون من اللہ ہونے پر اعتراض فرما سکے۔ اور نہ ماذون من اللہ ہونے
 کے لئے جو شرط اظہار نام نے فرمائے، اونکے انکار کی جرأت کر سکی۔ جب کوئی رہستہ نہ ملا تو اہل سنت کی کتابوں
 کی طرف رجوع کرنے لگے۔ مگر اس سے نفس حدیث کا مطلب کو نظر باطل ہو سکتا ہے۔ مانحن فیہ میں
 یہ بحث نہیں ہے کہ سینوں کی ردایتوں کے مطابق نلفا راشدین نلفا جو رہتے یا خلفاء برحق۔ بلکہ
 بحث طلب امر یہ ہے کہ اس حدیث سے اون مہاجرین کا جنھوں نے کسری و قیصر پر جہاد کیا ماذون
 من اللہ ہونا اور ماذون من اللہ ہونکی وجہ سے اونکا صاحب اعمال صالح ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں
 اور اس ثبوت کی تردید نہیں ہو سکتی جب تک وہ وہی باتوں سے انکار کیا جائے۔ ایک مہاجرین
 کے جہاد کرنے سے کسری اور قیصر پر دوسری امام کے اسرار شاد سے کہ مہاجرین جہاد کے لئے
 ماذون من اللہ تھے۔ اگر حضرات امامیہ کو یہ جرأت ہو کہ وہ فرما سکیں کہ جہاد مہاجرین نے نہیں
 کیا۔ نہ کسری اور قیصر کا ملک مہاجرین کے قبضے میں آیا بلکہ اونپر جہاد کرنوالے ایران کے شیعہ
 یا لکھنؤ کے مومن تھے تو خیر ہم خود اپنے دعویٰ کی غلطی تسلیم کر لینگے۔ یا یہ کہ سکیں کہ امام نے
 مہاجرین کو ماذون من اللہ ہونا نہیں بیان کیا بلکہ ممنوع من ایجاد ہونا فرمایا تھا تب بھی ہمارا دعویٰ
 اور ہماری دلیل دونوں باطل ہو سکتی ہیں واذلیس فلیس

چونکہ مجتہد صاحب بھی اسے خوب سمجھ گئے تھے کہ اونکا جواب نہایت کم زور ہے اس لئے جناب
 نے اس حدیث کا ایک اور جواب دیا ہے اس سے بھی زیادہ عمدہ اور زیادہ مدلل اور ناقابل تردید
 ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ جہاد بمشورے و مرضی مبارک جناب امیر کے ہوا تھا پس گو یا ماذون بجہاد
 جناب امیر تھے اور اونھیں کے اذن سے مہاجرین نے کسری و قیصر پر جہاد کیا تھا۔ ہم بھی اس
 جواب کی داد دیتے ہیں۔ اور تاکہ دیکھنے والوں کو ہماری طرف سے ہر گمانی نہ ہو اور جناب مجتہد صاحب

کی طرف ایسے پاکیزہ جواب دینے میں کوئی شبہہ کر سے ہم اصل بابت تشذیب البیانی کی نگفتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ و در مقام ہی دیگر است کہ تعرض آن پر ضرور و آن این است کہ تالیفہ ثانی بلکہ خلفا ثلاثہ جون بڑی العین مشاہرہ نمودہ بودند کہ جناب ولایت آب افضل و علم صحابہ است لہذا در اکثر امور عظام مشعل جام و اجرامی حدود وغیرہ بطریق مشورہ مرضی مبارک جناب امیر زبیر یاخت می نمودند چنانچہ ابن امر بر مستنج خیر ظاہر و روشن است و کلام صدیق نظام خلیفہ ثانی لو کلا علی ائمتہ و معضلہ کلا ایا حسن لہا کہ در کتب معتد بہ اہل سنت وارد شدہ نیز دلالت صریح بران دارد و در خصوص جہاد فارس فاضل دہلوی نیز مشورہ نمودن خلیفہ ثانی بان حضرت مذکور ساختہ ہیں برین تقدیر ماذون بودن ماجرین و انصار برکے جہاد فارس و شام وغیرہ مستغنی عن البیان است و انچہ جناب امام عقیقہ عیادق در باب اذن انہا فرمودہ

بسبب اذن جہاد امیر بود نہ بسبب حقیقت خلافت ثلاثہ - انتہی

جناب قبلہ و کعبہ کے جواب سے بجائے اسلئے کہ ہمارا دعویٰ ضعیف ہو اور قوی ہوتا ہے اسلئے جو سب منطق کی شکل اول کے اس حدیث کا صغریٰ اور کبریٰ یہ ہوتا ہے کہ ماجرین ماذون ہجرت تھے۔ اور ماذون جہاد نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو جامع شرائط ایمان اور مورد آیہ التائبون العابدون الحامدون الحامنون کے ہوں پس اس کا نتیجہ نکلا کہ ماجرین مومن اور جامع شرائط اور ذیل زمرہ التائبون العابدون الحامدون الحامنون کے تھے۔ و ہذا اھو المقصود ان جناب قبلہ و کعبہ اس حدیث سے نکال فراتے یا اسلئے جواب میں یہ کہتے کہ ماجرین ماذون من اللہ نہ تھے تب البتہ ہمارا دعویٰ باطل ہوتا۔ مگر مولانا مدوح نے اس بات کو کہ ماجرین ماذون من اللہ تھے نہ صرف تصدیق کیا بلکہ اسے اور قوی کر دیا۔ اسلئے کہ آپ فراتے ہیں کہ وہ جناب امیر کی طرف سے ماذون تھے اسلئے کہ خلفا ایسے معاملات میں جناب امیر سے مشورہ لیتے اور آپ کی مرضی مبارک دریافت کرتے اس لحاظ سے خلفا کا اذن درپردہ بلکہ درحقیقت اذن جناب امیر تھا اور جناب امیر کے اذن کو خدا کا اذن سمجھنا چاہئے اسلئے کہ اگر ماجرین

جامع اور شرائط کے نمونے جو مجاہدین کے لئے ضروری ہیں تو حضرت امیر انکو جہاد کا اذن نہ دیتے۔ اور صلاح اور مشورہ لینے والوں سے ملحقہ رہتے۔ اور انکے جہاد کو فتنہ و فساد اور انجمن کو وجہ تعالیٰ سمجھتے۔ جیسا کہ اس حدیث کا ثبوت ہے۔

اور جناب قبلہ و کعبہ کا یہ ارشاد کہ اس سے خلافت ثلاثہ کی حقیقت ثابت نہیں ہوتی نہایت حیرت انگیز ہے اس لئے کہ جو لوگ اور شرائط کے جامع ہوں جو اس حدیث میں مذکور ہیں یعنی ایمان میں کامل اور اعمال میں متصف اور التائبون العابدون الحامدون میں داخل تو بالضرور وہ خدا اور اوسکے رسول کی مرضی پر نپٹنے والے ہونگے۔ اور اہل بیت سے محبت رکھنا اور انکو مدد دینا اور انکو مخالفین اور اعدا سے بیزار رہنا اور ناکام فرض ہوگا۔ اور یہ فرض اور سبقت پورا ہوتا ہے جبکہ ہمارے اعتقاد کے موافق خلفاء ثلاثہ اگر مجاہدین سے افضل نہ ہوتے جاوین تاہم کم سے کم اونکی برابر اور اونکے زمر سے ہیں تو ضرور محسوب ہوں۔ ورنہ کیا وہ لوگ جو ایمان اور حسن اعمال میں کامل ہوں ایسے شخصوں کی سرداری اور امامت کو تسلیم کریں گے جو ایمان سے بے برہ اور حسن عمل سے بے نصیب اور منافقین اور مرتدین میں داخل اور اہل بیت کے دشمن اور انکے حقوق کے غاصب اور بضعہ رسول کے اذیادینے والے ہوں۔ ایسے لوگوں کی اطاعت تو وہی لوگ کریں گے جو کم از کم انکی طرح منافق یا مرتد اور ایمان سے بے برہ ہوں اور چونکہ اس حدیث نے مجاہدین کا جہاد کے لئے ماذون من امیر المؤمنین ومن اللہ ہونا ثابت کر دیا اور ماذون من اللہ ہونے سے انکے ایمان اور اعمال اور تمام صفات حسنہ کا ثبوت ہو گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے گروہ کے سردار اور خلیفہ بھی ایمان اور اعمال اور تمام صفات حسنہ سے متصف اور التائبون العابدون الحامدون میں داخل تھے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

مجاہدین کا اس حدیث سے جہاد کے لئے ماذون من اللہ ہونا تو خود جو اسے جناب قبلہ و کعبہ کے ثابت ہو گیا۔ اب ہم ایک اور روایت پیش کرتے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو مجاہد

خلفا اٹھانے کے زمانے میں ہوسے اور جو ملک اور چھوٹے ممالک نے فتح کئے اور انکی بشارت بجز خدا صلعم نے پہلے
 ہی سے دیر ہی تھی۔ اور انکی فتوحات کو اپنی فتوحات سے تعبیر فرمایا تھا۔ ابن بابویہ روایت کرتے
 ہیں کہ جنگ اذربائیجان میں جبکہ جنگ خندق بھی کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی کی صلاح سے خندق کھودی
 گئی۔ خندق کھودنے وقت ایک ایسا سخت پتھر نکلا کہ کدال اور کچھ کچھ کام نہیں کر سکتا تھا اور نہ وہ ٹوٹتا
 تھا حضرت صلعم کو یہی اطلاع دیکھنی اور آب نے دست مبارک میں کدال لیکر اس پتھر پر ایک ضرب
 لگائی اس سے ایک روشنی نکلی اور آج اسے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ اکبر شام کی کنجیاں خدا نے مجھے
 دیں۔ اور قسم ہے خدا کی اوسکے سرخ نعل میں دیکھو ہا ہون بعدہ دوسری ضرب لگائی اور ایک تھالی
 پتھر اس سے ٹوٹا آب نے فرمایا اللہ اکبر خدا نے فارس کے ملک کی کنجیاں مجھے دین تو قسم ہے خدا کی کہ ان
 کے سفید کندھوں میں دیکھو۔ ہا ہون۔ اور جب تیسری چوٹ لگائی اور وہ پتھر ٹوٹ گیا تو آب نے فرمایا
 کہ اللہ اکبر میں کی کنجیاں مجھے دیں اور قسم ہے خدا کی کہ سنا کے دروازے کو میں دیکھو ہا ہون۔ یہ روایت
 صفحہ ۳۷۹ حیات القلوب کی دوسری جلد مطبوعہ نو لکستور اور تاریخ التوارث کی کتاب دوم جلد اول
 مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۱۶ میں نقل ہے۔ اور اخیر روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ باجمہ درایم ہم خندق
 قطعہ سنگی سخت پر یہ سنگ کہ مردم نیشابستین آن بیچارہ گشتند سلمان این خبر بر رسول خدا برداشت
 جابر بن عبد اللہ انصاری گوید درین جنگام رسول خدا بر سجدہ فتح بر پشت نمود امیدہ بود و از شدت
 جوع سنگ بنام مبارک بسترہ داشت چہ سہ روز میرفت کہ بچکیں بطعام دست یافت باین چہ
 چون این قسمہ بشنید متین برگرفت و بخدمت درآمد باین عازب گوید چون با متین بر سر سنگ آید
 فرمود بسم اللہ و بظہر نخستین یک ٹٹ آن سنگ را بچکند و آفت اللہ اکبر و برقی از سنگ گشتن
 کرد و پیچید فرمود و مطاق شام را داد و ندو سنگد با خدا می کہ شام را با قصور احمد مشاہرت میکنم و در حضرت
 دوم ٹٹ دوم را فرود آورد و ہم برقی بچست فرمود اللہ اکبر مطاق فارس را داد و ندو سنگد با خدا می

و در این جنگ اذربائیجان میں جبکہ جنگ خندق بھی کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی کی صلاح سے خندق کھودی گئی۔ خندق کھودنے وقت ایک ایسا سخت پتھر نکلا کہ کدال اور کچھ کچھ کام نہیں کر سکتا تھا اور نہ وہ ٹوٹتا تھا حضرت صلعم کو یہی اطلاع دیکھنی اور آب نے دست مبارک میں کدال لیکر اس پتھر پر ایک ضرب لگائی اس سے ایک روشنی نکلی اور آج اسے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ اکبر شام کی کنجیاں خدا نے مجھے دیں۔ اور قسم ہے خدا کی اوسکے سرخ نعل میں دیکھو ہا ہون بعدہ دوسری ضرب لگائی اور ایک تھالی پتھر اس سے ٹوٹا آب نے فرمایا اللہ اکبر خدا نے فارس کے ملک کی کنجیاں مجھے دین تو قسم ہے خدا کی کہ ان کے سفید کندھوں میں دیکھو۔ ہا ہون۔ اور جب تیسری چوٹ لگائی اور وہ پتھر ٹوٹ گیا تو آب نے فرمایا کہ اللہ اکبر میں کی کنجیاں مجھے دیں اور قسم ہے خدا کی کہ سنا کے دروازے کو میں دیکھو ہا ہون۔ یہ روایت صفحہ ۳۷۹ حیات القلوب کی دوسری جلد مطبوعہ نو لکستور اور تاریخ التوارث کی کتاب دوم جلد اول مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۱۶ میں نقل ہے۔ اور اخیر روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ باجمہ درایم ہم خندق قطعہ سنگی سخت پر یہ سنگ کہ مردم نیشابستین آن بیچارہ گشتند سلمان این خبر بر رسول خدا برداشت جابر بن عبد اللہ انصاری گوید درین جنگام رسول خدا بر سجدہ فتح بر پشت نمود امیدہ بود و از شدت جوع سنگ بنام مبارک بسترہ داشت چہ سہ روز میرفت کہ بچکیں بطعام دست یافت باین چہ چون این قسمہ بشنید متین برگرفت و بخدمت درآمد باین عازب گوید چون با متین بر سر سنگ آید فرمود بسم اللہ و بظہر نخستین یک ٹٹ آن سنگ را بچکند و آفت اللہ اکبر و برقی از سنگ گشتن کرد و پیچید فرمود و مطاق شام را داد و ندو سنگد با خدا می کہ شام را با قصور احمد مشاہرت میکنم و در حضرت دوم ٹٹ دوم را فرود آورد و ہم برقی بچست فرمود اللہ اکبر مطاق فارس را داد و ندو سنگد با خدا می

و در این جنگ اذربائیجان میں جبکہ جنگ خندق بھی کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی کی صلاح سے خندق کھودی گئی۔ خندق کھودنے وقت ایک ایسا سخت پتھر نکلا کہ کدال اور کچھ کچھ کام نہیں کر سکتا تھا اور نہ وہ ٹوٹتا تھا حضرت صلعم کو یہی اطلاع دیکھنی اور آب نے دست مبارک میں کدال لیکر اس پتھر پر ایک ضرب لگائی اس سے ایک روشنی نکلی اور آج اسے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ اکبر شام کی کنجیاں خدا نے مجھے دیں۔ اور قسم ہے خدا کی اوسکے سرخ نعل میں دیکھو ہا ہون بعدہ دوسری ضرب لگائی اور ایک تھالی پتھر اس سے ٹوٹا آب نے فرمایا اللہ اکبر خدا نے فارس کے ملک کی کنجیاں مجھے دین تو قسم ہے خدا کی کہ ان کے سفید کندھوں میں دیکھو۔ ہا ہون۔ اور جب تیسری چوٹ لگائی اور وہ پتھر ٹوٹ گیا تو آب نے فرمایا کہ اللہ اکبر میں کی کنجیاں مجھے دیں اور قسم ہے خدا کی کہ سنا کے دروازے کو میں دیکھو ہا ہون۔ یہ روایت صفحہ ۳۷۹ حیات القلوب کی دوسری جلد مطبوعہ نو لکستور اور تاریخ التوارث کی کتاب دوم جلد اول مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۱۶ میں نقل ہے۔ اور اخیر روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ باجمہ درایم ہم خندق قطعہ سنگی سخت پر یہ سنگ کہ مردم نیشابستین آن بیچارہ گشتند سلمان این خبر بر رسول خدا برداشت جابر بن عبد اللہ انصاری گوید درین جنگام رسول خدا بر سجدہ فتح بر پشت نمود امیدہ بود و از شدت جوع سنگ بنام مبارک بسترہ داشت چہ سہ روز میرفت کہ بچکیں بطعام دست یافت باین چہ چون این قسمہ بشنید متین برگرفت و بخدمت درآمد باین عازب گوید چون با متین بر سر سنگ آید فرمود بسم اللہ و بظہر نخستین یک ٹٹ آن سنگ را بچکند و آفت اللہ اکبر و برقی از سنگ گشتن کرد و پیچید فرمود و مطاق شام را داد و ندو سنگد با خدا می کہ شام را با قصور احمد مشاہرت میکنم و در حضرت دوم ٹٹ دوم را فرود آورد و ہم برقی بچست فرمود اللہ اکبر مطاق فارس را داد و ندو سنگد با خدا می

تصور بعضی دین امی کریم در حضرت سیم سنگ را بجلد پگندہ ساخت و نیز برقی بجمید و رسوخای فرمود
 است کہ ابغایتج بین بجز من فناد سگند با خدای کہ ابواب صغنا نظارہ کنم دور حرکت مردم با پیغمبر فرقت نمی
 دبانگ تکبیر بر میداشتمند۔ انگاه روی با سلمان کرد و صفت کوشاک مدائن را تا مست باز گفت سلمان
 عرض کرد بدان خدای کہ ترا برستی فرستاده این ہمہ صفت کوشاک مدائن مست و گواہی میدہم کہ تو رسول خدای
 پیغمبر فرمود بعد از من مست من این ممالک بکشایند و دغان کسری و قیصر القفقہ و مہند۔ انتہی

اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے شام اور فارس اور یمن کے
 فتوحات کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ میری امت کے لوگ اور مسلمان اسے فتح کریں گے۔ اور نیز
 ان فتوحات کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور ارشاد کیا کہ خدا نے ان ملکوں کی کنجیاں مجھے عنایت کیں۔
 اگر خلفا کی خلافت باطل ہوتی اور وہ اون کے ساتھ دینے والے اور اون کے
 حکم پر لڑنے والے جنکے ہاتھ پر یہ ملک فتح ہوا منافق یا مرتد ہوتے اور ارادہ اسلام سے
 خارج تو کیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونکے فعل کو اپنی طرف منسوب کرتے۔
 اور اونکی فتوحات کو اپنی فتوحات سمجھتے۔ اسکے جواب میں مجتہد صاحب قشند اللہ
 میں فرماتے ہیں کہ نہایت آنچہ ازین روایت ثابت می شود این ست کہ ملک شام و یمن
 وغیرہ ورقبہ اسلام خواہ آمد و از ان ظاہر نمی شود کہ کسانیکہ در ایام حکومت آنرا این ممالک
 و رقبہ خواہ آمد خلیفہ بحق خواہند بود زیرا کہ از جملہ احادیث معتدہ اہل سنت کہ ان اللہ یؤیبا
 ہذا الدین بالرجل الفاجر بس اگر قوت دین و روح شرع متین و عمدہ حدی و لیل حقیقت
 او باشد لازم آید حقیقت خلافت ہر بادشاہ فاجر و جابر و ہو خلاف مزعوم المجیب انتہی
 اس جواب میں مجتہد صاحب نے پہلی حدیث کے موافق جواب بھی اور پر بیان ہو چکی پھر اہل سنت
 کی حدیث کو پیش کیا۔ حالانکہ اونکو اس روایت کے متعلق جواب دینا چاہیے تھا۔ جو کچھ جواب انھوں نے دیا

اوس سے حج اللہ تعالیٰ اس روایت کی تصدیق ہو گئی۔ اور سنو کی مجلس کردہ حدیث سے مجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اسلئے کہ جب اس روایت میں دکھایا ہے کہ پیغمبر خدا نے تین دفعہ یہ فرمایا کہ خدا نے
 فلان تک کی نجیان میرے ہاتھ میں دین اور ہر مرتبہ خوش ہو کر تکبیر فرمائی پس اگر خلفا خارج ہوئے
 تو کیونکر پیغمبر خدا اپنے مبارک ہاتھ کو اونکا ہاتھ کہتے اور کس طرح خوش ہو کر بشارت اصحاب سے خطاب فرماتے
 کہ خدا نے یہ تک مجھے دیا اور میری امت کے ہاتھ سے فتح ہو گا۔ کیا وہ پاک رسول جسکے ہاتھ کو خدا نے
 اپنا ہاتھ کہا ہوا اور جسکی شان میں **اِنَّ الَّذِيْنَ يَمِيْنُوْنَ اَتَمُّوْنَ** اللہ تعالیٰ اللہ فوق
اَيُّهَا يَوْمَ حِزْبِ فَرَا بَا ہوا اور ناجرین کے افعال پر جنسوں نے دین کو بدل دیا اور اہل بیت نبوی
 کے حقوق غصب کر لینے اور جنس فرورکے درجے سے گذر کر تداؤ کا فر ہو گئے بلکہ ایسے لوگوں کی نسبت
 جنکو حضرت شیعہ کچھ بھی مسلم اور ذمہ سمجھتے ہیں نہیں اور ابتدا ہی سے اونکو منافق جانتے ہیں انکا بشارت
 فرامے اور انکے مساعی جمیہ سے جو تک فتح ہون اور اسلام ترقی پاوے اور ہر فقر و مباحات کریں۔ اور
 اسپر بھی تعجب ہے کہ ان حدیث سے اہل سنت کی جناب قبلہ و کعبہ نے استساک فرمایا ہے وہ بھی
 اونکے مفید مطلب نہیں۔ اسلئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعد میرے خلفا ہونگے یعنی خلفا حق اور
 اونکے بعد امام ہونگے اور اونکے بعد لوگ جابر۔ پس سنو کی حدیث کے مطابق اس حدیث کا اطلاق خلفا
 کرام پر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر اس طرح پر احادیث کی منسوخی تحریف کیا جوے اور اونکے مصداق کو
 غلط ٹھہرا جاوے تو جو حدیثیں حضرت امام مدنی کی شان میں ہیں کہ اونسے دین کو تعویث ہوگی
 اور وہ ساری دنیا میں اسلام پھیلا دینگے اونکی نسبت بھی خوارج اس حدیث کو جو کہ شیعوں کے بیان
 بھی منقول ہے یہی کہہ سکتے ہیں اور نفوذ باللہ حضرت امام مدنی کے زمانے کی فتوحات بھی ان اللہ
يُوْتِيْهِمُ الْاَيُّمُ الْاَيُّمُ الْاَيُّمُ کہہ کر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر سکتے ہیں پس جو اب حضرات
 امامیہ اونکو دین اوسکی کوہاری طرف سے بھی سمجھیں۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ پیغمبر خدا نے تین دفعہ یہ فرمایا کہ خدا نے فلان تک کی نجیان میرے ہاتھ میں دین اور ہر مرتبہ خوش ہو کر تکبیر فرمائی پس اگر خلفا خارج ہوئے تو کیونکر پیغمبر خدا اپنے مبارک ہاتھ کو اونکا ہاتھ کہتے اور کس طرح خوش ہو کر بشارت اصحاب سے خطاب فرماتے کہ خدا نے یہ تک مجھے دیا اور میری امت کے ہاتھ سے فتح ہو گا۔ کیا وہ پاک رسول جسکے ہاتھ کو خدا نے اپنا ہاتھ کہا ہوا اور جسکی شان میں اِنَّ الَّذِيْنَ يَمِيْنُوْنَ اَتَمُّوْنَ اللہ تعالیٰ اللہ فوق اَيُّهَا يَوْمَ حِزْبِ فَرَا بَا ہوا اور ناجرین کے افعال پر جنسوں نے دین کو بدل دیا اور اہل بیت نبوی کے حقوق غصب کر لینے اور جنس فرورکے درجے سے گذر کر تداؤ کا فر ہو گئے بلکہ ایسے لوگوں کی نسبت جنکو حضرت شیعہ کچھ بھی مسلم اور ذمہ سمجھتے ہیں نہیں اور ابتدا ہی سے اونکو منافق جانتے ہیں انکا بشارت فرامے اور انکے مساعی جمیہ سے جو تک فتح ہون اور اسلام ترقی پاوے اور ہر فقر و مباحات کریں۔ اور اسپر بھی تعجب ہے کہ ان حدیث سے اہل سنت کی جناب قبلہ و کعبہ نے استساک فرمایا ہے وہ بھی اونکے مفید مطلب نہیں۔ اسلئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعد میرے خلفا ہونگے یعنی خلفا حق اور اونکے بعد امام ہونگے اور اونکے بعد لوگ جابر۔ پس سنو کی حدیث کے مطابق اس حدیث کا اطلاق خلفا کرام پر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر اس طرح پر احادیث کی منسوخی تحریف کیا جوے اور اونکے مصداق کو غلط ٹھہرا جاوے تو جو حدیثیں حضرت امام مدنی کی شان میں ہیں کہ اونسے دین کو تعویث ہوگی اور وہ ساری دنیا میں اسلام پھیلا دینگے اونکی نسبت بھی خوارج اس حدیث کو جو کہ شیعوں کے بیان بھی منقول ہے یہی کہہ سکتے ہیں اور نفوذ باللہ حضرت امام مدنی کے زمانے کی فتوحات بھی ان اللہ يُوْتِيْهِمُ الْاَيُّمُ الْاَيُّمُ الْاَيُّمُ کہہ کر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر سکتے ہیں پس جو اب حضرات امامیہ اونکو دین اوسکی کوہاری طرف سے بھی سمجھیں۔

غالب میں۔ تم قطب ہو کر جو اور عرب کو گھیرے رہو مختارے بغیر عرب میں لڑائی کی آگ بھڑک
 اٹھے گی کیونکہ اگر تم اس زمین سے چلے جاؤ گے تو عرب اطراف و جوانب سے ہمبر ٹوٹ بڑنگے اور جن
 چیزوں کو تم بھیجے جو برباؤ کے وہ زیادہ ہم اور نازک ہو جائیگی نسبت اس کے جسکے لئے جاتے ہو کیونکہ
 عجیبی جب مختار ابانا دکھیں گے تو کہیں گے عرب اتنے ہی تھے۔ اور وہ زیادہ دلیری اور طمع کرینگے۔ اور تم
 جو یہ کہتے ہو کہ اہل فارس مسلمانوں پر چڑھ کر آئے ہیں تو خدا تبارک و تعالیٰ کی تو تم سے بھی زیادہ اونکا چڑھ کرانا بڑا
 معلوم ہوتا ہے اور جس بات کو وہ براجاتا ہے اس کے دور کرنے پر وہ قادر ہے۔ اور تم نے جو اونکی
 کثرت بیان کی تو ہم پہلے جہاد کچھ کثرت کے بجز سے زمین کیا کرتے تھے بلکہ خداوند تعالیٰ کی مدد و نصرت کے سہ سے ہر
 نبی البلاغت میں ایک خط حضرت علیؓ کی طرے کے نام معاویہ کے منقول ہے جس کا آغاز یہ ہے
 فاراد قوما قتل نبینا اطمح او سکی نسبت ابن مثم جرائی اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک جزاؤں
 خط کا ہے جو جناب امیر نے معاویہ کو اونکے خط کے جواب میں لکھا تھا اور جس میں اونہوں نے قاتلان
 عثمان کو طلب کیا تھا۔ اور یہ بھی اوس میں لکھا تھا کہ مسلمانوں میں سب سے برتر پہلے خلیفہ تھے پھر
 دوسرے پھر تیسرے۔ اور جناب امیر پر یہ طعنہ کیا تھا کہ تم نے سب پر حسد کیا اور سبے باغی رہے
 اور ہمیشہ خلافت کی طمع میں سردا رہیں جسے تم نے رہے۔ اور سعیت تو تم ہمیشہ مالتے رہے یہاں تک کہ
 جس طرح نکیل پکڑ کر برستی اونٹ کھینچا جاتا ہے تم کھینچے گئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ خط معاویہ نے
 ابو مسلم غسانی کے ہاتھ جناب امیر کے پاس بھیجا اور اسکے جواب میں آپ نے ایک طرانی خط لکھا جس میں
 خلفا کے متعلق یہ جواب تھا و ذکر ت ان الله اجتبى له من المسلمين اعوانا ایدہم بہ فکانوا
 فی منازلہم عندنا علی قدر فضائلہم فی الاسلام وکان افضلہم فی الاسلام
 کما نعت و انصحہم للہ و لرسولہ الخلیفة الصدیق و خلیفة الخلیفة الفاروق
 و لعمری ان مکاتہم فی الاسلام لعظیم وان المصائب بھما الحرج فی الاسلام شدیداً

بیچھہم اللہ وجزاھم اللہ بالحسن ما عملوا کہ تم یہ کہتے ہو کہ خدا نے رسول خدا
 کے لئے مسلمانوں میں سے ایسے احوان و انصار دیے جنہوں نے آپ کی تائید کی اور وہ لوگ اپنے اپنے
 درجے کے موافق اسلام میں ناصرتہ رکھتے ہیں اور انہیں سے افضل جیسا کہ تم نے گمان کیا اور سب سے
 بڑھکر نصیبتے کہ نبیوالے اللہ ورسول کے لئے خلیفہ صدیق اور فاروق تھے۔ میں بھی اپنی جان کی قسم کھا کر
 کہتا ہوں کہ اون دونوں کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کے صدے (یہی وفات) اسلام کے
 لئے بہت سخت مصیبت ہے۔ خدا اون دونوں پر رحم کرے اور ان کے اعمال کا انہیں نیک نیت کیے
 نوح البلاغت میں لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان پر باغیوں نے هجوم کیا تو جناب امیر حضرت عثمان کج
 پاس گئے اور ان سے کہا کہ لوگوں نے مجھے سفیر بنا کر آپ کے پاس بھیجا ہے مگر میں نہیں جانتا کہ
 آپ سے کیا کہوں کہ نبی حیز میں ایسی نہیں جانتا جو تم جانتے ہو اور کوئی شے ایسی نہیں بنا سکتا جو
 تم نہ سمجھتے ہو تم وہی جانتے ہو جو ہم جانتے ہیں کسی چیز میں ہم نے تم سے سبقت نہیں کی جو ہم تمہیں تاؤین
 تھے وہ سب دیکھا ہے جو ہم نے دیکھا اور تم نے وہ سب سنا ہے جو ہم نے سنا ہے رسول اللہ کی وہی ہے صحیح
 بائنی ہے جیسی کہ ہم نے۔ نہ ابن ابوقحافہ سے بڑھکر تھے نہ ابن خطاب تم سے زیادہ مستحق۔ کیونکہ تم رسول اللہ
 کے زیادہ قریب ہو اور انکی دامادی کا شرف رکھتے ہو جو ان کو حاصل نہیں تھا۔ پھر اسکے بعد اور
 باتیں کہیں اور ان کو سمجھایا۔ مگر ہمارا مطلب اس وقت اون الفاظ کی نقل سے ہے جسے ثابت ہوتا ہے
 کہ جناب امیر نے کسی بات میں اپنے آپ کو حضرت عثمان سے افضل نہیں فرمایا۔ بلکہ صاف صاف
 کہا کہ جو میں جانتا ہوں وہی آپ جانتے ہیں جو میں نے دیکھا ہے وہی آپ نے بھی دیکھا۔ جو میں نے
 سنا وہی آپ نے بھی سنا۔ اور جو عزت و محبت نبوی کی مجھے حاصل ہے وہی آپ کو بھی۔ چنانچہ
 آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں واللہ ما ادری ما اقول لك ما عرف شيئا تجهله ولا املك
 على امر لا تعرفه انك لتعلم ما تعلم واللہ ما سبقناك الى شي فتخبرنا عنه ولا خلونا

الشیء فنبیلقہ وقد رأیت کما رأینا وسمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللہ
صلعم کما صحبنا وما ابن ابی قحافة ولا ابن الخطاب باولی بعمل الحق منک
وانت اقرب رسول اللہ صلعم وشیخة رحم وقد نلت من صحرة ما لم یبالا۔

یہ اقوال جناب امیر کے اور وہ دو تین ائمہ کرام کی حوا پر سمجھنے معتبر کتابوں سے امامیہ کے نقل کی
ہیں غالباً دیکھنے والوں کو اس باب میں کچھ شبہ باقی نہ رہے گا کہ ماجرین و انصار خدا اور رسول کے مدد
تھے اور خلفاء راشدین کے مناقب اور مجاہد زبان پر ائمہ کے جاری تھے اور انکے حسن اعمال کا صلہ
خدا سے چاہتے تھے۔ اور ان پر رحمت بھیجتے تھے۔ کیا وہ لوگ جنکی نسبت جناب امیر نے فرمایا کہ
ولعمری ان مکاتھم فی الاسلام لعظیم وان المصائب بہما کجح فی الاسلام شدید
ایمان سے خارج اور اسلام سے بے نصیب تھے۔ اور کیا وہ خلفاء جنکے حق میں علی مرتضیٰ نے جو چھما
اللہ وجزلھما اللہ باحسن ما عملاکم وعلی ہو ناصب ووظالم خیال کئے جاسکتے ہیں اور یہاں
رحمت بھیجنے کے اور انکی شان میں کسی قسم کے بے ادبانہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نکل سکتے ہیں
اور کیا وہ دانا اور رسول کہ جنکی نسبت جناب امیر نے واللہ ما سبقناک الی شیء وقد رأیت
کما رأینا وسمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللہ کما صحبنا وانت اقرب رسول اللہ
فرمایا ہو وہ معوذ با اللہ کافر اور منافق تھے۔ اور وہ انصار جنکی نسبت رسول اللہ نے الانصار کز شی
وعیبۃ فرمایا اور ولو سلاک الناس اذ یا وسلاک الانصار شعب السکلت شعب الانصار
ارشا وکیا ہو اور جنکے حق میں اللهم اغفر الانصار وبنائ الانصار وبنائ الانصار
وعمامین فرمایا ہو۔ اور وہ ماجرین جنکو امام نے جہاد کے لئے ماؤن من اللہ فرمایا ہو اور جنکو
التائبون العابدون الحامدون السائحون من شمار کیا ہو شیون کے عقائد کے مطابق
مترتب ہو گئے ہوں اور پیغمبر خدا کی وصیت کو ایسے لوگوں نے بھلا دیا ہو اور ان پر یہ سے پھر گئے ہوں

منہ سے نکال کر دیکھو کہ وہ کون سا ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔

اور کسی نے جناب امیر کا جو وہی برحق اور طریفہ بلافضل تھے ساتھ نہ آیا ہو۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ سوائے
 اس حالت کے جبکہ انسان مذہبی تعصبات کے جوش میں آکر عقل و فہم کو خیر باوکندے۔ اور برہمیات
 کے انکار میں کچھ پس و پیش نہ کرے۔ ہوش و حواس کی حالت میں کسی انسان کی زبان سے نہیں کہل سکتے
 ہیں نہ کسی سچے دار آدمی کے خیال میں آسکتی ہیں۔ اگر اس قسم کے خیالات اور اقوال کی قباحت
 کسی کے خیال میں نگذرے تو اس سے مرفوع القلم سمجھ کر اس کے عقین دعا کر فی جاہے کہ خدا سمجھ
 عطا کرے اور مسغسطہ اور برہمیات کا پردہ اوسکے دل اور آنکھوں سے اٹھادے۔

جو محتما مقدمہ

علما امامیہ نے سطا عن صحابہ کے ثابت کرنے میں اکثر وہ روایتیں ہمارے یہاں کی پیش کی
 ہیں جو جوہری ہیں یا ضعیف اور اون کتابوں سے استدلال کیا ہے جو غیر مستند و نامعتبر ہیں۔
 جب ہمارے علما نے اس قسم کی روایتوں کی تکذیب کی اور ایسی روایتوں کے پیش کرنے اور بھی
 کتابوں سے استدلالے کو ناجائز اور دھوکا قرار دیا تو اوپر مذکور علما امامیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ
 سفینوں کی یہ عادت ہے کہ جب کوئی ایسی روایت اون کی کتابوں سے پیش کی جائے جس سے اون کے
 اصول میں خلل واقع ہو اور جبکا جواب اون سے نہ بن پرے تو یا او اس روایت کی تکذیب کرتے
 ہیں یا اسے ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ اور اس کتاب کے مؤلف پر تشیع یا میلان تشیع کی تہمت لگا کر
 اپنے فرقتے سے خارج بتاتے ہیں۔ اور اگر اوپر شہرت ایسا نہ کر سکیں تو کبھی یہ کہہ کر وہ محقق نہیں
 ہے اور کبھی یہ فرما کر وہ محدث نہیں ہے غرض کہ کسی طرح سے اسے مطعون بنا کر اوسکے
 روایت کے تسلیم میں سوچیلے نکالے ہیں۔ چنانچہ اس اعتراض کو قاضی نور اللہ شوستری اور
 اور مجتہدین مکھنوار جناب مولوی حامد حسین صاحب نے اپنی اپنی کتابوں میں بہت توجہ سے
 بیان کیا ہے۔

منہ سے نکال کر دیکھو کہ وہ کون سا ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔

منہ سے نکال کر دیکھو کہ وہ کون سا ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔
 اگر وہ کون سا ہے تو اس کے ساتھ
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔

درحقیقت یہ اعتراض اونکا کتنا صحیح نہیں کہ چونکہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں تمام
 علما اور کل مصنفین ایک عقیدہ عالی دماغ اور محقق گذرے ہوں۔ نہ کسی مذہب کی تمام کتابیں ایسی ہیں
 جو معتبر اور مستند اور نیربہی مباحثوں میں قابل استدلال ہوں۔ بلکہ ہر مذہب میں مذہبی عقائد کے
 ساتھ رسوم اور اہام اور الہامی اقوال اور صحیح شمار کے ساتھ قصص اور کایات ملے جلتے پائے
 جاتے ہیں۔ اور ہر مذہب میں دنیا طلب یا فاسد العقیدہ یا کم علم لوگوں کی وجہ سے صحیح روایتوں
 کے ساتھ جھوٹی باتیں بھی مشہور ہو گئی ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں خدا فرستے ہوئے
 اور ہزار ہا بلکہ لکھو کھو عالم گذرے۔ اور ہر فرقے نے اپنے مذہبی عقائد کی تائید اور اپنے اصولوں
 کی حمایت میں کتابیں تصنیف کیں۔ اور ان میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن میں اپنی دلیلیں
 کو تقویت دینے کے لئے روایتوں کا بنانا اور باہمی مذہب اور بزرگان ملت کی طرف سے وضعی اقوال
 کا مشترک کرنا شروع کیا۔ اور امتداد زمانہ اور ترقی اختلافات سے یہ عادت ایسی بڑھ گئی کہ ہر فرقے میں
 معتبر کتابوں کے ساتھ نامعتبر کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہو گیا۔ ہمارے یہاں بھی ہزار ہا عالم
 گذرے اور ہزار ہا کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مگر سب عالم نہ ایک درجے کے تھے اور نہ سب کتابیں
 ایک قسم کی ہیں۔ بعض عالم ایسے ہوئے ہیں جو تحقیق کے نلی درجے پر پہنچے اور بعض ایسے ہوئے
 جو دھوکے اور غلطی کے عمیق گڑھے میں گرے۔ کسی نے نیک نیتی سے حق کی تحقیق میں بہت کوشش
 کی کسی نے نفسانی خواہشوں یا غلط رایوں یا دنیا طلبی کے خیال سے انہماک باطل میں تامل تک
 کیا۔ اور جھوٹ کو حق سے جدا کرنے میں تکلیف نہ اٹھائی اور پھر بعض ایسے بھی ہوئے جو
 میں فاسد عقیدے رکھتے تھے۔ اور سنن کا لباس پہنکر ہمارے علماء میں داخل ہو گئے۔ اور
 لوگوں نے انکی ظاہری حالت اور انکے علم اور کمال کو دیکھا اور انکے اقوال اور رویوں کے
 لینے میں دھوکا کھایا۔ غرض کہ جب ایسے مختلف خیال اور مختلف مراتب مصنف ہوئے ہوں

تو ان کی نقل روایت کا ذمہ دار ہمارا مذہب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہر شخص کی تصدیق صرف اس وجہ سے کہ وہ عالم اور صنف تھے کجا سکتی ہے۔ ہاں مذہب ضرور اس بات کا ذمہ دار ہے جو اس کتاب میں لکھی ہو جسکی شان ہے **لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَكَلِمَاتُ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّهِ**۔ **حٰكِمِيَّةٌ ۝** یا اس مبارک منہ سے نکلی ہو جسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے **وَمَا يَكْفُرُ عَنِ اللّٰهِي طٰنَ هُوَ الْاَوْحٰى يُوْحٰى لٰى** پس جو کچھ ہمارے یہاں لکھی کتابوں سے ہمارے مقابلے میں پیش کیا جاتا ہے وہ ہم پر حجت نہیں ہو سکتا تاں کہ وہ کوئی آیت آیات قرآنی سے یا آنکہ کوئی صحیح حدیث احادیث نبویؐ سے سالم المعاصروں محفوظ علیہ شد و ذمہ لکھ کر دیکھتے ہیں کہ جیسے اسکے حضرات امیرہ کے پیش کردہ روایتوں کا ماخذ یا کتب تاریخ میں یا تفاسیر یا غیر مستند حدیث کی کتاب میں دران قیون قسم کی کتابوں کا خیال ہے۔ تاریخ کی کتابوں کی نسبت جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے بجز اسکے کچھ نہیں کہا جاتا کہ اگرچہ بڑے لائق مسلمان مورخوں نے کثرت سے تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں۔ مگر وہ لغو اور باطل روایات اور وہیات اور وہیات اور قصص حکایات سے بھری ہوئی ہیں اور سوائے چند ابتدائی تاریخوں کے باقی تو تاریخ کی کتابوں میں جو روایتیں لکھی گئی ہیں انہیں اسناد درج ہیں نہ روایات کا سلسلہ بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہو کہ اونکے بیان کرنیوالے سچے ہیں یا بھوٹے۔ مذہب حق پر ہیں یا اہل بدعت۔ اور اگر کہیں سلسلہ روایات کا مذکور بھی ہے تو تفتیح سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر روایتوں کے بیان کرنے والے غیر معتبر اور شائبہ اور مجہول تھے۔ متقدمین میں سے بڑے نامور مورخ مثل واقدی وغیرہ کے جو امام المورخین کہلاتے ہیں خود انکی کتابیں بیہودہ اور غلط روایتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور متأخرین کا تو یہ حال ہے کہ وہ صرف اونھیں کی بیان کی ہوئی روایتوں اور کہانیوں کے نقل کرنے والے ہیں۔ انھوں نے جو پورا پورا پھر روایتیں اور واہی شاہی کہانیاں پھیلی کتابوں میں دکھیں یا ادھر ادھر سے سنیں انھیں ہم تک پہنچا دیا۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ جو کچھ مورخ لکھتے ہیں اس کا ماخذ یا کتب تاریخ میں یا تفاسیر یا غیر مستند حدیث کی کتاب میں دران قیون قسم کی کتابوں کا خیال ہے۔ تاریخ کی کتابوں کی نسبت جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے بجز اسکے کچھ نہیں کہا جاتا کہ اگرچہ بڑے لائق مسلمان مورخوں نے کثرت سے تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں۔ مگر وہ لغو اور باطل روایات اور وہیات اور وہیات اور قصص حکایات سے بھری ہوئی ہیں اور سوائے چند ابتدائی تاریخوں کے باقی تو تاریخ کی کتابوں میں جو روایتیں لکھی گئی ہیں انہیں اسناد درج ہیں نہ روایات کا سلسلہ بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہو کہ اونکے بیان کرنیوالے سچے ہیں یا بھوٹے۔ مذہب حق پر ہیں یا اہل بدعت۔ اور اگر کہیں سلسلہ روایات کا مذکور بھی ہے تو تفتیح سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر روایتوں کے بیان کرنے والے غیر معتبر اور شائبہ اور مجہول تھے۔ متقدمین میں سے بڑے نامور مورخ مثل واقدی وغیرہ کے جو امام المورخین کہلاتے ہیں خود انکی کتابیں بیہودہ اور غلط روایتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور متأخرین کا تو یہ حال ہے کہ وہ صرف اونھیں کی بیان کی ہوئی روایتوں اور کہانیوں کے نقل کرنے والے ہیں۔ انھوں نے جو پورا پورا پھر روایتیں اور واہی شاہی کہانیاں پھیلی کتابوں میں دکھیں یا ادھر ادھر سے سنیں انھیں ہم تک پہنچا دیا۔

نہ ان کے ماتخذ کو تحقیق کیا نہ ان کے مطالب کو غور و تامل سے دیکھا۔ خصوصاً ان مورخین نے جو
 پہلے سے کسی رائے یا کسی ذریعہ کے معتقد یا اس طرف مائل تھے انہوں نے بمقتضائے طبیعت کے
 اپنی رائے اور ذریعہ کے موافق جن خبریں کو سنا قبول کر لیا اور ان کا اعتقاد اور میلان اولیٰ بصیرت
 کی آنکھ کا پردہ ہو گیا۔ اور وہ جھوٹی بات کے قبول کرنے اور ان کے نقل کرنا کی مصیبت میں پڑ گئے
 اور راولیوں پر خوش اعتقاد ہی اور حسن ظن کی وجہ سے اعتماد کرنے اور ان کے معاملات کی تحقیق نہ کرنے
 نے اس مصیبت کو عام اور پورا کر دیا۔ انہوں نے نقل کرنا ویوں اور راولیوں پر ایسا بھروسہ کیا
 کہ نہ متقیح روایت کے حصول کا لحاظ رکھنا نہ روایت کے قواعد کو کام میں لائے اور راولیوں نے
 خود دھوکا کھایا۔ یا سمجھ کی غلطی سے وہ مطلب صحیح نہ ادا کر سکے اور کچھ بھی بجنسہ نقل کر دیا اور بے
 اعتنا طبعی اور شہرت کی خواہش اور اہل ہوا اور بدعت کے جھلٹانے اور تاریخ کی کتابوں کو قطعاً اور
 کمانی بنا دیا۔ یہ قول ابن خلدون کا محتاج دلیل نہیں ہے بلکہ تاریخ کی کتاب میں اور ان کے قصص و حکایات
 اسپر شاہد ہیں۔ مگر باوجود اسکے حضرات امامیہ نے اس قسم کی تاریخوں سے اکثر روایتیں نقل کی ہیں
 اور انہیں بیہودہ اور غلط اخبار کو ہمارے مقابلے میں پیش فرمایا ہے۔ جیسا کہ دعویٰ ہدیفکر میں
 تاریخ عثمانی اور تاریخ آل عباس اور معارج النبوت اور حبیب السیر وغیرہ کتابوں سے غلط سلطو
 روایتیں نقل کر کے ہدیفکر کا دعویٰ ثابت کرنا چاہا ہے۔ مگر محققین کے نزدیک اس قسم کی روایتیں
 معمولی واقعات میں بھی کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ نہ کہ ایسے معاملات میں اون سے استدلال
 کیا جاوے جو ان ہول عقائد پر مؤثر ہوں جو قرآن مجید اور احادیث مشہورہ سے ثابت اور مسلم ہوں۔
 تواریخ کی کتابوں کے علاوہ تفاسیر میں جو اقوال اور اخبار درج ہیں ان کو بھی حضرات امامیہ نے
 مطاعن صحابہ کے ثابت کرنے میں بطور سند کے پیش کیا ہے۔ مگر کسی روایت کا تفسیر کی کسی کتاب
 میں لکھا ہونا اس کی صحت کو ثابت نہیں کرتا کیونکہ تفسیر کی کتاب میں بھی مختلف طبیعت کے آدمیوں کی

لکھی ہوئی ہیں۔ اور ان میں صحیح اور غلط۔ قوی اور ضعیف اخبار ہر قسم کے درج میں کہا قال ابن تیمیہ
 کتب التفسیر التي ينقل فيها الصحيح والضعيف مثل تفسير الثعلبي والواحد
 والبعوي وابن جرير وابن ابی حاتم لم يكن مجرد رواية واحد من هؤلاء
 دليلا على صحته باتفاق اهل العلم فانه اذا عرفت ان ثلاث المنقولات فيها
 صحيح وضعيف فلا بد من بيان ان هذا المنقول من قسم الصحيح
 دون الضعيف۔ یعنی تفسیر کی کتب میں صحیح وضعیف روایتیں منقول ہیں۔ جیسے ثعلبی اور واحد
 اور بوعوی اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی تفسیریں۔ علما کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صرف ان لوگوں کا کسی
 روایت کو روایت کر دینا دلیل صحت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جب یہ معلوم ہے کہ جو روایت منقول ہے
 وہ صحیح اور ضعیف دونوں میں تو اوسکے ساتھ ضرور ہے کہ یہ بیان کر دیا جائے کہ یہ روایت منقول
 از قسم صحیح ہے اور از قسم ضعیف نہیں ہے۔ اور علامہ عبدالرؤف فتاویٰ فیض القدر شرح جامع صغیر
 میں لکھتے ہیں قال ابن کمال کتب التفسیر مشحونة بالاحادیث الموضوعات
 کہ ابن کمال کا قول ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں احادیث موضوع بھری ہوئی ہیں۔ پس جب تک کوئی
 روایت یا خبر یا حدیث ایسی نہیں کیجاے جو اصول روایت اور روایت کی روش صحیح ہو تب تک
 کوئی قول کسی مفسر کا اور کوئی روایت کسی تفسیر کی صرف اس بنا پر کہ وہ تفسیر میں درج ہے
 قابل استدلال نہیں ہو سکتا۔

تفسیر کے سوا اکثر حدیث کی کتابوں میں بھی حضرات امامیہ روایتیں پیش کرتے ہیں۔ گویا بات
 یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حدیث کی کتاب میں بھی اعتبار صحت کے لحاظ سے ایک درجے کی نہیں
 ہیں۔ سوائے صحاح ستہ کے جتنی کتابیں حدیث کی کہلائی جاتی ہیں ان کی نسبت محققین کا یہ
 قول ہے کہ عموماً انکی حدیثیں نہ قابل عمل ہیں نہ لائق نقل۔ الا ان لوگوں کے لئے جو ہمارا احوال سے

واقعہ اور علل احادیث سے آگاہ اور بڑے محقق ہیں کہ وہ انہیں سے متانیات اور فتوہ ہر کرنے سکتے
 ہیں۔ اور یہ بھی دن مسانید اور جوامع اور مصنفات کا حال ہے جو کج کاری و مسلم کے زمانے سے پہلے
 اور ان کے بعد تصنیف کی گئیں۔ اور جنہیں صحیح اور حسن۔ ضعیف اور معروہ۔ غریب اور شاذ۔ منکر
 اور خطا۔ صواب اور ثابت اور مقلوب سب بھری ہوئی ہیں۔ مثل مسند ابو نعیم اور مصنف عبدالرزاق
 اور مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید اور طرابلسی اور کتب بعضی اور طحاوی اور طبرانی
 کے کہ ان کے مصنفین کا یہ ارادہ تھا کہ جو کچھ پائین جمع کر دیں نہ اس کی تہنیک کریں اور نہ تہذیب و تہیص۔
 بلکہ یہ کام دوسروں کے لئے چھوڑ دیں۔ ان کے علاوہ حدیث کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے
 بعد زمانہ دراز کے تصنیف کا ارادہ کیا اور جو کچھ صحاح ستہ میں نہ پایا اور سے جمع کیا۔ اور جو مسانید
 اور جوامع چھپے پڑے تھے انہیں سے روایتیں لیکر اکٹھا کریں۔ اور یہ حدیثیں اس قسم کی تھیں جو
 زبانون پر لوگوں کے جاری تھیں مگر محدثین نے انہیں اعتنائیں کی اور ان کو نہیں لیا۔ اور انہیں سے
 اکثر حدیثیں غیر محتاط اور کفینے والے دعا بیان کرتے تھے۔ یا اہل ہوا اور اہل بدعت اور ضعیف اہل
 کرتے رہتے تھے۔ یا صحابہ اور تابعین کے آثار اور بنی اسرائیل کے اخبار اور حکماء اور واعظین کے
 کلام تھے جنکو روایوں نے سہواً یا عمدتاً ہمیشہ میں ملا دیا۔ یا وہ معانی جو کتاب اور سنت کے اشارات
 سے سمجھے گئے تھے انکو عمدتاً حدیث قرار دیا۔ چنانچہ اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان اور
 کامل بن عدی اور خطیب اور ابونعیم اور جزقانی اور ابن عساکر اور ابن بخار اور ویلی اور مسند خوارزمی
 میں پائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کا یہ حال ہے کہ سب سے عمدہ اور صحیح حدیثیں انکی وہ ہیں جو ضعیف
 ہیں اور سب سے بدتر وہ ہیں جو موضوع یا مقلوب اور منکر ہیں۔ اور انہیں کتابوں کا مادہ کتاب
 موضوعات ابن جوزی میں ملتا ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کے علاوہ اور وہ حدیثیں ہیں جو فقہاء
 اور صوفیہ اور مورخین وغیر ہم کی زبانون پر تھیں اور ان کے سب سے مشہور ہو گئیں جنکی کوئی آہنی

جامع تھا۔ اوس نے ابن علقمی ذریعہ معتصم باللہ کے خوش کرنے اور اوس کے کتب خانے کے واسطے شرح نوح البلاغت لکھی۔ اور اوسمیں گننام کتابوں اور غیر محقق مسنفون کی تصنیفات سے وہ جھوٹی اور نامعتبر روایتیں جن جن کو جمع کیں جس سلسلہ سے کتابوں اور موروثی طور پر مندرجہ ذیل روایتوں کے اعتراضات اور مقامات کو تقویت ہو۔ ابن علقمی اسکا بڑا مددگار اور دوست تھا اور اس نے اس کتاب کے صلہ میں ایک لاکھ دینار اور بہت بڑا خلعت فاخرہ ابن ابی عمیر کو دیا۔ اور ابن علقمی معمولی شیعہ نہ تھا بلکہ ایسا غالی شیعہ اور دشمن سنیوں کا تھا کہ اوس نے صرف مذہبی تعصب کی وجہ سے عباسیہ کی خلافت کو غارت کیا۔ اور ہلاکو کو پوشیدہ دعوت دیکر بغداد پہلے حملہ کرنے کے لئے بلایا۔ اور خلیفہ کو دھوکا دیکر اوس کے پاس لے گیا اور اوس سے معہ علماء اور امرائے شیعہ کر دیا۔ ابن ابی عمیر کی کتاب اگرچہ نہایت جامع اور عالمانہ ہے اور خود ابن ابی الحدید نہایت قابل اور بڑا اویس تھا مگر مذہب تشیع کا حامی تھا۔ کسی غالی اور متعصب شیعہ نے بھی اپنے مذہب کے لئے غالباً اس قدر مواد بہم نہ پہنچایا ہوگا جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اس کتاب سے ماہ جمع کر دیا۔ اسی کی وہ کتاب ہے کہ اوس کے زمانے سے لیکر اب تک اوس سے حضرات امامیہ روایتیں پیش کرتے ہیں اور استناد و استدلال فرماتے ہیں۔ اور ایسے اہل بدعت اور مخالف مذہب کو سنیوں کے اکابر علماء میں سے قرار دیکر اوسکی روایتوں کو ہمارے مقابلے میں پیش کرتے ہیں۔ شروع سے کتاب کا حوالہ ہوگا اور اوسکی جھوٹی اور غلط روایتیں ہمارے مقابلے میں باہمی جانیشلی جانچنا ہمارے اس کتاب کے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ مطاعن صحابہ میں ابن ابی الحدید ہی کی اہل سنت کے نام سے پیش کی گئی ہیں بڑا حقیقہ اور نکاحا اسی ابن ابی الحدید کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ مگر روایت اور روایت کے اصول کو جاننے والے اور صحیفوں کے حسرت اور غلطی کے

پر لکھنے والے دعوہ کا ثبوت کیا جاسکتا ہے اور وہ وضعی حدیثوں اور جھوٹی روایتوں کو واسطی طرح رد کر سکتے ہیں
 بسطی طرح تخریج کو سزا دے گا کہ اس سے جدا کر دیا ہے۔ اس لئے کہ محدثین نے ہر حدیث کے متعلق سند
 بیان کرنے اور راویوں کے نام لکھنے سے قیامت تک ہر شخص کے لئے تفتیح اور تحقیق کا دروازہ
 کھول دیا ہے اور جھوٹ اور سچ میں تمیز کر دینے کا ذریعہ مہیا کر دیا ہے۔ اس لئے جو حدیث یا روایت
 ہمارے سامنے پیش کی جائے تو ضرور سمجھیں کہ ہم اول اس بات پر نظر کریں کہ وہ حدیث از روے اصول
 روایت صحیح ہے یا نہیں۔ اگر جھگڑا معلوم ہو کہ اس حدیث کے بیان کرنے والوں میں سے کوئی ایک
 راوی بھی جھوٹا یا غیر معتبر ہے یا اہل بدعت جس نے اپنے زعم کی حمایت میں اس حدیث کو روایت
 کیا ہو تو ہم اس کو ناہین کے اور اس سے مخالف کا استدلال کرنا جائز ہوگا۔ اس لئے کہ حدیث اور
 روایت خبر ہے اور خبر میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اور کذب کے احتمال دور کرنے
 کے لئے ضرور ہے کہ اس کے بیان کرنا لے ثقہ۔ متدین۔ اور صادق القول ہوں۔ پھر اگر وہ خبر
 اتنی سندوں اور اتنے طریقوں سے بیان کی گئی ہو کہ عادتاً ان کا اجتماع کذب پر محال ہو۔ اور ابتدا
 سے انتہا تک اس کے راویوں میں سے کسی ایک ہوں جن سے روایت میں غلطی اور شبہ پیدا
 ہوتا ہے تو وہ صحیح کے اعلیٰ درجے میں سمجھی جائے گی۔ اور اسی قسم کی خبر کو متواتر کہتے ہیں۔ او
 صرف اسی قسم کی حدیثیں مفید علم و یقین ہوتی ہیں۔ اور اوپر اعتقاد کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے
 و ہوالذی یضطر الا انسان الیہ لکہ اس قسم کی حدیثیں بہت کم ہیں جیسا کہ ابن صلاح نے
 کہا ہے مثال المتواتر علی التفسیر المتقدم بعز وجودہ الا ان یدعی ذلك فی حدیث
 من کذب علی متعمداً فلیتدیواً مقعداً من النار اور اگر وہ خبر اتنی سندوں اور اتنے
 طریقوں سے بیان کی گئی ہو کہ اس کے راوی نہایت ثقہ اور نہایت معتبر اور نہایت متدین ہوں اور
 کم سے کم دو طریقوں سے بیان کی گئی ہو تو اس میں بھی صدق کی جانب کو غلبہ ہوگا اور ایسی خبر

اصطلاح میں مشہور کہی جاتی ہے اور وہ روایت قابل ماننے کے ہوگی۔ اور اگر وہ خبر اتنی سندوں اور اتنے طریقوں سے جس پر اطلاق متواتر یا مشہور کا ہو سکے بیان نکلی گئی ہو تو وہ اگر متصل السند سیر متصل ہو اور اسکے راوی ضابط اور متصف بصفات ذوق ہوں تو گو وہ مفید علم و یقین نہ ہوگی بلکہ اس سے صرف افادہ ظن ہوگا مگر اسے بھی صحیح سمجھیں گے۔ اور اس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ لیکن اصول عقائد میں بوجہ اسکے کہ عقائد کے لئے یقین ضروری ہے وہ بنا بر عقائد نہ ہوگی۔ اور حدیث کے سب راوی چھوڑ دیے گئے ہوں یا کوئی راوی چھوڑ دیا گیا ہو اور چھوڑ دینا بیان کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو یا کوئی راوی بوجہ من وجہ الطعن مطعون ہو تو وہ حدیث مطعون سمجھی جاگی۔ اس لئے کہ اس میں احتمال اس بات کا ہے کہ جو راوی چھوڑ دیا گیا ہے شاید صحابی ہو یا تابعی۔ اور اگر تابعی ہے تو احتمال ہے کہ وہ ضعیف ہو یا ثقہ۔ سوائے اسکے اگر کوئی راوی ایسا ہو جو جھوٹا ہو۔ یا حدیث کو جان بوجھ کر جھوٹی روایت کرتا ہو۔ یا متم کذب ہو۔ یعنی گو خود حدیث کو عمدتاً بنا کر نہ روایت کرتا ہو مگر جھوٹ اس کا اور طرح پر معلوم ہو یا کثرت سے غلطی کرتا ہو۔ یا محتاط نہ ہو۔ یا غفلت کرتا ہو۔ یا فاسق ہو یا ذہبی۔ یا اسکی مخالفت ثقافت بائی جاتی ہو۔ یا اہل بدعت سے ہو۔ یا مافظہ کا اچھا نہ ہو۔ ایسے راوی کی بیان کی ہوئی حدیث عمدتاً کے قابل نہ ہوگی بلکہ اگر وہ مطعون کذب ہو تو وہ حدیث موضوع ہے۔ اور اگر وہ متم کذب ہے تو وہ حدیث متروک ہے۔ اور اگر وہ روایت میں بہت غلطی یا غفلت کرتا ہو۔ یا اس فاسق ظاہر ہو ہو تو وہ حدیث منکر ہے۔ اور جو مبہم ہو تو اسکی حدیث غیر مقبول ہے۔ اسلئے کہ شرط قبول خبر کی راوی کی عدالت ہے۔ اور جب اسکا نام مبہم ہو اور معلوم نہ ہو کہ کون ہے تو اسکی عدالت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ اور کیونکر اسکی خبر قبول کی جا سکتی ہے۔ اور اسی لئے مرسل حدیث علی الاصح قبول نہیں کی جاتی۔

اوروں کے پاس نہیں ہے۔ اور جسکے مضمون کا جاننا نام مکلفین کو نہایت ضروری ہے۔
 یا ایسے عظیم الشان واقعہ کا بیان ہو جسکے نقل کر نیکی بہت سے لوگوں کو ضرورت ہے یا
 ایسا بیان ہو جسکو اتنی بڑی جماعت نے جھٹلایا ہے جنکا جھوٹ پر اتفاق کرنا اور ایک
 دوسرے کی تقلید کرنا عا دة ناممکن ہے تو یہ سب فریے روایت کے بنوع ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔
 مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ نے عجاہہ نافعہ میں فرمایا ہے کہ علامات وضع حدیث
 و کذب راوی چند چیز است۔ اول آنکہ خلاف تاریخ مشہور روایت کند۔ دوم آنکہ راوی
 ارضی باشد و حدیث در طعن صحابہ روایت کند و یا ناصبی باشد و حدیث در مطاعن اہل بیت
 باشد و علی ہذا اکتیاس۔ سوم آنکہ چیزی روایت کند کہ بر جمیع مکلفین معرفت آن و عمل بر آن
 فرض باشد و او منفرد بود بر روایت۔ چہارم آنکہ وقت و حال قرینہ باشد بر کذب او نہجیم آنکہ
 مخالف مقتضای عقل و شرع باشد و قواعد شرعیہ آنرا تکذیب نمایند ششم آنکہ در حدیث
 تشبہ باشد از امر حسنی واقعی کہ اگر بالحقیقہ متحقق مے شد ہزاران کس آنرا نقل میکردند مقہم
 رکاکت لفظ و معنی مثلاً لفظے روایت کند کہ بر قواعد عمود دست نشود یا معنی کہ مناسب
 شان نبوت و وقار نباشد۔ ہشتم افراط در وعید شدید بر گناہ صغیر یا افراط در وعدہ
 عظیم بر فعل قلیل۔ نہم آنکہ بر عمل قلیل ثواب حج و عمرہ ذکر نماید۔ دہم آنکہ کسی از عاملان
 خیر ثواب انبیاء موعود کند۔ یازدہم خود اقرار کردہ باشد بوضع احادیث۔
 امام بخاری نے فریح المغیث میں ابن جوزی سے حدیث کے موضوع ہونے کی
 یہ نشانیاں لکھی ہیں۔ اول جو حدیث کہ عقل اوسکے مخالف ہو اور اصول کے متناقض
 ہو۔ دوم ایسی حدیث کہ حس اور مشاہدہ اوسکو غلط قرار دیتا ہو۔ سوم وہ حدیث جو کہ
 مخالف ہو قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے۔ چہارم جسمین تھوڑے کام پر وعید

شدید یا اجر عظیم کا وعدہ ہو۔ حجج رکاکت معنی اوس روایت کی جو بیان کی گئی۔ سب سے کاکت معنی سخت
 راوی کی ہفتہ منفرد ہونا راوی کا۔ ہجرت منفرد ہونا ایسی روایت میں جو تمام کلفین سے متعلق ہو۔
 نم ایسی بڑی بات ہو جس کے نقل کرنے کی بہت سی ضرورتیں ہوں۔ وہم جس کے جھوٹ ہونے
 پر ایک گروہ کثیر متفق ہو۔ یہ اصول و روایت کے جو شاہ عبدالعزیز صاحب م نے بیان کئے ہیں
 کچھ اونکے ذاتی خیالات نہیں ہیں نہ اونہوں نے قائم کئے ہیں بلکہ اکثر ہمارے محققین کا اسی پر
 عمل رہا ہے۔ اور جبکہ کوئی حدیث قرآن مجید یا عقل یا اصول اور عقائد مسلمہ کے مخالف باہی گئی
 ہے تو اسے مجروح اور مطروح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ امام رازی نے فرمایا ہے کہ بعضوں نے
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کیا کہ حضرت ابراہیمؑ انہیں جھوٹ بولے
 مگر تین مرتبہ۔ تو میں نے جواب دیا کہ ایسی حدیثوں کو نہ ماننا چاہیے تو کہنے والے نے براہ انکار
 کہا کہ اگر ہم نہ مانیں تو راویوں کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اسپر میں نے جواب دیا کہ اگر ہم مانیں تو حضرت
 ابراہیمؑ کی تکذیب کرنی پڑتی ہے۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کو کذب کی نسبت سے بجا بہتر ہے
 چند نامعتبر راویوں کی طرف جھوٹ کے منسوب ہونے سے۔ امام ابو حنیفہ م سے ابو مطیع لٹھی نے
 پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اوس حدیث کی نسبت جو لوگوں نے روایت کی ہے کہ جب مومن زنا
 کرتا ہے تو ایمان اوسکے سر سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ قمیص بدن سے۔ آیا اس حدیث کے
 راویوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں یا شک یا تکذیب فرماتے ہیں۔ اگر تصدیق کرتے ہیں تو آپ کا
 اعتقاد مثل خوارج کے ہوا جاتا ہے اور اگر آپ شک کرتے ہیں تو خوارج کے قول میں شک رہتا
 ہے اور اگر آپ تکذیب کرتے ہیں تو اون بہت سے راویوں کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے
 بسند اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ تو امام نے جواب دیا کہ میں اون
 سب راویوں کی تکذیب کرتا ہوں اور میرا جھٹلانا اون لوگوں کو اور رد کرنا اون کے قولوں کا کچھ تکذیب

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ اس لئے کہ کذب قول پیغمبر کی یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں پیغمبر خدا کے قول کو نہیں جانتا لیکن جبکہ وہ یہ کہے کہ میں ہر بات پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے ایمان رکھتا ہوں۔ اور اسکی تصدیق کرتا ہوں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ کوئی بات پیغمبر خدا نے خلاف قرآن شریف کے نہیں فرمائی تو یہ حقیقت میں تصدیق پیغمبر کی اور تصدیق قرآن کی ہے۔ اور اس سے تنزیہ اور پاکی آنحضرت صلعم کی مخالفت قرآن سے ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر پیغمبر خدا خلاف قرآن کے کچھ کہتے تو خدا کب چھوڑتا۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کا نبی ایسی بات کہے جو مخالف خدا کی کتاب کے ہو۔ اور جو مخالف خدا کی کتاب کا ہو وہ کیونکر خدا کا نبی ہو سکتا ہے۔ پس یہ حدیث نفع ایمان کی زنا ہے جو لوگوں نے روایت کی ہے خلاف ہے قرآن کے۔ پس ایسے آدمیوں کے قول کو رد کرنا جو پیغمبر خدا صلعم کی طرف ایسی بات منسوب کریں جو مخالف ہو قرآن کے پیغمبر کی بات کا ذکر کرنا نہیں ہے اور نہ اونکی تکذیب ہے بلکہ حقیقت میں وہ رد ہے اور اسکے قول کا جو کہ پیغمبر کی طرف سے ایک باطل بات کو نقل کرتا ہے۔ اور آنحضرت پر تہمت لگانا ہے اور ہم ہر بات کو پیغمبر خدا کی خواہ بہنے سنی ہو یا نہ سنی ہو بس جہنم قبول کرتے ہیں اور او سہرا ایمان رکھتے ہیں۔ اور شہادت دیتے ہیں کہ وہ بات ایسی ہی ہوگی جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہو لیکن اس طرح پر ہم یہ شہادت دیتے ہیں کہ کوئی بات آنحضرت صلعم نے خلاف قرآن کے نہیں فرمائی۔ نہ کسی ایسی چیز کا حکم دیا جسے نہ مانع کر دیا ہو۔ نہ کسی ایسی چیز کو جو کجا کیا جسکے ملانے کا اللہ نے حکم کیا ہو۔ اور نہ کسی چیز کی ایسی صفت بیان کی جو مخالف بیان خدا کے ہو۔ اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا ہر قول موافق تھا خدا سے عزوجل کے اور اسی لئے خدا نے فرمایا ہے کہ سب سے اطاعت کی رسول کی اور سب سے اطاعت کی خدا کی یہ نہ خیال کیا جائے کہ حدیث کی غیر معتبر کتابوں میں جو روایتیں درج ہیں ان میں سے یہ اصول مستعمل ہوں گے بلکہ حدیث کی تمام کتابوں پر اس کا اعلان ہوگا۔ اس لئے کہ صحاح میں تصنیف

حدیثین درج بہن وہ سب صحت کے ایک درجے پر نہیں ہیں بلکہ اونسکے درجات مختلف ہیں۔
 جیسا کہ خود اون کتابوں کے دیکھنے اور اونکی شرحوں کے ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ بیان تک کہ
 بخاری اور مسلم جوامع الکتب سمجھی جاتی ہیں اونکی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ انہ صحیح علیٰ خلافِ ضعفہ وغلبۃ
 ظنہ واما السہو والنسیان فمن لوازم طبع الانسان اور نیز اونکی بعض حدیثوں اور
 بعض راویوں میں کلام کیا گیا ہے۔ جیسا کہ محققین نے بیان کیا ہے کہ بخاری نے چار سو اور کچھ
 اوپر تیس آدمیوں سے روایت کی ہے جو مسلم میں نہیں ہیں۔ اور انہیں سے اسی شخص ایسے ہیں
 جنکے ضعف کی نسبت کلام کیا گیا ہے۔ اور چھ سو میں آدمیوں سے مسلم نے روایت کی ہے جو بخاری
 میں نہیں ہیں اور اون میں سے ایک سو ساٹھ آدمی ایسے ہیں جنکے ضعیف ہونے کی نسبت گفتگو کی گئی ہے۔
 اور کمرہ نے جو روایت ابن عباس سے کی ہے وہ بھی بخاری میں داخل ہے اور مسلم میں ابوازیہ
 عن جابر اور سہیل عن ابیہ اور علاء بن عبدالرحمن عن امیہ اور حاد بن سلمہ عن ثابت سے جو روایتیں ہیں
 اونکے راوی ضعیف خیال کئے گئے ہیں۔ اور ایسی حدیثیں جنہیں کوئی علت باہمی گئی ہے وہ صحیحین
 میں دو سو دس ہیں۔ انہیں سے بخاری کی حدیثیں اسی سے کم ہیں باقی مسلم کی حدیثیں ہیں (دیکھو
 مقدمہ فتح الباری) اسی لئے لا علی قاری نے کتاب رجال میں لکھا ہے وما یقولہ الناس
 ان من روى الشیخان فقد جاز القنطرة هذا ایضاً من التجاہل فقد روی مسلم فی کتابہ
 عن الیث عن ابی مسلم وغیرہم الضعفاء فیقولون انہا روی عنہم فی کتابہ للاعتبار
 والشواہد المتابعات وهذا لا یقوی لان الحفاظ قالوا الاعتبار امور متعارفون
 بہا حال الحدیث و کتاب مسلم التزم فیہ الصحۃ فیکف یتعرف حال الحدیث
 الذی فیہ بطرق ضعیفۃ الی قولہ وروی مسلم ایضاً حدیث الاسراء فیہ
 وذلك قبل ان یوحی الیہ وقد تکلم الحفاظ فی ہذا القصة و بیانوا ضعفها الی قولہ وقد

قال الحافظ ان مسلماً لما وضع كتابه الصحيح عرضه على ابي زرعة فانكر عليه
وتغيط وقال سميت الصحيح وجعلته مسلماً لاهل البدع وغيرهم انتهى والحاصل
انه صحيح على ظن مصنفه وغلبة ظنه واما السهو والنسيان فمن لوازم طبع الانسان
وقد ابى الله الا ان يصح كتابه لقوله انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون -

اور صاحب ازالہ الغین نے بھی فرمایا ہے کہ اگر کتب محدثین چنان بوضوح می انجامد کہ بعد از
تفتیح و تحقیق در صحت یعنی از روایات صحیح بخاری کلام مست و مجہول و بعضی روایات صحیح مسلم - قبل ازین گزشتہ
کہ آن روایات کہ اہل حدیث در صحت آن قبل و قال دارند بر چند نقل قلیل است مگر در صحیح نامے زیادہ
از اول است و برین قدر اکتفا نمی توان کرد زیرا کہ انادہ بن اثیر در صدر جابجاء الاصول بابیکہ فرع ثالث
در طبقات مجروحین قرار داده است دلالت بران دارد کہ بعضی از مضامین خود اقرار کرده اند کہ حدیث
فک ساخته بر شاخ بغداد خوانیم ہمہ با قبول کردند مگر ابن ابی شیبہ علوی کہ او بعلت جعل اقرہ الی برد
ہرگز قبول نکرد عبارت آن مقام این است و منہم قوم وضعوا الحدیث لہوی یدعون
الناس الیہ فمنہم من تاب عنہ واقر علی نفسہ قال شیخ من شیوخ الخوارج بعد ان تاب ان
ہذا الاحادیث دین فاطروا من تاخذون دینکم فاناکنا اذا ہوننا امر اصیرناہ حدیثا وقال
ابوالعبینا وضعت انا والجا حظ حدیث فداک وادخلناہ علی الشیوخ بیغداد فقبیلوہ الا
ابن ابی شیبہ العلوی فانہ قال لا یشبہ اخر ہذا الحدیث اولہ وابی ان یقبلہ تم بلفظہ
اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں جہاں کہ شیخ ابن صلاح کے اس قول کو کہ کہ تمام
محدثین صحیحین کی قطعی الصدور ہیں رو کیا ہے یہ کہا ہے ہذا الذی ذکر الشیخ فی ہذا
الموضع خلاف ما قالہ المحققون والا کثرون فانہم قالوا الحدیث الصحیحین
التي ليست بمنزلة انما یفید الظن فانہا الاحاد والاحاد انما یفید الظن علی ما تقریر

ولافرق بین البخاری ومسلم وغیرہما فی ذلک الی ان قال ولا یلزم من اجمل الامة
 علی العمل بما فیہما اجماعہم علی انہ مقطوع بانہ کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
 یعنی شیخ ابن صلاح نے جو یہ بیان ذکر کیا وہ اکثر محدثین اور محققین کے خلاف ہے اسلئے کہ محققین کا
 قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں متواتر نہیں ہیں بلکہ احاد ہیں اور احاد سے افادۂ ظن ہوتا ہے۔ اور
 اس باب میں بخاری اور مسلم وغیرہ سب کتب حدیث میں کچھ فرق نہیں۔ یہاں تک کہ امام نووی نے
 کہا کہ صحیحین کی حدیثوں پر عمل کرنے کو جو امت نے اجمل کیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت کا
 اس امر پر بھی اجماع ہے کہ وہ احادیث قطعی الصدور اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعی کلام ہے۔
 اور اسی لئے جو حدیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لکھی ہو مخالف ما استقر فی شریعۃ الاسلام کے
 ہو وہ باتفاق بہت وہم راوی کے محکوم علیہ مطلق ہوگی یا ماول۔ جیسا کہ علامہ رشید الدین مرحوم نے
 شوکت عمریہ میں لکھا ہے کہ جب تک مخالف ما استقر فی شریعۃ الاسلام سے اتفاق شیعہ سننی یا محکوم
 علیہ مطلق سے بہت وہم راوی یا ماول سے جتنا کہ امام نووی در شرح صحیح مسلم در شرح ابن حدیث
 (حدیث صحیح مسلم کا ظاہر ادالت بقرح بعض اصحاب کبار دارد) نقل عن القاضی عیاض عن المازری سے فرمایا
 واذا انسدت طرقنا ویلہا نسبنا الکلذب الی روا تھا۔

اور اگرچہ صحیحین میں اونکی جامعین بخاری و مسلم نے جہاں تک کہ انسانی طاقت سے ہو سکتا ہے
 صحیح حدیثوں کے جمع کرنے میں بے انتہا کوشش فرمائی۔ اور اسی لئے تمام کتابوں میں اونکا درجہ
 اعلیٰ اور افضل ہے۔ مگر آخر وہ بھی بشر تھے اور اپنے اقران و امثال سے تصحیح حدیث میں گوسے سبقت
 لگنے اسلئے جاے اجتہاد مجتہدین اور تحقیق محققین باقی ہے۔ جیسا کہ منتهی الکلام میں لکھا ہے کہ آخر
 این بزرگان ہم از جملہ بشر بودہ اند گو در تصحیح حدیث بغایت قصوی کوشیدہ باشند سیما محمد بن اسماعیل
 بخاری کہ او درین امور گوی سبقت از اقران و امثال ر بودہ لیکن باز ہم جاے اجتہاد مجتہدین باقی

مگر یاد نہ ارا می کہ در بارہ چند سے از روالتش بعضی از علما و فقہا بحث دارند و شارحین در جواب آن
 و جوہر نقل می کنند کہ بعضی از ان خالی از غزابت نیست۔ اور یہ امام لیبید از قیاس بھی نہیں ہے
 اس لئے کہ وضعی حدیثوں کے علاوہ اور بھی قدرتی اسباب ایسے ہیں جنکی وجہ سے روایات میں
 اختلاف پڑتا اور اونکے صحت میں شک ہونا ممکن الوقوع ہے۔ چنانچہ اسکے آٹھ اسباب
 محققین نے بیان کئے ہیں۔ اول حدیث کے مطلب کی غلط فہمی۔ دوسرے حدیث کے معنی
 سمجھنے میں دو راویوں کے باہم اختلاف یعنی ایک ہی حدیث کے ایک کچھ معنی سمجھے اور ایک
 نے کچھ تیسرے حدیث کا مطلب گو کون سے صاف صاف بیان کر نہ کی عدم قابلیت۔ چوتھے
 راوی کے حافظے کا تصور کہ یا تو اس سے کسی حدیث کا کوئی جزو چھوٹ گیا یا وہ مختلف حدیث
 باہم غلط ملط ہو گئیں۔ پانچویں راوی کا کسی جزو حدیث کی تفصیل کا بیان کرنا اس غرض سے کہ
 سننے والا باسانی اور کسو سمجھ جائے لیکن سننے والے نے ازراہ غلطی اس تفصیل کو بھی حدیث
 کا جزو سمجھا۔ چھٹے راوی نے اپنی گفتگو میں جناب پیغمبر خدا صلعم کے چند کلمات بیان کئے
 اور سننے والوں نے اس کے تمام کلام کو حدیث سمجھ لیا۔ ساتویں وہ اختلاف جو زبانی روایات کے
 سلسلہ سے خود بخود عارض ہوتا ہے۔ آٹھویں مختلف حالات جن میں کہ راوی نے آنحضرت صلعم کو
 دیکھا تھا یا کچھ فراتے سنا تھا یا کرتے دیکھا تھا۔

اور اسی لئے اصول فقہ میں قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ العقل شہد بان خیر الواحد
 العدل لا یوجب الیقین لان احتمال الکذب قائم وان کان مرجوحاً ولا لزم القطع
 بالنقیضین عند اخبار العدلیین بھا وان خالف خبر الواحد جمیع الاقیسۃ لا یقبل
 عندنا وذلك لان النقل بالمعنی کان مستفیضاً فیہم فاذا اصر فقہ الراوی لم یؤمن
 ان یدھب شیء من معانیہ فیدخلہ شبہاً زائداً تخلوعتها القیاس۔

اور امام مسلم نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 شیخ زبیر بن عابدی نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔

انہیں میں سے کسی ایک کے قول کو مان لیا جائے تو ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔

اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔
 اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو انہوں نے ہر ایک حدیث کو دو بار پڑھا ہوتا۔

اور چونکہ اخبار میں شک کرنا بظاہر عدالت صحابہ پر شبہ کرنا سمجھا جاتا ہے اس لئے عدالت صحابہ کی نسبت ہمارے محققین نے کہا ہے فان قيل عدالة جميع الصحابة ثابتة بلا شك والاحاديث الواردة في فضائلهم فقلنا ذكر بعضهم ان الصحابي اسم لمن اشتهر بطول صحبة النبي على طريق التتابع له والاخذ منه وبعضهم انه اسم لمومن راي النبي سواء طالت صحبته ام لا الا ان الجزم بالعدالة مختص بمن اشهر بذلك والباقيون كسائر الناس فيهم عدول وغير عدول۔

اور اخبار امارا کی نسبت جبکہ عقلا اور نقلیہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ وہ مفید یقین نہیں ہے تو ضرور ہے کہ جو خبر معارض کتاب یا سنت مشہورہ اور اجماع امت کے ہو وہ بلاخلاف و خیالات کے جو اوپر بیان کئے گئے روایوں کے غیر مشتبہ ہو سکی صورت میں بھی مقبول ہوگی۔ اس لئے کہ یقین ظن سے زائل نہیں ہو سکتا۔ فکیف يعتبر خبر الواحد في معارضة الكتاب والسنة المشهورة واجماع الامة وكل حديث يخالف كتاب الله فانه ليس بحديث الرسول وانما هو مفتري وكذلك كل حديث يعارض دليل الاقوى منه فانه منقطع عن علي السليمان لان الادلة الشرعية لا يناقض بعضها بعضا وانما التناقض من الجهل المحض۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرنیکے لائق ہے کہ جرح و تعدیل روایات کی صحت اخبار شریعیہ کی صحت کے لئے ضروری ہے تاکہ اوس سے ظن اوس خبر کی صحت پر ہو جائے۔ اور تکالیف شریعیہ ظنی خراباً پر واجب ہو سکتی ہیں۔ لیکن واقعات اور مسائل عقیدہ میں جرح و تعدیل روایات کی بھی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ یہ نہ معلوم ہو کہ وہ خبر فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اگر اوس کا حال ہونا ثابت ہو تو تعدیل و ترجیح فضول ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایسی خبر متواتر بھی ہو تو وہ موجب یقین ہوگی کما قال فی التلویح ثم المتواتر لا بد ان يكون مستندا الى المحس سمعا او غيره حتى لو اتفق اهل القليم على مسئلة عقلية

لو میحصل لنا الیقین حتی یقوم البرهان۔ وقال ابن خلدون فی مقدمہ تاریخہ ولا یجوز الی تعدیل الروایۃ حتی یعلم ان ذلک الخبر فی نفسه ممکن او ممتنع واما اذا کان مستحیلاً فلا فائدۃ للنظر فی التعدیل والتجریح ولقد عدا اهل النظر من الظاعن فی الخبر استحالة مدلول اللفظ وتاویلہ ان یاول بما لا یقبلہ العقل واما کان التعدیل والتجریح هو المعتبر فی صحۃ الاخبار الشرعیۃ لان معظمها تکالیف انسانیۃ او جب الشارع العمل بها حتی حصل الظن بصدقها وسبیل صحۃ الظن الثقب بالروایۃ بالعدالة والضبط واما الاخبار عن الواقعات فلا ید فی صدقها وصحتها من اعتبار المطابقة فلذلک وجب ان ینظر فی امکان وقوعه وصادقہ یا کذلک اہم من التعدیل ومقدما علیہ اذا فائدۃ الاستثناء مقبوسۃ منہ فقط وفائدۃ الخبر منہ ومن الخارج بالمطابقة واذا کان ذلک فالقانون فی تمييز الحق من الباطل فی الاخبار بالامکان والاستحالة ان ننظر فی اجتماع البشري الذی هو العمران ویمیز ما یلحق من الاحوال لذاته وبمقتضی طبعہ وما یكون عارضا لاعتدایہ۔

غالبا اخبار اور روایتوں کے متعلق جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس سے دیکھ کر حضرات امامیہ یہ فرما دیں کہ اگر تو تاریخ اور تفسیر اور حدیث کی کتابوں کا یہ حال ہے کہ انہیں لکھی ہوئی کوئی خبر ایسی نہیں ہے جس میں احتمال غلطی کا نہ ہو اور کوئی خبر حاد مفید یقین نہیں ہے اور بہت سی حدیثیں او گون سے بنا کر مشہور کر دی ہیں تو پھر سنہیون کی کسی کتاب کا کچھ اعتبار نہ ہے گا۔ اور چونکہ انہیں کتابوں پر خصوصاً حدیث کی کتب پر اونکے مذہب کا مدار ہے اور شریعت کی بنیاد او سب قائم ہے تو خود سنہیون کے بیان سے وہ بنیاد منہدم ہوتی ہے۔ اور مرہ خود اپنی کتابوں کو آپ غلط بتاتے ہیں چنانچہ بعض علماء امامیہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اور صاحب استقصا نے بھی جا بجا صراحتاً و اشارتاً

یہ لحد کیا ہے۔ مگر یہ کہنا اور نکالنا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ کوئی کتاب قرآن مجید کی طرح آسمان سے تو نازل ہوئی نہیں۔ اور جبریل امین خدا کی طرف سے لائے نہیں۔ اور صاحب الوحی نے اسے وحی فرما کر ہم تک پہنچایا نہیں اس لیے کوئی کتاب کتاب اللہ کی طرح صحت اور یقین کے درجے پر پہنچ نہیں سکتی۔ بعد کتاب اللہ کے جہان تک انسان کی کوشش سے ممکن ہے وہاں تک صحیح حدیثوں کے جمع کرنے میں اور وضعی حدیثوں کے قبول نہ کرنے میں صحاح ستہ کے مصنفین نے کوشش کی اور تاہم ان کا بشری صحیح حدیثوں کو جمع کیا خصوصاً امام بخاری و مسلم نے اور حافظ ابان بخاری نے۔ اور اسی لئے اگر وہ کثیر نے علما کے اوکلی صحت کو تسلیم کیا اور اسے بعد کتاب اللہ کے تمام کتابوں سے زیادہ صحیح سمجھا۔ مگر یہ امر کہ حدیث اوکلی مفید یقین ہو یا کوئی راوی اس کا مشتبہ نہ ہو ایسا دعویٰ کرنا گویا اونکی کتاب کو خدا کی کتاب کے برابر سمجھنا ہے۔ اور اگر باوجود کمال رحمت اور تکلیف جو انھوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں اٹھائی اگر بعض ضعیف حدیثیں اونکی کتاب میں مرجع ہو گئیں یا بعض ایسے راویوں کی روایت انھوں نے قبول کی جنہیں کلام کیا گیا ہے تو اس سے اونکی شان میں کچھ فرق نہیں آسکتا اور اونکی کتابیں جس قدر منزلت کے لائق ہیں اور میں کمی نہیں ہو سکتی۔ نہ اس سے کوئی شبہ اونکی کتاب پر ہو سکتا ہے۔ اور نہ باوجود موجود ہونے ایسی مستبر کتابوں کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری مذہبی کتابیں اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ بلکہ جو شدت اور سختی حدیثوں اور اخبار کے قبول کرنے اور اوکلی صحت کی تحقیق اور تفریح میں ہمارے محدثین نے فرمائی ہے اور جس صفائی اور زور کے ساتھ غلط اخبار اور ضعیف احادیث اور زید و عمر کی کتابوں پر جرح کی ہے اس سے ثبوت اسکا ہوتا ہے کہ وہ مذہب کے بچے اور نیت کے پاک اور صداقت کے جوہان اور حق کے متلاشی اور باطل سے متنفر تھے۔ اور مذہب کی بنیاد مستحکم اصول پر قائم کرنے والے تھے اگر ہم انہیں روایتوں کی تحقیق اور اخبار کے قبول کرنے میں ایسا سخت نہ پاتے اور اونکا تساہل اور تسامح مذہبی دہی نہیں

دیکھتے تو ہمارا یقین اپنے ذہب کے استحکام پر ایسا نوتا جیسا کہ اب ہے۔ ہمارے محدثین اور محققین کی تحقیق اور تفتیح نے ہم پر یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا ذہب اسی استحکم بنیاد پر قائم ہے جس میں کسب طریح غفل نہیں آسکتا۔ کَشْحَرًا طَيِّبَةً أَحْصَلَهَا نَائِبٌ وَفَرَعَهَا فِي السَّمَاءِ ۝

لیکن کیا حال ہو گا حضرت امامیہ کے ذہب کا اگر بعض وضعی حدیثوں اور غلط روایتوں کے ہونے سے کسی ذہب کے تمام کتابیں غلط اور اسکے تمام محدثین اور مجتہدین غیر معتبر سمجھے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ جب اسی نظر سے جس ہمارے علمائے اپنے یہاں کی کتابوں کو لکھا ہے وہ اپنے یہاں کی کتابوں کو دیکھیں گے

اگر ہمارے یہاں سے بڑھکر ان کے یہاں کی کتابیں زیادہ قابل اعتراض نہ سمجھی جائیں تو کسی حالت میں اس سے کم تو نہ ہوگی۔ بلکہ اگر ادب ملحوظ نہ ہو تو بہت بڑا حصہ ان کی حدیثوں کی کتابوں کا خصوصاً جو امامت سے متعلق ہے صرف قرآن اور عقل کی مخالفت کی وجہ سے غیر قابل اعتبار ثابت کیا جاسکتا ہے۔

مگر میں ادب کے دائرے سے قدم باہر رکھنا اور اپنے اثنا عشری دوستوں کو اسکے بیان سے رنجیدہ اور شرمندہ کرنا پسند نہیں کرتا اس لئے ضروری باتوں پر کفایت کرتا ہوں اور یہ بات دیکھنا تاہوں کہ نسبت کتابوں کے غیر معتبر ہونے اور چھوٹی حدیثوں کے بنا۔ نے اور ائمہ پر

تمت کرنے اور مایوں کے حالات تحقیق کرنے اور جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھنے اور اخبار احاد کے مفید یقین نہونے اور ان اخبار کے جو مخالف قرآن اور عقل اور عقائد مسلمہ کے ہوں قابل قبول نہونے اور دیگر باتوں کے جس کا ذکر عننے اوپر کیا ہے علماء امامیہ نے کیا فرمایا ہے۔

ما علی ظہرانی کتاب توضیح المقال فی علم الرجال میں متعلق حدیثوں اور مایوں کے یہ فرماتے ہیں کہ مراد حدیث سے وہ ہے جسکی سند کا سلسلہ رسوخدا یا کسی امام تک منتہی ہو۔

چونکہ احکام شرعی کا استنباط موقوف ہے احادیث کے دیکھنے پر اس لئے ضرور ہے کہ احادیث کی صحت تحقیق کیجائے تاکہ اس سے مسائل کا استنباط اور اسپر عمل کرنا جائز ہو۔ اور یہ بات

۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

ضرور ہے کہ اگر یا تمام حدیثوں میں احتمال وضع موجود ہے گو یہ احتمال بعض حدیثوں میں قرآن
 خارجیہ کے سبب سے بہت کم ہے لیکن اس احتمال کے دور کرنے کے لئے ضرور ہے کہ تمام
 حدیثوں میں رفع شک کے لئے اس علم کی طرف رجوع کی جائے۔

راویوں کے حالات دریافت کرنے اور علم الرجال سے واقف ہونے کے لئے مؤلف موصوف
 نے جہاں اور بہت سی دلیلین بیان کی ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اگلے اور پچھلے علما کی سیر سے
 پایا جاتا ہے کہ وہ رجال بہ کثرتا میں لکھتے تھے اور او کی تدوین و تخریج کرتے تھے۔ اور ان کتابوں کو
 حاصل کرتے اور اپنے مطالعے میں رکھتے۔ اور راویوں کے حالات دریافت کرنے کے لئے ان کی طرف
 رجوع کرتے۔ تو کیا کوئی سمجھ دار آدمی اس بالکل ایسا کہ یہ فعل اد نکالنا یا مکروہ یا حرام متبادلہ ظاہر
 ہوتا ہے کہ اس علم کی طرف احتیاج بہت زیادہ اور راویوں کے حالات سے واقف ہونا نہایت
 ضرور ہے۔ اور کیوں نہ ہو اسی سے اطمینان باطن حاصل ہوتا ہے اور احکام پر جو احادیث سے
 مستنبط کئے جاتے ہیں۔ اور نیز محدثین کی سیرت میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ سلسلہ روایت کا ہر
 کے متعلق بیان کرتے ہیں اور ابتدا سے تا زمانہ تالیف کتب اربعہ انہوں نے اس بات کا اہتمام
 کیا ہے کہ ہر حدیث کے تمام راویوں کو نام بنام بیان کریں یہاں تک کہ اگر کوئی بیچ بین سے چھوڑ
 دیا گیا ہو تو اس کا دوسری جگہ ذکر کر دیں تاکہ ارسال اور قطع اور رفع جو صحت حدیث اور اعتبار
 منافی ہے ظاہر ہو جائے اور اس سے اد نکالنا احتراز ثابت ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ سب
 صرف اس لئے وہ کرتے تھے کہ جو ان کی کتابوں کی طرف رجوع کرے اور ان کے حالات کو اپنی
 مقدور کی موافق دریافت کرے تو وہ تمیز کرے کہ کون سا راوی ایسا ہے جسکی روایت لینے
 کے لائق ہے اور کون سا چھوڑنے کے قابل۔ اگر یہ مقصود نہ ہوتا اور راویوں کے حالات دریافت
 کرنے کے بعد حدیثوں کی کتابوں کی تدوین کی ضرورت نہ ہوتی تو محدثین کی یہ ساری کارروائی لغو اور
 فوہر ہوتی۔

میں ان کتابوں میں جو احادیث ہیں جن سے احکام مستنبط کیے گئے ہیں ان کے متعلق اس قدر لکھا ہے کہ ان کے راویوں کے حالات سے واقف ہونا نہایت ضرور ہے۔ اور کیوں نہ ہو اسی سے اطمینان باطن حاصل ہوتا ہے اور احکام پر جو احادیث سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔ اور نیز محدثین کی سیرت میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ سلسلہ روایت کا ہر کے متعلق بیان کرتے ہیں اور ابتدا سے تا زمانہ تالیف کتب اربعہ انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہر حدیث کے تمام راویوں کو نام بنام بیان کریں یہاں تک کہ اگر کوئی بیچ بین سے چھوڑ دیا گیا ہو تو اس کا دوسری جگہ ذکر کر دیں تاکہ ارسال اور قطع اور رفع جو صحت حدیث اور اعتبار منافی ہے ظاہر ہو جائے اور اس سے اد نکالنا احتراز ثابت ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ سب صرف اس لئے وہ کرتے تھے کہ جو ان کی کتابوں کی طرف رجوع کرے اور ان کے حالات کو اپنی مقدور کی موافق دریافت کرے تو وہ تمیز کرے کہ کون سا راوی ایسا ہے جسکی روایت لینے کے لائق ہے اور کون سا چھوڑنے کے قابل۔ اگر یہ مقصود نہ ہوتا اور راویوں کے حالات دریافت کرنے کے بعد حدیثوں کی کتابوں کی تدوین کی ضرورت نہ ہوتی تو محدثین کی یہ ساری کارروائی لغو اور فوہر ہوتی۔

میں ان کتابوں میں جو احادیث ہیں جن سے احکام مستنبط کیے گئے ہیں ان کے متعلق اس قدر لکھا ہے کہ ان کے راویوں کے حالات سے واقف ہونا نہایت ضرور ہے۔ اور کیوں نہ ہو اسی سے اطمینان باطن حاصل ہوتا ہے اور احکام پر جو احادیث سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔ اور نیز محدثین کی سیرت میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ سلسلہ روایت کا ہر کے متعلق بیان کرتے ہیں اور ابتدا سے تا زمانہ تالیف کتب اربعہ انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہر حدیث کے تمام راویوں کو نام بنام بیان کریں یہاں تک کہ اگر کوئی بیچ بین سے چھوڑ دیا گیا ہو تو اس کا دوسری جگہ ذکر کر دیں تاکہ ارسال اور قطع اور رفع جو صحت حدیث اور اعتبار منافی ہے ظاہر ہو جائے اور اس سے اد نکالنا احتراز ثابت ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ سب صرف اس لئے وہ کرتے تھے کہ جو ان کی کتابوں کی طرف رجوع کرے اور ان کے حالات کو اپنی مقدور کی موافق دریافت کرے تو وہ تمیز کرے کہ کون سا راوی ایسا ہے جسکی روایت لینے کے لائق ہے اور کون سا چھوڑنے کے قابل۔ اگر یہ مقصود نہ ہوتا اور راویوں کے حالات دریافت کرنے کے بعد حدیثوں کی کتابوں کی تدوین کی ضرورت نہ ہوتی تو محدثین کی یہ ساری کارروائی لغو اور فوہر ہوتی۔

یقین حاصل کرتے ہیں اور ظن اور تقلید کو اصول دین میں جائز نہیں رکھتے اور دلائل عقلیہ سے یقین حاصل کرنے کے بعد عینکے مزید اطمینان اور ترقی و ترقی مارج یقین کے بطور تاجید اور دیگر فوائد کے سمعیات متواترہ کو یعنی اون اخبار کو جو لفظاً یا معنماً متواتر ہوں ذکر کرتے ہیں اور وہ راوی فاسد العقیدہ ہو۔ اور اسی وجہ سے جناب شیخ الطائفہ نے راویان فاسد العقیدہ کے اخبار پر عمل کیا ہے۔ اور خبر واحد کو بوسطہ ثقافت مروی ہوا عقائدات میں حجت اور کافی نہیں سمجھتے۔ اور فرعون میں بر چند ہمارے بعضے علمائے یہ اختیار کیا ہے کہ ہر مسئلے کا اجماعی یا مستفاد متواتر یا باخوذ از کتاب و دلیل عقل ہونا ضرور ہے لیکن ہمارا عمل اسپر ہے کہ اگر خبر واحد ہو اور راوی اون کے ثقہ ہوں اور شرط دیگر سے مقرون ہو تو عمل خبر واحد پر بھی واجب ہے۔ پھر جناب موصوف نے اپنے مذہب کا یہ اصول بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی خبر بظاہر خلاف ہوا میں امر کے جس پر اجماع منعقد ہوا ہو تو ضرور ہے کہ وہ خبر یا اول ہوگی یا مطروح۔ اور اسی اصول کی بنا پر وہ اون روایات کو جو زرارہ اور ہشام وغیرہ کی مذمت میں ہیں مردود اور غلط سمجھتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں کہ بلا شہد کچھ حدیثیں ہمارے مذہب میں ایسی ہیں کہ جنہے ایسے بزرگوں کا مقدوح ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ راوی اس قسم کے اخبار کے ضعیف اور مجرب و حین تھے اور نیز اس قسم کی حدیثیں اون حدیثوں کے معارض ہیں جو نہایت قوی ہیں اور جنہے ہا مینہ کا اجماع ہے۔ اس لیے ہمارے علمائے اس قسم کی حدیثوں کو معرض اعتبار سے ماقط بچھا ہے۔ اور پھر یہ فرماتے ہیں کہ عقل اس بات پر شاہد ہے کہ باوجود اخبار جرح کے کہ جو ایسے بزرگوں کے عقین بیان کی گئی ہیں۔ ہمارے علمائے عقیدے میں جو ان بزرگوں کی جلالت شان کے بابت تھے کچھ خلل نہوا۔ اور کسی نے باوجود مشاہدہ کثرت اختلاف کے اون کا خلاف نکلیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا سبب صرف یہ ہے کہ اون کی بزرگی اور کمال کا آفتاب اون کی

نظر و عین روشن تھا اور نہ اگر فرقہ حقہ امامیہ سواد میں کوئی مشام وغیرہ کے ابو الخطاب کی طرح فاسد
 العقیدہ شمار کریں تب بھی اونکے عقائد حقہ کی بنیاد میں جو بیخ قاہرہ اور برابریں باہرہ پر قائم بننے میں
 ہو سکتا۔ اور چونکہ ہم امامت اور فضائل علی بن ابی طالب اور اونکی اولاد کے ثابت نہیں کرتے
 ہیں مگر خدا کی کتاب کے جسکی صحت ضروریات اسلام سے ہے یا احادیث متفق علیہا سے یا عقلی دلائل
 سے۔ پس اگر ہشتم اور محمد بن مسلم جیسے ہزار آدمی بالفرض محمد بن اور فاسقین سے ہوں تب بھی
 اونکے اعتقاد میں کچھ خلل نہیں آسکتا۔

پھر فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا مذہب ہو گا کہ بعضے روایات بے اصل یا ماؤل اوس
 مذہب میں نہ ہوں پس دیندار و فہم مندوں کو چاہیے کہ ایسی حالت میں کوئی قاعدہ اور ضابطہ رکھتے ہوں
 جس سے اثنا، جدال اور مخصوصہ میں باہر نہ جائیں۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ احتجاج اور الزام خصم پر
 اوس بات سے کریں جو اوسکے مذہب کے خلاف اوس مذہب کی کتابوں میں لکھا ہو۔ اور اوس
 مذہب کے راوی اور علمائے جو کچھ بیان کیا ہو وہ مسلم الثبوت طرفین کا ہو۔ یا یہ کہ اوسکا ثبوت
 تو اترا پر ہو کہ جس میں جھوٹ کا احتمال اہل انصاف کے نزدیک نہ پایا جائے۔

جناب موصوف حسام میں نسبت اخبار احاد کے فرماتے ہیں کہ خبر واحد اگر بے معارف کے
 بھی ہو تب بھی ظنی ہے۔ اعتقادات کے اصول میں اوس سے تمسک کرنا جائز نہیں بلکہ
 محققین شیعہ امامیہ کے نزدیک مثل ابن زہرہ اور ابن اوریس اور شریف مرتضیٰ اور اکثر قبائل کے
 وہ قابل احتجاج نہیں۔ اور متاخرین نے اسی مذہب کو اختیار کیا ہے اور اسی لئے اونھوں
 اخبار احاد کا دلائل میں شمار نہیں کیا بلکہ اوسکے رد کو ضروری سمجھا ہے خصوصاً اعتقاد استہین کے۔
 اور نسبت تردید یا تاویل اون احادیث کے جو مخالف اولہ شریعہ کے ہوں آپ فرماتا
 ہیں کہ جو کچھ اہل اہل ائمہ دین سے منقول ہے وہ سب جھوٹ اور بہتان ہے۔ اور رو رو

دوسری جگہ سے لے کر پہلی جگہ تک
 عقائد اور اصولوں کے متعلق
 ۱۱۱

باوجود اہل اسلام کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔
 عقائد و روایات کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔
 عقائد و روایات کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔

گو نون کے موضوعات سے ہے۔ اور یا یہ کہ ائمہ نے فرمایا ہوگا لیکن اس کی کوئی تاویل ضرور ہوگی اس لئے کہ یہ خبر معارض ہے اون اولہ شرعیہ کے جو اس سے اقرمی ہیں۔
 پھر صفحہ ۳۱ میں فرماتے ہیں کہ کوئی فرقہ بالک وگمراہ ایسا نہ ہوگا کہ کوئی آیت اور حدیث نبوی ظاہر اس کے مذہب کے موافق نہ ہو۔ پس اگر صرف معارض کا پایا جانا بطلان مذہب کی دلیل ہو تو لازم آتا ہے کہ مذہب اسلام بالکل باطل ہو۔ اور محمد کفار کی مانند مستحق طعن و تشنیع ہو۔ ان اگر کوئی باوجود قوت معارض کے جانب ضعیف کو اختیار کرے تو اسکو مورد طعن و تشنیع کر سکتے ہیں۔
 پھر صفحہ ۲۵ میں فرماتے ہیں کہ غرض کہ معلوم ہو گیا کہ امامیہ کی بنا، اعتقادات و اخبار احاد پر نہیں ہے۔ ابن بابویہ نے اپنی کتاب اعتقادات میں اعتقادات امامیہ کے اصول کو جنکی بنا آیات اور احادیث متواترہ اور اجام اہل بیت اور اون اولہ عقلیہ پر ہے جن کا ثبوت ہو گیا ہو نہ کو کر کیا ہے۔ اور کتب احادیث میں موافق عادت محدثین کے اخبار احاد کو جس طرح پر کہ ما ثور ہوئی ہوں درج فرمایا۔ اور یہ امر لازمی نہیں ہے کہ محدثین جو کچھ روایت کریں اس کے موافق وہ عقائد بھی رکھتے ہوں۔
 پھر صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں کہ درود ہوا ہی احادیث کا جو ظاہر میں مختلف ہیں مخصوص کسی ایک فرقے اہل اسلام سے کہ جنکے پاس کتب احادیث و خبر ہوں نہیں ہیں اسلئے کہ علماء اسلام نے احادیث مختلف کا طریق جمع اور وجوہ تہجج دو حدیثوں متعارض کو دوسری حدیث پر کتب جدول وغیرہ میں مدون اور بیان کر دیا ہے۔ پس اگر ابن بابویہ کا مجرد روایات مختلف کا بیان کرنا محل طعن و تشنیع ہو تو تمام محدثین اہل اسلام محل طعن و تشنیع کے ہونا چاہئیں۔
 پھر صفحہ ۳۸ میں فرماتے ہیں کہ کسی نے محدثین میں سے عام و خاص کے یہ التزام نہیں کیا کہ جو کچھ کتاب حدیث میں روایت کرے اس کی مدلول ظاہری کے مطابق معتقد اور عامل بھی ہو

عقائد و روایات کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔
 عقائد و روایات کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔
 عقائد و روایات کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔

عقائد و روایات کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔
 عقائد و روایات کے ساتھ ہونے کے باوجود وہ عقائد و روایات ہیں جو صحیح عقائد و روایات سے مختلف ہیں۔

سوال نمبر ۱۱۳
دری بند

بلکہ در صورت تناقض حدیث کے ادلہ شرعیہ کے ساتھ کو اوس حدیث کو خود روایت کیا ہو جو کچھ بمقتضای ادلہ شرعیہ کے راجح ہو اور سپر عمل کرتے ہیں۔

جناب مولانا سید محمد مجتہد ضریح مدیریہ میں فرماتے ہیں کہ مکملین و مجتہدین امامیہ اصول دین میں دلائل قطعیہ پر اکتفا کرتے ہیں اور بس۔ ظن و تقلید اور سیمین جائز اور روایت نہیں رکھتے۔ اور اصول دین میں اخبار احاد پر اکتفا نہیں کرتے۔ اور اس باب میں سب قسم کی حدیثیں صحیح ہوں یا حسن قوی ہوں یا ضعیف برابر ہیں۔ اور فروع دین میں اوکا اعتبار ضروریات دین و مذہب کی باتوں میں یقین پر ہے اور بس۔ نہ اخبار احاد پر۔ اور سوائے اسکے ظن پر مگر نہ مطلق ظن پر بلکہ جو چار دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے وہ ظن حاصل ہوا ہو یعنی کتاب یا سنت یا اجماع یا عقل۔ اور در صورت تناقض کے صحیح کو ضعیف پر ترجیح دیتے ہیں اور تناقض نمونہ کی حالت میں اگر ضعیف عمل اصحاب مذہب کے موافق ہو تو اوپر ترجیح ادا کرتے ہیں۔ اور یقینی ہونا ہر ایک خبر کا اخبار کتب الہیہ سے (یعنی حدیث کی اون جا کتابوں سے جو اونکے بیان صحاح صحیحی تابی ہیں) ثبوت ہے اور نہ اوس کا دعویٰ کیا گیا اور ہمارے یہاں حدیث کی ان چار کتابوں کا حال سنوون کی صحاح ستہ کے چہارے موافق نہیں ہے کہ اگر کوئی اونکی صحت پر طعن کرے تو طلاق واقع ہو۔ اور نہ فریقہ امامیہ کا عمل اپنی حدیثوں پر معاوضات اور ترجیحات سے قطع نظر کر کے ہے۔ بلکہ ابو غرور اور حجت اور ملاحظہ اطراف و جوانب اور دریافت حالات راویوں کے ہے۔ اور ان تمام باتوں پر غور کر نیکے بعد وہ اکتفا کے عمل پر اکتفا کرتے ہیں اور جرح اور طرح کے مقاصد پر جرح طرح کرتے ہیں اور جہان تاویل کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تاویل۔ اور اونکی ترجیح اور عمل کے وجہ ایک راہ اور ایک سبب پر منحصر نہیں ہیں۔ اور جو روایتیں مش

سوال نمبر ۱۱۳
دری بند
جناب مولانا سید محمد مجتہد ضریح مدیریہ میں فرماتے ہیں کہ مکملین و مجتہدین امامیہ اصول دین میں دلائل قطعیہ پر اکتفا کرتے ہیں اور بس۔ ظن و تقلید اور سیمین جائز اور روایت نہیں رکھتے۔ اور اصول دین میں اخبار احاد پر اکتفا نہیں کرتے۔ اور اس باب میں سب قسم کی حدیثیں صحیح ہوں یا حسن قوی ہوں یا ضعیف برابر ہیں۔ اور فروع دین میں اوکا اعتبار ضروریات دین و مذہب کی باتوں میں یقین پر ہے اور بس۔ نہ اخبار احاد پر۔ اور سوائے اسکے ظن پر مگر نہ مطلق ظن پر بلکہ جو چار دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے وہ ظن حاصل ہوا ہو یعنی کتاب یا سنت یا اجماع یا عقل۔ اور در صورت تناقض کے صحیح کو ضعیف پر ترجیح دیتے ہیں اور تناقض نمونہ کی حالت میں اگر ضعیف عمل اصحاب مذہب کے موافق ہو تو اوپر ترجیح ادا کرتے ہیں۔ اور یقینی ہونا ہر ایک خبر کا اخبار کتب الہیہ سے (یعنی حدیث کی اون جا کتابوں سے جو اونکے بیان صحاح صحیحی تابی ہیں) ثبوت ہے اور نہ اوس کا دعویٰ کیا گیا اور ہمارے یہاں حدیث کی ان چار کتابوں کا حال سنوون کی صحاح ستہ کے چہارے موافق نہیں ہے کہ اگر کوئی اونکی صحت پر طعن کرے تو طلاق واقع ہو۔ اور نہ فریقہ امامیہ کا عمل اپنی حدیثوں پر معاوضات اور ترجیحات سے قطع نظر کر کے ہے۔ بلکہ ابو غرور اور حجت اور ملاحظہ اطراف و جوانب اور دریافت حالات راویوں کے ہے۔ اور ان تمام باتوں پر غور کر نیکے بعد وہ اکتفا کے عمل پر اکتفا کرتے ہیں اور جرح اور طرح کے مقاصد پر جرح طرح کرتے ہیں اور جہان تاویل کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تاویل۔ اور اونکی ترجیح اور عمل کے وجہ ایک راہ اور ایک سبب پر منحصر نہیں ہیں۔ اور جو روایتیں مش

سوال نمبر ۱۱۳
دری بند
جناب مولانا سید محمد مجتہد ضریح مدیریہ میں فرماتے ہیں کہ مکملین و مجتہدین امامیہ اصول دین میں دلائل قطعیہ پر اکتفا کرتے ہیں اور بس۔ ظن و تقلید اور سیمین جائز اور روایت نہیں رکھتے۔ اور اصول دین میں اخبار احاد پر اکتفا نہیں کرتے۔ اور اس باب میں سب قسم کی حدیثیں صحیح ہوں یا حسن قوی ہوں یا ضعیف برابر ہیں۔ اور فروع دین میں اوکا اعتبار ضروریات دین و مذہب کی باتوں میں یقین پر ہے اور بس۔ نہ اخبار احاد پر۔ اور سوائے اسکے ظن پر مگر نہ مطلق ظن پر بلکہ جو چار دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے وہ ظن حاصل ہوا ہو یعنی کتاب یا سنت یا اجماع یا عقل۔ اور در صورت تناقض کے صحیح کو ضعیف پر ترجیح دیتے ہیں اور تناقض نمونہ کی حالت میں اگر ضعیف عمل اصحاب مذہب کے موافق ہو تو اوپر ترجیح ادا کرتے ہیں۔ اور یقینی ہونا ہر ایک خبر کا اخبار کتب الہیہ سے (یعنی حدیث کی اون جا کتابوں سے جو اونکے بیان صحاح صحیحی تابی ہیں) ثبوت ہے اور نہ اوس کا دعویٰ کیا گیا اور ہمارے یہاں حدیث کی ان چار کتابوں کا حال سنوون کی صحاح ستہ کے چہارے موافق نہیں ہے کہ اگر کوئی اونکی صحت پر طعن کرے تو طلاق واقع ہو۔ اور نہ فریقہ امامیہ کا عمل اپنی حدیثوں پر معاوضات اور ترجیحات سے قطع نظر کر کے ہے۔ بلکہ ابو غرور اور حجت اور ملاحظہ اطراف و جوانب اور دریافت حالات راویوں کے ہے۔ اور ان تمام باتوں پر غور کر نیکے بعد وہ اکتفا کے عمل پر اکتفا کرتے ہیں اور جرح اور طرح کے مقاصد پر جرح طرح کرتے ہیں اور جہان تاویل کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تاویل۔ اور اونکی ترجیح اور عمل کے وجہ ایک راہ اور ایک سبب پر منحصر نہیں ہیں۔ اور جو روایتیں مش

سوال نمبر ۱۱۳
دری بند
جناب مولانا سید محمد مجتہد ضریح مدیریہ میں فرماتے ہیں کہ مکملین و مجتہدین امامیہ اصول دین میں دلائل قطعیہ پر اکتفا کرتے ہیں اور بس۔ ظن و تقلید اور سیمین جائز اور روایت نہیں رکھتے۔ اور اصول دین میں اخبار احاد پر اکتفا نہیں کرتے۔ اور اس باب میں سب قسم کی حدیثیں صحیح ہوں یا حسن قوی ہوں یا ضعیف برابر ہیں۔ اور فروع دین میں اوکا اعتبار ضروریات دین و مذہب کی باتوں میں یقین پر ہے اور بس۔ نہ اخبار احاد پر۔ اور سوائے اسکے ظن پر مگر نہ مطلق ظن پر بلکہ جو چار دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے وہ ظن حاصل ہوا ہو یعنی کتاب یا سنت یا اجماع یا عقل۔ اور در صورت تناقض کے صحیح کو ضعیف پر ترجیح دیتے ہیں اور تناقض نمونہ کی حالت میں اگر ضعیف عمل اصحاب مذہب کے موافق ہو تو اوپر ترجیح ادا کرتے ہیں۔ اور یقینی ہونا ہر ایک خبر کا اخبار کتب الہیہ سے (یعنی حدیث کی اون جا کتابوں سے جو اونکے بیان صحاح صحیحی تابی ہیں) ثبوت ہے اور نہ اوس کا دعویٰ کیا گیا اور ہمارے یہاں حدیث کی ان چار کتابوں کا حال سنوون کی صحاح ستہ کے چہارے موافق نہیں ہے کہ اگر کوئی اونکی صحت پر طعن کرے تو طلاق واقع ہو۔ اور نہ فریقہ امامیہ کا عمل اپنی حدیثوں پر معاوضات اور ترجیحات سے قطع نظر کر کے ہے۔ بلکہ ابو غرور اور حجت اور ملاحظہ اطراف و جوانب اور دریافت حالات راویوں کے ہے۔ اور ان تمام باتوں پر غور کر نیکے بعد وہ اکتفا کے عمل پر اکتفا کرتے ہیں اور جرح اور طرح کے مقاصد پر جرح طرح کرتے ہیں اور جہان تاویل کی ضرورت ہوتی ہے وہاں تاویل۔ اور اونکی ترجیح اور عمل کے وجہ ایک راہ اور ایک سبب پر منحصر نہیں ہیں۔ اور جو روایتیں مش

امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ خدا مجھے آپ پر خدا کرے اس اختلاف کا جو آپ کے شیعوں میں ہے کیا سبب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انسا اختلاف فیض کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں کو فنی کے محدثین کے حلقے میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ان کے اختلاف احادیث میں شک ہوتا ہے پھر میں فضل بن عمر کے پاس آتا ہوں تو وہ مجھے اس امر سے آگاہ کرتے ہیں جس سے میرا نفس مطمئن با جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں جیسا تم کہتے ہو اب تو یہ نہیں ہے لوگوں نے ہم پر جھوٹ بولنے کی بہت زیادتی کر رکھی ہے۔ گویا خدا نے جھوٹ کو اوپر فرض کر دیا اور ان سے سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں چاہتا میں کسی سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے جدا بھی نہیں ہوتا کہ اس کی تاویل اصل تاویل کے علاوہ اگر لیتا ہے۔ اور یہ بات موجود ہے کہ لوگوں کو ہماری حدیث اور ہماری محبت سے اللہ مطلوب نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ وہی رئیس ہو کر پکارا جائے۔ اور اسی کے قریب داؤد بن مرجان کی روایت ہے۔ اور نوادر حکمت کے رجال میں سے بہت سے لوگوں کو تمہیں کا استننا کرنا معروف ہے۔ اور ابن ابی العوجا کا قصہ یہ ہے کہ اونے اپنے قتل ہونیکے وقت کہا کہ میں نے مختاری کتا بونہیں چاہتا ہزار حدیثیں ملا دی ہیں جو رجال میں مذکور ہیں۔ اور ایسے ہی یہ ہے کہ یونس بن عبدالرحمن ذکر کرتے ہیں کہ میں نے صحابہ صادقین میں سے بہت سی حدیثیں لیں اور پھر اونکو ابو الحسن نام رضا کے سامنے پیش کیا تو اونہوں نے بہت سی حدیثوں سے انکار کیا۔ اور سو اس کے اور بہت سے شواہد ہیں جو شیخ کے اس فقرے کے خلاف ہیں۔“

اس کتاب میں جہاں اثبات محبت خبر و احمد میں عقلی دلائل کا بیان کیا ہے کتابوں کے نکتے ہوئے پر بغیر سماعت کے بھروسہ کرنے اور نیز احادیث کے بنانے اور وضع

کرتے اور جہتوں کو کتابوں میں کی نسبت لکھا ہے کہ اسمین شک نہیں کہ جو شخص
 احوال روایت نہ کرے کہ وہ اکثر اخبار بلکہ کل کو سوائے شاذ و نادر کے ائمہ سے صاف
 ہونا نہ پائے گا۔ اور یہ بات اس وقت معلوم ہوگی جبکہ اخبار کے ہم تک پہنچنے اور ارباب
 کتب یعنی مشائخ ثلاثہ اور جو ان سے پہلے ہیں ان کے اہتمام کی کیفیت میں تامل کرے۔ کہ جو
 کچھ ان مورخوں نے اپنی کتب میں لکھا ہے اس کی کیا چھٹیج کی ہے۔ اور صرف کتاب سے
 دیکھ کر روایت کے لینے پر اکتفا نہیں کیا اور نہ اس کو اپنی تصانیف میں داخل کیا اس وقت
 سے کہ اس کتاب میں بعض کذاب لوگوں نے کچھ ملا دیا ہو۔ احمد بن محمد بن میسر کی یہ حکایت
 ہے کہ وہ حسن بن وشاک کے پاس آئے اور ان سے علاء بن فرین اور ابان بن عثمان
 احمر کی کتاب میں طلب کین۔ جب حسن نکال کر لائے تو احمد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ انکا
 سماع کروں تو حسن نے جواب دیا کہ تمھیں ایسی جلد ہی کیا ہے انکو لیجاؤ اور لکھ لو۔ اور پھر
 یہ کہا کہ خدا تم پر رحم کرے تم انکو لیجاؤ اور لکھو اور جو شخص میرے بعد ہو اس سے بڑھ لینا
 ۔ احمد نے کہا کہ میں نے اسے کہا کہ یہ جھوٹ سے مامون نہیں ہیں۔ حسن نے کہا کہ اگر
 مجھے معلوم ہوگا کہ حدیث کی ایسی طلب ہوگی تو میں بہت سی حامل کر لیتا ہوں نے اسی مسجد میں
 سو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ سب یہ کہتے تھے کہ مجھ سے محمد بن جعفر سے یہ حدیث بیان
 کی ہے۔ اور محمد بن ایوب بن نوح سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے پاس کئی قرآن
 جن میں بن سنان کی حدیثیں تھیں۔ ایوب نے کہا کہ اگر تم لوگ جاہلو لکھ لو میں نے خود تم
 بن سنان سے لکھی ہیں لیکن میں اس کی روایت تم سے نہ کروں گا اس لئے کہ اس نے اپنے
 مرنے سے پہلے کہا تھا کہ جس قدر حدیثیں میں نے تم سے بیان کی ہیں ان میں نہ سماع ہے
 اور نہ روایت بلکہ میں نے انکو لکھا ہوا پایا تھا۔ دیکھو روایت کرنے میں اس شخص سے

کتابوں میں کی نسبت لکھا ہے کہ اسمین شک نہیں کہ جو شخص
 احوال روایت نہ کرے کہ وہ اکثر اخبار بلکہ کل کو سوائے شاذ و نادر کے ائمہ سے صاف
 ہونا نہ پائے گا۔ اور یہ بات اس وقت معلوم ہوگی جبکہ اخبار کے ہم تک پہنچنے اور ارباب
 کتب یعنی مشائخ ثلاثہ اور جو ان سے پہلے ہیں ان کے اہتمام کی کیفیت میں تامل کرے۔ کہ جو
 کچھ ان مورخوں نے اپنی کتب میں لکھا ہے اس کی کیا چھٹیج کی ہے۔ اور صرف کتاب سے
 دیکھ کر روایت کے لینے پر اکتفا نہیں کیا اور نہ اس کو اپنی تصانیف میں داخل کیا اس وقت
 سے کہ اس کتاب میں بعض کذاب لوگوں نے کچھ ملا دیا ہو۔ احمد بن محمد بن میسر کی یہ حکایت
 ہے کہ وہ حسن بن وشاک کے پاس آئے اور ان سے علاء بن فرین اور ابان بن عثمان
 احمر کی کتاب میں طلب کین۔ جب حسن نکال کر لائے تو احمد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ انکا
 سماع کروں تو حسن نے جواب دیا کہ تمھیں ایسی جلد ہی کیا ہے انکو لیجاؤ اور لکھ لو۔ اور پھر
 یہ کہا کہ خدا تم پر رحم کرے تم انکو لیجاؤ اور لکھو اور جو شخص میرے بعد ہو اس سے بڑھ لینا
 ۔ احمد نے کہا کہ میں نے اسے کہا کہ یہ جھوٹ سے مامون نہیں ہیں۔ حسن نے کہا کہ اگر
 مجھے معلوم ہوگا کہ حدیث کی ایسی طلب ہوگی تو میں بہت سی حامل کر لیتا ہوں نے اسی مسجد میں
 سو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ سب یہ کہتے تھے کہ مجھ سے محمد بن جعفر سے یہ حدیث بیان
 کی ہے۔ اور محمد بن ایوب بن نوح سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے پاس کئی قرآن
 جن میں بن سنان کی حدیثیں تھیں۔ ایوب نے کہا کہ اگر تم لوگ جاہلو لکھ لو میں نے خود تم
 بن سنان سے لکھی ہیں لیکن میں اس کی روایت تم سے نہ کروں گا اس لئے کہ اس نے اپنے
 مرنے سے پہلے کہا تھا کہ جس قدر حدیثیں میں نے تم سے بیان کی ہیں ان میں نہ سماع ہے
 اور نہ روایت بلکہ میں نے انکو لکھا ہوا پایا تھا۔ دیکھو روایت کرنے میں اس شخص سے

بہ نسبت اتفاق سے نہیں سنا بلکہ کتابوں میں لکھا پایا کیسی احتیاط کرتے تھے۔ اور ایک شاہد ہر مکمل کتاب کافی ہے کہ علی بن حسن بن فضال اپنے باپ کی کتابوں کو اپنے باپ سے نہیں واپس کرتے باوجودیکہ انھوں نے باپ کے ساتھ مقابلہ کیا تھا بلکہ اپنے بھائیوں احمد و محمد سے اور وہ باپ کے روایت کرتے ہیں اور علی نے اسکا یہ عندربیان کیا کہ جس روز انھوں نے حدیث کا مقابلہ اپنے باپ کے ساتھ کیا تھا تو وہ صغیر سن تھے اور انکو روایات کی معرفت اچھی طرح نہ تھی اسلئے انھوں نے دوبارہ اپنے بھائیوں سے پڑھا غرضکہ ظاہر یہ ہے کہ محدثین کا دار مدار حدیث کا خود صاحب کتاب ہے یا وہ سب جسے صاحب کتاب نے سنا۔ پس وہ حدیث کو نہ بیان کرتے تھے مگر جب تک کہ خود نہ سنا ہو اگرچہ سنا صاحب کتاب سے کئی واسطوں سے ہو۔ اور نیز یہ کہ جس شخص کی نسبت سننے کی صاحب کتاب سے معلوم ہوتی تھی او سپر او کو اطمینان اور نہایت وثوق ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اون واسطوں کا اتباع تصحیح حدیث اور تردید میں کرتے تھے جیسے کہ صدوق کو اپنے شیخ ابن ولید کے ساتھ اتفاق ہوا۔ اور کبھی وہ اون واسطوں پر وثوق کرتے تھے اگر کچھ بھی تدریح اون میں معلوم ہوتا اور انکی صدق میں کچھ بھی خلیت قدرح کو ہوتی۔ اسی لئے ایک جماعت محدثین سے منقول ہے کہ وہ روایت کرتے تھے ایسے شخص سے جو صفا سے روایت اور مرسل اعتماد کرتا ہو اگرچہ وہ فی نفسہ ثقہ ہو۔ جیسے کہ برقی کی نسبت اتفاق ہوا۔ بلکہ ایسے شخص سے بھی روایت میں اترا کرتے تھے جو قیاس پر عمل کرتا ہو۔ باوجودیکہ معلوم ہے کہ عمل کو روایت میں کچھ دخل نہیں۔ جیسے اسکانی کی نسبت اتفاق ہوا۔ جہاں کہ او اسکے ترجمے میں ذکر کیا ہے کہ وہ قیاس کو جائز سمجھتے تھے تو اس سبب انکی روایات جھوٹ دی گئیں۔ اور ایسے شخصوں کی روایت میں توقف کرتے تھے جو پہلے مذہب حق پر تھے

اور پھر اس سے عدول کر کے اگرچہ اونکی روایات و کتب حالت استقامت کی ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ اونکی اجازت امام یا نائب امام دین جیسے امام عسکری سے لوگوں نے کتب بنی فضا کا حال پوچھا اور یہ کہا کہ ہمارے گھر او سکی کتابوں سے بھرے پڑے ہیں تو اونھوں نے اونکو اجازت دی اور شیخ ابو القاسم بن روح سے کتب ابن غافر کا حال دریافت کیا جنکو اونسے قبل مذہب شیعہ سے مرتد ہونیکے تصنیف کیا تھا۔ شیخ نے اونکو اونپر عمل کرنے کی اجازت دی۔

غرض یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں یعنی زمانہ امام رضا علیہ السلام سے جو کچھ اہتمام ہمارے علمائے متقیخ خیار میں کیا ہے او سکی امارات بے تعدا ہیں۔ اور شیخ کرزبوالے کو ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اور اس شدت اہتمام کا باعث یہ تھا کہ یہ روایات اسائن اور قوم شریعت سید المرسلین میں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی لیے امام نے ایک جماعت روات کی شان میں کہا ہے کہ اگر یہ لوگ نموتے تو آثار نبوت مٹ جاتے۔ اور لوگوں نہیں پسند کرتے ہیں غیر معتبر روایتوں کا لکھنا اپنی موافق کتب تواریخ میں جنہیں جھوٹ واقع ہونے سے نہ وہی ضرر ہے نہ وہی بوس وہ لوگ کیونکر پسند کریں گے ایسے امر کو اپنی اون کتب میں جو مولف میں واسطے رجوع خلاق کے موردین میں باوجودیکہ امام نے خبر دی ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ہرج کا آئے گا کہ وہ سوا سے کتابوں کے اور چیز سے مانوس نہ ہوں گے۔ اور کلینی نے اپنی کتاب کافی کے دیباچہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ میری کتاب بعد کہ سب لوگوں کی مرجع ہوگی۔ محدثین نے اونکو متنبہ کیا اور محدثین کو ائمہ نے کہ کذاب لوگ اصحاب ائمہ کی کتب میں جھوٹی احادیث ملا دینگے جیسا کہ اکثر روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں سے ایک یہ ہے کہ یونس بن عبدالکریم نے سیدنا ابوالحسن ضیاء کے سامنے اصحاب باقر و امام صادق ؑ کی کتابوں کو پیش کیا تو آپ نے اونمیں سے بہت سی احادیث کا انکار کیا اور کہا کہ یہ احادیث ابی عبد اللہ کی نہیں ہیں۔ اور فرمایا کہ ابو الخطاب نے ابو عبد اللہ جھوٹ لکھا یا اور اس طرح براجتک اصحاب ابو الخطاب اصحاب

یہ بات بخوبی ثابت ہوئی ہے کہ اونکی حد میں مختلف اور متعارض ہیں اور لوگوں نے اماموں پر امت
تتمت کی ہے اور اونکے نام سے ہزاروں جھوٹی حد میں بیان کی ہیں اور ہزار ہا غلط روایتیں کتابوں
میں فریب سے لکھی ہیں۔ اور اونکے محقق عالموں اور مشہور محدثین نے صرف کتابوں میں
لکھے ہونے پر اعتبار نہیں کیا جب تک کہ اوںکو صاحب کتاب کے بوسطہ یا بلا واسطہ نہیں سنا۔ اور
یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اس قسم کے اختلاف اور تعارض کے اور باوجود موجود ہونے ہزاروں
وضع حدیثوں کے اور باوجود باقی ہونے احتمال غلطی اور وضع موجودہ حدیثوں میں حضرات
امامیہ نے اپنے یہاں کی حدیث کی مستند و معتبر کتابوں کو نہ لیت اور مذہب کی بنیاد قرار دیا ہے اور
اصول و فروع میں ان سے استناد کیا ہے اور اختلاف اور تعارض رفع کرنے کے لئے درایت کے اصول
قرار دیے ہیں اور ان اصول میں سب کے عمدہ سنیوں کی مخالفت اور تہقیر ہے۔ ایسی حالت میں
میں نہیں سمجھتا کہ حضرات امامیہ کو کس طرح زیبا ہو گا کہ وہ سنیوں کی کتابوں پر اعتراض کریں اور
اونکو صرف اس خیال سے کہ جھوٹی حد میں لوگوں نے بنالی تھیں تمام حدیثوں کو غیر قابل اعتبار قرار
دیں اور باوجود اس تحقیق و تنقیح کے جو راویوں کے حالات کے متعلق ہمارے محدثین نے کی اونکی
مساعی جمیلہ سے قطع نظر کر کے اونکی کتابوں کو عموماً مشتبہ اور غلط قرار دیں۔ اور صرف اس خیال سے
کہ انھوں نے اپنے یہاں وضع احادیث کو تسلیم کیا اور ایسی حدیثوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا
اور اونکی غلطی اور وضع کو بظاہر کر دیا سنیوں پر یہ اعتراض کریں کہ وہ اپنی کتابوں کو خود غیر قابل
اعتبار بتاتے ہیں اور اپنے مذہب کی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کرتے ہیں یہی حالت میں
اور ایسے اعتراض پر پختہ اسکے اور کچھ عجیب سے کہانیاں جاتا کہ جو شخص سنش محل میں رہتا ہو او سے
چاہے کہ سنگین عمارت میں رہنے والے پر پتھر پھینکے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دونوں فریق کی روایتوں کا حال قریب

برابر کے ہے اور دونوں کے بیان صحیح اور غلط قوی اور ضعیف حدیثیں موجود ہیں اور دونوں کے بیان تفسیر و روایت اور تفہیم حدیث کے لئے درایت کے قواعد مقرر ہیں تو کوئی فریق ایک دوسرے پر اون حدیثوں اور روایتوں کو اپنے دعوے کے ثابت کرنے میں پیش نہیں کر سکتا جس سے فریق مخالف کے حوالہ عقائد اور مسائل اجماعی میں خلل پیدا ہو۔ اور اس طرح پر عمل کرنے سے گویا باب الزامی دلائل کے پیش کرنا بجا بند ہوتا ہے۔ سنی جو حدیثیں صحابہ کے فضائل میں شیعوں کی کتابوں سے پیش کرتے ہیں اور نکادہ یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہیں یا خلاف اجماع اور خلاف اصول مسلمہ کے ہیں اس لیے وہ ہم پر حجت نہیں ہو سکتیں۔ اس طرح سنیہ مطاعن صحابہ میں جو روایتیں اور حدیثیں شیعوں کی پیش کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں یا غلط ہیں یا ضعیف یا مخالف جماع امت اور اصول سنیہ کے ہیں۔ اس اعتراض کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس قسم کے الزامی دلائل کافی نہیں ہیں اور اس سے کسی فریق کا دعویٰ بمقابل دوسرے فریق کے بلحاظ اوس کے حوالہ کے ثابت نہیں ہوتا گو ہمارا استدلال شیعوں کی روایتوں سے نہ اسلئے ہے کہ ہم اس کو حقیقہ اپنے دعوے کے اثبات کے لئے ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اس قسم کا استدلال الزامی ہے کہ جس طرح وہ ہماری بعض ضعیف روایتوں سے استدلال کرتے ہیں ہم ان کی صحیح اور قوی حدیثوں سے اس کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ طریقہ بھی متاخرین کا ہے جو انہوں نے شیعوں کے طرز پر اختیار کیا ہے۔ در نہ ہمارے متقدمین صرف قرآن مجید اور عقل سلیم اپنے عقائد اور دعویٰ کو ثابت کرتے آئے ہیں اور الزامی جواب سے احتراز کرتے رہے ہیں اور ہم نے اپنی اس کتاب میں گو الزامی جواب دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے مگر صرف اسلئے کہ حضرات امامیہ یہ سمجھیں کہ ان کے اعتراض خود ان کی روایتوں سے باطل نہیں ہو سکتے ہیں قرآن مجید اور عقلی دلائل کو صحابہ کے فضائل ثابت کرنے اور انہیں الزام شیعوں نے

گائے مین اونکے دور کرنے میں مقدمہ سمجھا ہے اور اونھیں کو جا بجا ایمان کیا ہے۔ اور ہم نہایت دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر لازمی جوابات کا طریقہ بند کر دیا جائے تو ایک لحظہ کے لئے حضرات امامیہ سینوں کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔ اور قرآن مجید اور عقل سلیم سے وہ اپنے دعوے کو صحابہ کے مطاعن کے متعلق ثابت نہیں کر سکتے۔

آشائے کو شانے سے ملا دیکھ	قد میں بہین کچھ بلسد ہونگے
خوش بودگر محاکمہ تجربہ آید ایمان	ناسیہ زور مشورہ ہر کہ در غش باشد

یاچوان مقدمہ

اگرچہ اسلام میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ اور جہول و فروع میں باہم اور ان کے اختلاف ہے۔ مگر عموماً یہ اختلاف رائے اور سمجھ کی غلطی اور فلسفہ کے اسلام میں داخل ہونے اور آیات قرآنی میں تاویل کرنے پر مبنی ہے۔ کسی نے ان مختلف فرقوں میں سے صحابہ کرام یا اہل بیت علیہم السلام سے مخالفت نہیں کی اور نہ اونکو مورد طعن و لعن بنایا۔ اللاد و فرقوں نے۔ ایک امامیہ دوسرے خوارج۔ انکا اختلاف منجر صحابہ یا اہل بیت کی عداوت پر ہوا اور اسکا اصلی سبب خلافت کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کو حصول دین میں داخل کرنے سے یہ دونوں فرقے جاوہ اعتدال سے متجاوز ہو گئے۔ ایک نے اہل بیت کا ایسا دامن بکرا لیا جیسا کہ کرام کو اسلام کے دائرے سے خارج سمجھے۔ اور دوسرا فرقہ خوارج کا صحابہ کرام کی طرف اتنا جھکا کہ اہل بیت کو ملامت کا نشانہ بنایا۔ اور ان پر لعن و طعن کرنے کو عین اسلام قرار دیا۔ اسی مسئلہ خلافت کی بنیاد پر حضرات امامیہ نے صحابہ کرام سے یہاں تک عداوت پیدا کی کہ انکو اسلام اور ایمان سے بھی بے برہ قرار دیا اور آیات قرآنی اور اونکے مساعی جمیلہ سے جو اسلام کے لئے کین چشم پوشی کی۔ اور اوسے عقیدے نے اونکو اون روایتوں کے

بنائے اور ماننے پر مجبور کیا جو صحابہ کے معائب اور مطاعن کے متعلق ہیں۔ مگر یہ کوہی کا افسوس نہیں ہے کہ اس عقیدہ امامت نے ایک فرقے کو اسلام کے صحابہ کا مخالف بنا دیا بلکہ حیرت اور افسوس اس پر ہے کہ اس عقیدے نے انبیاء اور ائمہ کرام کی اولاد کو بھی طعن و ملامت سے محفوظ نہ رکھا۔ اور حسد اور بعض اور انکار امامت نے انبیاء اور اکثر خاندان اہل بیت کو اسی طرح پر قابل الزام اور مورد طعن بنایا جیسا کہ صحابہ کو بنایا تھا۔ فرق اتنا ہے کہ صحابہ کی عداوت کا اظہار اور اونکی برائیوں کا اعلان صاف طور پر کیا جاتا ہے۔ اور انبیاء اور خاندان اہل بیت کی نسبت ضعیف تا ویلین کیجاتی ہیں۔ اور اونکی عصمت اور بزرگی کا زبانی اقرار باقی ہے۔ ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس مسئلہ امامت نے نہ انبیاء کو چھوڑا نہ سوائے معدودے چند ائمہ کے باقی خاندان نبوت کو طعن و ملامت سے محفوظ رکھا کوئی ائمہ پر حسد کر نیکی وجہ سے مطعون بنایا گیا۔ کوئی انکار امامت کے سبب کا فریضہ۔ کوئی دعویٰ امامت کی وجہ سے کفر و فسق کے درجے پر پہنچا۔ غرض کہ ایک صحابہ کی مخالفت کا ہم کیا افسوس کر جین جس طرح نظر اڑھا کر دیکھتے ہیں مسئلہ امامت کے تیرون کا سبکو نشانہ پاتے ہیں۔

گھائل ترمی نظر کا بیخ و گریہ ایک زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

اول انبیاء کا حال سنئے کہ حضرات امامیہ کمال فخر سے کہا کرتے ہیں کہ جو عقیدہ انبیاء کی بزرگی اور فضیلت اور اونکی باکی و عصمت کا ہم رکھتے ہیں کوئی دوسرا فرقہ اہل اسلام کا اسمین ہمارا شریک نہیں ہے۔ اور یہ عزت خاص شیعیان پاک کو نصیب ہے کہ حضرات انبیاء کے دامن عصمت کو ہر طرح کے گناہ صغیرہ و کبیرہ اور ہر قسم کے عیب و برائی سے پاک سمجھتے ہیں۔ لہذا قال الفاضل المحقق والبحر المدقق نے حسامہ کہ تمام اہل اسلام اتفاق و ازاد بر نیکی و باب عصمت انبیاء علیہم السلام مبالغہ میدارند بیچ ایک از فرق اہل اسلام آن قدر زیاد

فریاد کیا مامیہ منفرد انداز میں کہہ کر گویا انبیاء اول عمر تا آخر از گناہ صغیرہ و کبیرہ عمار و سہوا منفرہ صحت ہستہ
 بخلاف دیگران کہ وہاں بعض افاضل صلہ کم کہ انتہا میں سفیدان کل عباد رباب تنزیہ انبیاء و اوصیاء اول عمر تا آخر
 عمر از جمیع گناہان صغیرہ و کبیرہ بجز ہی مست کہ بیچ فرقہ را غیر ایشان حاصل نیست حتی اینکه اجتمعا و را ہم ہم
 زمرہ انبیاء و اوصیاء جائز نمیدارند فضلا عن وقوع الخطا فی الاجتماع و لکن جب اونکے نمبر کی کتابوں
 دیکھیے اور انہ کی احادیث سنئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیب حکو مشرک اور کافر بھی بدترین عیبوں
 جانتے ہیں بلکہ جسکو ملو اور لاندہب بھی اخلاقی برائیوں بلکہ ذلیل ترین خصائل میں شمار کرتے ہیں
 اوسے وہ انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور باین دعویٰ عصمت و لہارت اونکو مرتکب کیا
 سمجھتے ہیں۔ و فتوحا باللہ من ذلک۔ چنانچہ حضرت ابوالشیر آدم علیہ السلام کی شان میں جو احادیث
 انہ کی طرف سے بیان کی ہیں وہ ذرا گوش دل سے سنئے۔

محمد بن بابویہ نے عمرون اخبار الرضا میں علی بن موسیٰ رضا سے روایت کی ہے کہ آپ
 نے فرمایا کہ جب خدا نے آدم کو مسجود دلا لکہ ہونے اور حنبت میں داخل ہونگی بزرگی و وحی تو پھر
 نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں بزرگترین مخلوقات ہوں۔ پس اللہ جل شانہ نے ندا کی کہ اے
 آدم اپنے سر کو اٹھا اور دیکھ میرے عرش کے پاسے کو پس آدم نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھا لکھا
 لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ امیر المؤمنین و زوجته فاطمہ
 سیدۃ النساء العالمین و الحسن و الحسین سید شباب اهل الجنة۔
 تب حضرت آدم نے کہا کہ اسی یہ کون ہیں خدا نے جواب دیا کہ یہ تیری فریت ہیں اور تجھ
 سے بہتر ہیں۔ اور تمام میری خلق سے افضلتر ہیں۔ اور یہ ہوتے تو میں نہ تجھے ہیہا کہ تا اور
 جنت اور نہ دوزخ اور نہ آسمان و زمین کو۔ لیکن خبردار رہنا اے آدم اونکو حسد کی آنکھ
 سے نہ دیکھنا اگر ایسا کیا تو میں تجھے اپنے جوار سے نکال دوں گا۔ پس دیکھا آدم نے اونکو بنظر حسد

پس مسلط ہوا اور پھر شیطان یہاں تک کہ کھایا اور نمون نے اوس درخت سے کہ منع کیا تھا کھائے گئے تھے
یہ کوئی خیال نہ کرے کہ یہی ایک حدیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی شان میں امام بن موسیٰ ضیاء سے
نقل فرمائی ہے بلکہ وہ حدیث بھی سننے جس میں آد کے گناہ میں داوی کو بھی شریک کیا ہے۔
سنانی الاخبار میں بسند مفضل بن عمر حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب آدم دعا
ساق عرش پر نام آنحضرت اور علی اور فاطمہ اور حسنین کا نوز سے کھا ہوا دیکھا تو کہا اے پروردگار ہمارے
کیا بزرگ ہے مرتبہ انکا اور کیسے محبوب ہیں یہ لوگ تیرے۔ تب خوانے فرمایا کہ اگر یہ نہوتے تو میں
تمکو پیدا نہ کرتا یہ لوگ میرے علم کا خزانہ اور میرے اسرار کے امانت دار ہیں۔ اے آدم دعا اور
رہنا کہ انکو بنظر حسد نہ دیکھنا اور انکے مرتبے اور انکی منزلت کی تمنا نہ کرنا ورنہ میری نافرمانی اور عصیان
میں داخل ہوگے اور تب تم دونو ظالمون میں ہو جاؤ گے پس شیطان نے اون دونو کو وسوسہ کیا
اور فریب میں لایا کہ آخراونھوں نے بنظر حسد اون نچین کبیرف دیکھا اسیلئے آدم دعا دونو
مغزول و ذلیل ہو گئے۔

جناب اجتہاد آبا مولوی دلدار علی صاحب حسام میں بجا اب مولانا وسیدنا شاہ عبدالعزیز
قدس سرہ کے اس حدیث کی نسبت دو جواب دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ حدیث احادیث
صحاح سے نہیں ہے کہ اوپر اعتقاد کرنا اور اسکی تفہیم کرنا ضروریات دین سے ہو۔ دوسرے
یہ کہ حسد دو قسم پر ہے ایک بمعنی غبطہ دوسرے بمعنی استغناء و نوال نعمت اول مباح ہے
دوسرا غموم پس کیون حسد آدم کا اول قسم پر مجہول نکلیا جائے۔ اور حسد کی اس تقسیم پر ہی
حضرت قبلہ کو کتب نے کفایت نہیں فرمائی بلکہ بخاری کی ایک حدیث کو نقل کر کے سنہوں کا
موندہ بھی بند کرنا چاہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ”اما حدیث حسد حضرت آدم کہ در کتب اہل
مروئی کثرتہ و سبب تشنیع ناصب عداوت عترت طاہرہ بر شیعیان اہل بیت گردیدہ پس از جملہ

احادیث صحاح نیست تا اعتقاد کردن بان و صحیح نمودن آن از جمله ضروریات نزد امامیه باشد و ایضا
گویا گوش این ناصب عداوت عزت نرسیده که حسد برد و قسم است یکی بجنه غبطه است و دوم حسد بجنه
است عارضه و اول نعمت - اول مباح است و دوم مذموم می دانیم که اگر کج و داد عاے این تقسیم
الکفایانایم ناصب عزت طاهره تکذیب خواهد نمود و لهذا بزرگ یک حدیث صحاح ایشان که دلالت
صریح دارد بر آنچه ارعانه خود می باشد و در این اورا با این تفریب می دوزیم که گفته اند درین
سگ بقرمه دوست بر او ایساع بعد ذلک ان یقال فی حقه فہت الذی کفر کاذب التمجیح
و ان این است کہ بخاری روایت نموده از ابو ہریرہ ان رسول اللہ صلعم قال لا حسد الا
فی الاثین رجل اتاک اللہ القرآن فهو يتلوہ اثناء اللیل والنهار فسمعہ جار لہ
فقال لیبتنی اونیت مثل ما اوتی فلان ففعلت مثل ما یعمل و رجل اتاک اللہ ما کلا
فهو یفقهہ فی حقه فقال رجل لیبتنی اونیت مثل ما اوتی فلان ففعلت مثل ما یعمل
و تفاوت سیر قریب باین مضمون حدیث دیگر است کہ از بخاری مسلم و ترمذی روایت کرده اند پس چرا با جزئیات
کہ حسد حضرت آدم ازین قبیل بوده باشد و چگونه چنین نباشد و حال اینکه فضل بن عمر کہ ناصبی آن را
نذکور ساخته متضمن کلمه و حملها علی تمنی منزلتھم است و قوت تفسیر حسد است لیکن
چون غبطه بر چند مباح است اما بنظر بد علو منزلت و شرف مرتبت جناب عزت سید المرسلین غبطه
ایشان از قبیل ترک اولی است لهذا جن سبحانہ و تعالی علی حسب جرمی العادات الالہیہ حضرت
آدم را معاتب ساخته - و ایضا حسد بچردانیکہ بمقتضای بشریت عارض شود و آدمیکہ بمقتضای
آن کار کند آدمی گنہگار بران نمی شود و چنانچہ در معنی احادیث از ائمہ عزت ما ذکر گشته و ایضا
معاوم است کہ حضرت آدم تمسک کرده بیدر بجلا تیکہ تفسیر آن بنا بر احادیث بسیار با سماء آل عبا
شده پس باین قرینہ بدین حسد بجنه غبطه کہ از قبیل ترک اولی بوده

گو حضرت قبلہ کی اس تقریر سے وہ دماغ جو اونکے بزرگوں نے حضرت ابو بکر شریف رضی اللہ عنہ سے لیا ہے اس لیے کہ اگر اس حدیث کے انا حدیث صحاح میں نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ صحاح اربعہ میں کلینی و ترمذی و استعمار و منہاجیہ الفقہ میں نہیں ہے تو اس سے مدغم صحت لازم نہیں آتی۔ صد ہا حدیثیں ہیں جو سوا ان چار کتابوں کے دوسری کتابوں میں منقول ہیں اور بسکو حضرات امامیہ صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ زامی اور سکا ضعیف ہے یا سلسلہ روایت میں کوئی نقص ہے تو اسکا بیان فرمانا تھا۔ گو حضرت بیان فرماتے تو کیا فرماتے اسلئے کہ یہ حدیث عیون اور معانی الاخبار سے مستحکم کتابوں میں ہے بسکے مولف کی سچائی اور صداقت اور اسکے لقب سے ظاہر ہے فائزہ صدوق اور وہ خود صحاح اربعہ میں سے ایک کتاب کا مصنف ہے۔ اور پھر اس حدیث کو بزم صحیح ائمہ معصومین سے روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کی صحت کا انکار کرنا جو متصل بہ امام معصوم ہو اور کوئی راویوں میں سے اس کے مجرد و اور نقد و حنبولہ باقی تسلیم نہ دگا۔ اور خود قبلہ و کعب نے اسی کتاب حسام اور دیگر کتابوں میں بہت سی حدیثیں عیون اور معانی الاخبار سے نقل کیں اور راویوں کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اسی حالت میں بغیر کسی اور قسم کے ثبوت کے یہ کہہ کر کہ این حدیث از جملہ احادیث صحاح نیست صحیحاً چھوڑنا اگر جائز ہو تو پھر سینوں کی کسی خبر کو جو مستحق طاعن صحابہ کے ہو باوجود ثبوت راویوں کے ضعف کے پیش کرنا اور نہوگا۔ گر صاحب استقصار الافہام نے اس حدیث کی صحت کو قبول کیا اور قبلہ و کعبہ کے کلام کی توجیہ ان لفظوں سے فرمائی کہ غرض آنجناب از انکار معدودہ روایان حدیث و احادیث صحاح آگشت کہ این حدیث از جملہ احادیث قطعیۃ الصدوق نیست الی قولہ کہ مراد آنجناب یعنی صحت یعنی قطعیۃ الصدوق است زیرا کہ از ان مضموم می شود کہ اگر این حدیث از جملہ احادیث صحیحہ ہے بود اعتقاد کریں بآن از جملہ ضروریات می بود و بر ظاہر است کہ این لازم ہے آمد گر بعد صحت یعنی قطعیۃ الصدوق نہ ہو تو کوئی حدیث صحیح

اس توجیہ سے قبلہ و کعبہ کے حجاب کو محج ثابت نہ کر سکے۔ بلکہ ہمارے دعوے کے معین اور مؤید ہو گئے۔
 اس لیے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر این حدیث از جملہ احادیث صحیحہ سے بود اعتقاد کردن بآن از جملہ ضروریات
 سے بود و بظاہرست کہ این لازم نمی آید مگر بعد بصحت بعضی قطعیۃ الصدور ہے ہم اس جواب کو تسلیم کرتے ہیں
 بشرطیکہ ایسے قاعدے کو وہ ہمارے یا انکی حدیثوں کی نسبت بھی مرعی کہیں۔ نہ یہ کہ ہمارے یہاں کی
 نصیحت بلکہ موضوع حدیثوں سے استدلال کریں اور انھیں ہمارے مقابلے میں پیش فرماویں اور اپنے
 یہاں کی صحیح حدیثوں کو بھی قطعیۃ الصدور یعنی یقینی نہونکی وجہ سے قابل حجت نہ سمجھیں۔

گر ہم اس حدیث کو اور روایتوں سے جسکی صحت اور اعتماد میں کچھ اعتراض نہیں کیا گیا ثابت
 کرتے ہیں۔ تفسیر امام حسن عسکری میں ذیل آری یا ادم اسکن الجنة و زوجات الجنة
 و کلامہا رغدا حیث شئتم و لا تقربا ہذہ الشجرة کے کلمہ ہے
 کہ مراد درخت سے علم محمد و آل محمد تھا کہ جن تعالیٰ نے انھیں کے ساتھ مخصوص کیا تھا اور سیکو
 آدم نے کھایا اور بہشت سے نکالے گئے۔ اس مضمون کو ملا باقر مجلسی کی زبان سے سنئے جسکو
 حیات القلوب میں فرماتے ”در تفسیر امام حسن عسکری مذکورست کہ چون حق تعالیٰ الیسین العنت کو بااگر
 او گرامی و شہت ملا کہ را بحدہ کردن ایشان آدم را امر کرد کہ آدم و حوا را بہشت بر بند و فرمود کہ یا ادم
 اسکن انت و زوجات الجنة یعنی اے آدم ساکن شو تو جو جنت تو در بہشت و کلامہا
 رغدا حیث شئتم و بخورید از بہشت کنا دہ و گوارا ہر جا کہ خواہی تھی و لا تقربا ہذہ
 الشجرة و نزدیک مشوید این درخت را کہ درخت علم محمد و آل محمدست کہ حق تعالیٰ ایشان را
 منع کرد از انکہ نزدیک آن درخت شوئد کہ مخصوص محمد و آل محمدست و کسی با مرضی خود از ان درخت
 گرا ایشان الی قولہ و حق تعالیٰ فرمود کہ نزدیک این درخت مروید کہ خواہید طلب کنید در جہد محمد و آل محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم و فضیلت ایشان زیرا کہ خدا ایشان را مخصوص گردانیدہ است با این درجہ از سائر خلق

و این درختیست کہ ہرگز ازین درخت بخورد باذن خداے تعالیٰ الهام کردہ سے شود علم اولین آخرین را
بے آنکہ اگر کسی بیاورد و دہر کہ بے خصصت خدا بخورد از مرد خود نا امید سے شود و از فانی پروردگار
کردہ است فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ پس خواہر شوید از ستمگاران بنا فزانی شما و طلب کردن شما و جبہ
کہ اختیار کردہ است خدا بان درجہ غیر شمارا ہر گاہ قصد کنید آن درخت را بغیر حکم خدا لی قولہ پس با سبب
فریب خورد آدم و غلط کرد و از ان درخت خورد پس رسید بالیشان آنچه خداوند در قرآن ذکر کردہ است
فَاَزَلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ پس حدیث سے ثابت ہوتا ہے
کہ وہ درخت جسکے کھانے سے آدم و حوا منح کئے گئے تھے وہ درخت علم محمد آل محمد کا تھا جسکے کھانے
سے علم اولین آخرین بغیر سکھائے آجاتا ہے اور اسی درخت کے کھانے سے آدم و حوا جنت سے
نکالے گئے مگر حدیث سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے بہکانے سے آدم و حوا نے اسے کھایا
اور اسکے سبب سے وہ مصیبت میں گرفتار ہوئے مگر دوسری حدیث سے جسکو بسند معتبر حضرت
امام علی نقی سے نقل کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ وہ درخت حسد تھا جسکے کھانے سے خدا تعالیٰ
نے منع کیا تھا۔ مگر انھوں نے عداوت سے کھایا یعنی ائمہ پر حسد کیا۔ کما یقول الجلیسی فی حیات القلوب
کہ بسند معتبر از حضرت امام علی نقی منقول است کہ درختیکہ آدم و زوہد اش را نبی کرد از خوردن از ان
درخت حسد بود حق تعالیٰ عہد کرد بسوے آدم و حوا کہ نظر نہ کنند بسوے آئنا کہ حق تعالیٰ آئنا را برایشان
و بر جمیع خلایق فضیلت دادہ است بیدہ حسد و نیافت حق تعالیٰ از دورین باب عزم و اہتمامی۔
اس حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوا کہ حضرت آدم نے شیطان کے بہکانے سے حسد کے درخت
کو کھایا یعنی ائمہ کو حسد کی نظر سے دیکھا اور حکم الہی کو مانا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم
و حوا نے کچھ حکم ماننے کا ارادہ اور اہتمام بھی نکلیا۔ یعنی خدا کے حکم کی بھی پروا کی جیسا کہ لفظون
سے ثابت ہوتا ہے کہ نیافت حق تعالیٰ از دورین باب عزم و اہتمامی۔ شاید کسیکی خیال میں

یہ آوے کہ حضرت آدم خدا کے حکم کو بھول گئے اور انسان کی حالت میں خلافتِ حکمِ الہی کر بیٹھے۔
 جیسا کہ بعض مفسرین امامیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی حالت میں حضرت آدم ترکیبِ اس فعل کے ہوئے
 ایسے کہ بسندِ معتبر جو حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم خدا کے حکم کو
 نہ بھولے تھے۔ اور باوجود حکمِ خدا کے وہ ترکیبِ منہی عنہ کے ہوئے۔ کما یقول المجلسی فی
 حیات القلوب بسند معتبر روایت کہ از امام محمد باقر پر سیدنا زین العابدینؑ نے فرمایا کہ
 قَسَمِیْ وَلَمْ یَجِدْ لَہٗ عَدُوًّا کَرِہًا کَرِہًا تفسیر کردہ اند کہ حضرت آدم فراموش کر دینی خدا۔ حضرت فرمود
 کہ فراموش نہ کرو وچگونہ فراموش کردہ بود و حال آنکہ در وقتِ وسوسہ کردن شیطانِ نبی خدا را بیاہن ایشان آورد
 و می گفت کہ خدا شمار برای این نہیں کرده است کہ ملک نباشید و در بہشت ہمیشہ نباشید پس انسان در عجا
 بیعتی ترک است یعنی ترک کرد ام خدا را۔ اس سے ثابت ہوا کہ دیدہ و دانستہ آدم نے خدا کے حکم کو
 نہ مانا اور باوجودیکہ شیطان نے خدا کے حکم کی یاد بھی دلائی مگر اونھوں نے خیال نہ کیا اور کیونکر خیال
 کرتے اسلئے کہ ائمہ کا مرتبہ دیکھ کر عیاذ اللہ وہ جوشِ حسد کا ہوا تھا کہ وہ دین و دنیا سب بھول گئے تھے
 اور اونکے درجے اور مرتبے کی تمنا اور خواہش نے اونکو نحوذابا اللہ ایسا بے اختیار اور بے قابو کر دیا
 تھا کہ وہ کچھ اوسکا غم اور اوسکا اہتمام بھی کرنا نہ چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر صادقؑ کی ایک حدیث
 سے اسکا حال سنئے کہ جب جاہ و تمنا سے درجہ آلِ محمدؑ نے اونکو حسد کرنے پر مجبور کیا۔ ملا باقر مجلسی نے القلوب
 میں بسند معتبر حضرت امام جعفر صادقؑ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ
 نے نبیینِ پاک اور باقی ائمہ کی رُوحوں کو سب سے زیادہ بلند درجہ دیا اور اونکو تمام آسمان و زمین پر عرض کیا
 اور کہا کہ یہ میرے دوست اور ولی اور خلقِ پر حجت ہیں جو کوئی اونکے درجے کا دعویٰ کرے او سپر ایسا
 عذاب کروں گا کہ جو کسی در خلق پر نکلیا ہو اور مشرکین کے ساتھ اونکو جہنم میں ڈالوں گا اور جو اونکی لایت اور امت کا
 اقرار کرے اوںکو اپنی بہشت میں جگہ دوں گا پس اونکی لایت ایک امانت ہے خلق پر پس تم سے کون منکر لیتا ہے

مضمون پر غور کرے کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ نے آدم وحو کو نچین پک اور ائمہ اہلدار کی منزلت اور درجہ کی خواہش کو نیکو برے نتیجہ سے آگاہ کیا اور باوجودیکہ اوس مرتبے کے جاہنے دالون اور اوس عزت کی آرزو کرنے والوں کے لئے جو عذاب مقرر فرمائے ہیں وہ سب اونکو دکھلا دیے اور کومی و قیقہ حجت اور کومی درجہ بغیضت کا ہنی نہ رکھا مگر آدم وحو اسے کچھ نہ سنا اور حسد کرنے سے باز نہ آئے۔ اور باوجود ایسی روایت کے جس سے حضرت آدم وحو کا ایسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا ثابت ہوتا ہے جسکی سزا مشرکین کے ساتھ پانچین درجات جہنم میں جلنا تھا حضرات شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انبیا معصوم اور گناہان معنیہ و کبیرہ سے محفوظ ہیں۔ اور نہ صرف ایسے دعویٰ پر قناعت کرتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ در باب عصمت انبیا انجہ امامیہ مبالغہ و در نہ ہیچ یک از فرق اہل اسلام آنقدر زہار د۔ اگر عصمت اسی کا نام ہے اور مبالغہ جو انکی عصمت کے باب میں امامیہ کرتے ہیں ہی ہے تو وہ ایسے دعویٰ میں سچے اور اپنے قول ابن صادق ہیں۔ خدا نکرے کہ بیچارے سنی انبیا کی عصمت کے ایسے حامی ہوں اور انکی عصمت کے حمایت کے پودے میں اونکو ائمہ کا حاسد اور پائین ترین درجات جہنم کا مستحق ٹھہرائیں۔

ایک اور حدیث سنیں جس سے پوری تصدیق اور تائید آدم وحو کے حسد کرنے کی ہوتی ہے اور جس سے تمام مختلف اقوال کا جو کہ نسبت اوس رخت کے ہیں جسے آدم نے کھایا یا آخری اور قطعی فیصلہ بقول امام ہوتا ہے۔ ملا باقر مجلسی حیات اقلوب میں فرماتے ہیں کہ بسند معتبر منقولست کہ ابو اہصلت ہومی از امام رضا پر سید کہ یا بن رسول اللہ مرآ خبر وہ ازان دختی کہ آدم وحو ازان دخت خور دند چہ دخت بود بد رستی کہ دم احتلاف کردند یعنی روایت کردند کہ آن گندم بود یعنی روایت کردند کہ آن دخت حسد بود۔ فرمود کہ ہمہ حق است ابو اہصلت گفت چگونہ ہمہ حق است مابین ہمہ اختلاف۔ فرمود کہ اسے ابو اہصلت دخت بہشت انواع میوہا بر میدار و پس آن دخت گندم بود و دوران انگور ہم بود و آنا مثل از قرآن و نانیستند و بد رستی کہ چون خدا گرامی داشت و ملائکہ و را سجدہ کردند اور اذخاں بہشت گردانید و خاطر خود

گزارانید کہ ایاطق کردہ است خدا بشیر کہ بہتر از من باشد چون خدا است کہ چه در خاطر او گذشت مذکور اور کہ سر بلند کن اسے آدم و نظر کن بسوی اساق عرش من چون آدم سر بلند کرد و دید کہ در ساق عرش نوشتہ است کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی بن ابی طالب امیر المؤمنین و زوجته فاطمہ سیدۃ النساء العالمین و الحسن و الحسین سید اشیاک اهل الجنة آدم گفت پروردگار کیستند انما حق تعالی فرمود کہ اینها فریت تو اندر ایشان بہتر اند از تو و از جمیع آفریدہای من اگر ایشان نمی بودند نہ ترا خلق می کردم نہ بہشت و دوزخ و نہ آسمان و زمین پس ہنار نظر حسد بسوی ایشان مکن کہ ترا از جو خود بیرون کنم پس نظر کرد بسوی ایشان بدیدہ حسد و آرزوی منزلت ایشان کرد پس مستط شد شیطان برا و تا خورد از میوہ کہ اور از ان نمی کردہ بودند و مسلط شد بر خود آنا نظر کرد بسوی فاطمہ بدیدہ حسد تا خورد از ان درخت چنانچہ آدم خورد بسوی ایشاں از بہشت بیرون کرد و از جو خود بہ زمین فرستاد۔ اس حدیث کے جواب میں جناب قبلہ و کعبہ جو یہ فرماتے ہیں کہ حسد بیان مجنی غبطہ کے ہے اور ایسا حسد مذہبوم نہیں ہے مگر خود جناب والا سے یقین نہیں فرماتے اسی لئے فرماتے ہیں کہ چرا جائز بنا شد کہ حسد آدم ازین قبیل بودہ باشد و چگونه چنین نباشد۔ اور اگر حضرت کو یقین بھی ہے کہ یہ تاویل درست ہے تو الفاظ حدیث کے اور اسکا مضمون اسکی تائید نہیں کرتا۔ اور حسد حضرت آدم کا غبطہ نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ وہی حسد ہے جو مذہبوم ہے اسلیے کہ او نکونق تعالیٰ نے ڈرایا تھا اور ائمہ کی منزلت کی آرزو کرنے پر مورد عتاب بلکہ ظالمون اور ستمگاروں میں محسوب ہونے کا خوف دلایا تھا۔ مگر پھر بھی آدم نے حسد کیا اور اسکی منزل پائی۔ کیا قبلہ و کعبہ نے اس وعید کو خیال نہیں فرمایا جو حق تعالیٰ کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے فایاک ان تنظر الیہم بعین الحسد فاخرجک عن جوارى والقیافتد خراہر ذلک فی نجھی وعصیا وقتکونام الظلمین در کیا قبلہ و کعبہ نے اسکا بھی لحاظ نہیں فرمایا کہ وہ گناہ جسکے کرنے پر

ایسی بھاری سزا کا خوف نہ کو دلا گیا تھا اور ان سے متردہ ہوا اور اسکی سزا و کھون سے بائیں اور
 جنت سے نکالے گئے جیسا کہ ان لفظوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قنظر الیہم بعین الحسد و قننی
 منزلتہم فسلط علیہم الشیطان و قنظر الیہم بعین الحسد فخذ لذلک
 اگر وہ نکاحاً حسیلاً اور غوطہ تھا تو خدا کا ظالم ہونا و لذہ ذی اللہ منہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک فعل مباح پر جو آدم
 سے متردہ ہوا تو کو اپنے جوارق سے جدا کر کے اور بہشت سے نکال کر اپنی وعید کو پورا کیا۔

اسکی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جسکی صحت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور جس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ خدا نے آدم سے محمد و ائمہ اطہار کی ولایت کا عہد لینا چاہا مگر انھوں نے نہ کیا بلکہ انکا ارادہ بھی
 نہ تھا چنانچہ ابن بابویہ علی الشرائع کے باب اکیسوا ایک میں تحریر فرماتے ہیں العلة التي من اجلها
 سمی اولو الغرم اولی الغرم حدثنابی عن سعد ابن عبد اللہ بن احمد بن محمد
 بن عیسیٰ بن علی بن الحاکم مفضل بن صالح عن جابر بن یزید عن ابی جعفر فی قول اللہ
 عزوجل ولقد عھدنا لى الامم من قبل فتنسی ولم نجد اعدا لعهدا لیه فی صحیحہ
 اولائمتہ من بعدک فترک ولم یکن لعزم فیہم اذہ ممکن وانما سمی اولو الغرم لانہم عھد
 الیہم محمد و الہ اوصیاء من بعدک و اھمک و سیرتہم اجمع عنہم انک کل و الاقربہ
 ہیں جبکہ اس قسم کی حدیثیں انبیا علیہم السلام کی شان میں حضرات امامیہ کی معتبر کتابوں میں موجود
 ہیں اور اسپر بھی وہ انبیا علیہم السلام کی عصمت کے معتقد ہیں اور ان حدیثوں کو بغیر قطع الصدور نہ
 یا انہیں تاویل کرتے ہیں تو یہ انصاف نہیں ہے کہ ہمارے یہاں کی اون چند بے سرو پا حدیثوں کے
 استدلال کو نہ جنسے صحابہ کرام کی فضیلت میں فرق آتا ہو۔ اور کیوں ہمارے جوابات اور تاویلات
 کو جو نسبت اونکے جوابات اور تاویلات کے زیادہ قوی اور زیادہ مدلل ہیں ایسی حدیثوں کے
 متعلق تسلیم نہ کریں۔ مگر بات یہ ہے کہ حضرات امامیہ کو امامت کے مسئلے کی عظمت کے بڑھانے کے

خیال نے مجبور کیا کہ ایسی ہرینین بیان کریں جس سے امامت مثل نبوت کے سمجھی جائے خواہ اوس سے صحابہ کرام کا فرطہرین خواہ انبیاء علیہم السلام مورد ظمن و ملامت سمجھے جاویں۔

انبیاء کے متعلق اور روایتوں کا ذکر کرنا اس موقع پر میں چھوڑتا ہوں اور خاندانِ اہل بیت پر جو کچھ اس مسئلہ امامت کی بدولت الزام لگائے گئے ہیں انھیں بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں۔ یہ بات معتقداتِ امامیہ میں سے ہے کہ جو کوئی مدعی یا منکر امامت ہے وہ کا فر ہے۔ اگرچہ ظہور یا فاطمی۔ فقط انکار امامت اوسکے کفر کے لئے کافی ہے۔ مگر تاریخ سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یہی فاطمیہ میں سے کوئی امام ایسا نہیں ہوا جسکے زمانہ میں اوسکے بھائیوں اور رشتہ داروں میں سے کسی نکسی نے امامت کا دعویٰ کیا ہو۔ یا امامت کو کسی ایک پر منحصر سمجھا ہو۔ اور باہم امام کے اور مدعیانِ امامت کے کچھ کچھ جھگڑا نہ ہو۔ چنانچہ شروع سے یعنی حضرت امام زین العابدین کے وقت سے اس بات کو ہم ثابت کرتے ہیں۔ بعد شہادتِ امام حسین کے حضرت امام زین العابدین امام مانے جاتے ہیں مگر محمد بن حنفیہ نے جو حضرت امام زین العابدین کے چچا تھے خود اپنے آپ کو مستحق امامت قرار دیا اور حضرت امام زین العابدین سے کہا کہ بہ نسبت تمہارے میں زیادہ تر تحقیق امامت کا رکھتا ہوں تم مجھ سے اس باب میں جھگڑا نہ کرو۔ اور مجھے وصی اور امام سمجھو۔ اس قصے کو جو باہم محمد بن حنفیہ اور امام زین العابدین صاحب کے ہوا کتاب الحجۃ اصول کافی میں اس طور پر بیان کیا ہے عن ابی جعفر قال لما قتل الحسين ارسل محمد بن الحنفیة الی علی بن الحسین ؑ فحاربه فقال لہ یا ابن اخی قد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ دفع الوصیة والامامة من بعدہ الی امیر المؤمنین ؑ ثم الی الحسن ثم الی الحسین ؑ وقد قتل ابوک رض و صلی علی روحہ ولم یوص وانا عمک و صنو ابیات و ولادتی من علی بن سنی قدیمی

احق بہ امتک فی حدائیک فلا تنازعنی فی الوصیۃ والامامۃ ولا تحاجزنی
 یعنی امام باقرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ جب امام حسینؑ مقتول ہو چکے تو محمد بن حنفیہ نے ایک شخص کو
 بھیجا کہ امام زین العابدینؑ کو بلوایا اور اونسے غلو ت میں گفتگو کی کہ اسے براور زاوہ من کو معلوم ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت و امامت کو اپنے بعد امیر المؤمنین کو دیا تھا اور آپ کے بعد امام حسن کو اور ان کے
 بعد امام حسین کو۔ اور اب تمہارے باپ مقتول ہوئے خدا اونسے راضی ہو اور انکی روح پر رحمت بھیجے اور
 اونہوں نے کسی شخص خاص کو وصیت فرمائی میں تمہارا چچا ہوں اور تمہارے باپ کی برابر ہوں اور
 میرا پیدا ہونا بھی علیؑ سے ہے بسبب میرے سن و سال اور اون امور کے جو مجھ سے پیشتر ہوئے
 میں جیسے جنگ جمل و جنگ صفین میں شجاعیت اور بہتر بہ کاری کے میں تھے بوجہ تمہاری نئی عمر ہوئی
 امامت کے لئے اولی ہوں تو تم مجھ سے وصی و امام ہونے میں مباحثہ مت کرو۔ فقال له علی بن الحسین
 یا عم اتق الله ولا تدع ما لیس لك بحق انی اعطاک ان تکون من الجاہلین
 ان ابی یا عم صلوات اللہ علیہ اوصی الی قبل ان یتوجه الی العراق و عہد الی قبل ان
 یتشہد بساعۃ و ہذا سلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ عندک فلا تتعرض
 لہذا فانی اخاف علیک نقص العمر و تشتت الحال ان اللہ جعل الوصیۃ والامامۃ
 فی عقب الحسینؑ فاذا اردت ان تعلم ذلك فانطلق بنا الی الحجر الاسود حتی
 نتحاکموا الیہ و نسالہ عن ذلك قال ابو جعفرؑ و کان الکلام بینہما بملکہ
 یعنی اونسے علی بن حسینؑ نے فرمایا کہ اے میرے چچا خدا کے عذاب سے ڈرو اور اپنے لئے دعویٰ
 ایسی چیز کا مت کرو جس کا تمہیں حق نہیں ہے میں تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ تم بھلے جاہلون کے ہو۔
 اے میرے چچا میرے باپ صلوات اللہ علیہ نے مجکو یہ کہنے کے جانے سے وصیت کی تھی۔
 (یہ اشارہ ہے امام سلمہؑ کو کہ کتب سپرد کرنے اور سفارش کرنے کا چنانچہ باب سرخس میں لکھا)

اور اس نصیحت میں مجھ سے سفارش اور تاکید قبل ایک ساعت راہ خدا میں مقبول ہونے کے کی۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلاح میرے پاس ہیں جو انکی نشانی ہے جس تم اس امر کی طرف توجہ ست کرو مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں کوتاہی کرے اور تمہاری حالت کو آخرت میں یا دنیا میں بوجہ مسائل مشکل کے جواب سے عاجز رہنے کے پریشان کرے۔ اللہ تعالیٰ نے وصی اور امام بنجا اولاد حسینؑ میں رکھا ہے۔ اشارہ آیہ اولوالارحام سورہ احزاب کی طرف ہے جسکا بیان حدیث دوم باب چوتھ میں ہو چکا۔ اگر تم یہ جانتے ہو کہ مکو اطینان ہو جاے تو ہمارے ساتھ حجر اسود کے پاس چلو تاکہ ہم اوسکے سامنے اپنا قصہ بیان کریں اور جو کچھ تم نزاع کرتے ہو اوسکا سوال اوس سے کریں امام محمد باقرؑ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو ان دونوں میں کہ میں ہوئی تھی فانطلقا حتی اتیا الحجر الاسبغ فقال علی بن الحسینؑ محمد بن الحنفیہ ابدأ أنت فایتصل الی اللہ عزوجل فسأل ان ینطق لک الحجر فایتصل محمد فی الدعاء وسأل اللہ ثم دعا الحجر فلم یمجبه فقال علی بن الحسینؑ یا عم کو کنت وصیاً واما ما لاجابک قال له محمد فادع اللہ انت یا ابن اخی وسألہ فدعا اللہ علی بن الحسینؑ لما اردتہم قال اسألت بالذی جعل فیک میثاقاً والانبیاء ومیثاقاً لوصیاء ومیثاقاً للناس اجمعین لما اخبرتنا من الوصی والامام بعد الحسین بن علی قال فحزک الحجر حتی کاد ان یزول عن موضعه ثم انطقه اللہ بلسان عربی مبین فقال اللهم ان الوصیة والامامة بعد الحسین بن علی وفاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال فانصرف محمد بن علی وهو یتولی علی بن الحسینؑ یعنی دونو صاحب جگر حجر اسود کے پاس لئے (ظاہر یہ ہے کہ یہ معاملہ رات کو ہوا ہو گا تاکہ مخالف مطلع نہوں) اور بعض کا محمد بن حنفیہ کی طرف سے یہ نذر کرنا کہ یہ بیمار ضحیٰ ظاہر ہونے کے لئے تمہارا کچھ ٹھیک نہیں بقرینہ اسکے کہ اونہوں نے خلوت میں بھی معارضہ کیا تھا چنانچہ پہلے

یہاں ہوا پس علی بن حسین نے محمد بن حنفیہ سے کہا کہ تم اتنا کرو کہ دعویٰ بزرگتری کرتے ہو خدا کے
 ساتھ تصدق کرو اور اس سے درخواست کرو کہ تمہارے لئے حج کو گویا کرے۔ پھر حجر سے دریافت کرنا۔
 محمد بن حنفیہ نے دعویٰ تصدق کر کے خدا سے دعا کی کہ اپنے مطلب کی سزا عالی اسکے لئے حج کو پکارا تو اس نے
 پھر جواب فرمایا علی بن حسین نے کہا کہ اسے چاہا اگر تم وصی امام بنوئے تو تمکو یہ جواب دیتا۔ محمد بن حنفیہ نے
 اونسے کہا کہ اسے بھیجے تم بھی۔ اسنے خاکرو اور اس سے سوال کر دیا۔ پھر علی بن حسین نے بوجہ با خدا سے
 دعا کی اور حجر سے کہا کہ میں جبکو اونہات کی قسم دیکھ لو چھتا ہوں کہ جسے تجھ میں رسولوں کے پیمان رکھے ہیں
 جنھوں نے نبوت کے بعد رسالت کو پایا کہ اگر استطاعت رکھیں گے تو ہر سال تیرے پاس آئیں گے تاکہ لوگ
 مسائل میں کو اون سے لین اور پیر وی ظن کی نہ کریں۔ اور بعد انبیا کے اونکے اوصیا کے پیمان تجھ میں رکھے
 کہ اگر استطاعت رکھیں تو تیرے پاس ہر سال آئیں۔ اور پیمان مردم کو تجھ میں رکھا ہے کہ جب کبھی ملت العمر
 میں استطاعت ہو تو ایک بار تیرے پاس آئیں اور مسائل میں کو حاصل کریں اور جو لوگ نہ آئے ہوں انکو
 خبر دیں۔ تاکہ کوئی حکام امی میں پیر وی ظن نہ کرے۔ تو کچھ اور کام مت کر کہ یہ کہ ہمکو بلا کہ بعد حسین بن
 علی کے وصی امام کون ہے۔ امام باقر ؑ کہتے ہیں کہ حجر نے حرکت کی اور قریب تھا کہ اپنی جگہ سے نکل
 پڑے۔ بعد اسکے اوسکو اللہ تعالیٰ نے زبان عربی فصیح میں اس طرح کو پایا کہ وصی اور امام بنو بعد حسین بن علی
 و سپر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے تمہارے لئے ہے۔ امام باقر ؑ کہتے ہیں کہ پھر محمد بن
 علی چلے آئے اور علی بن حسین کو اپنا امام سمجھتے ہے۔

اس حدیث سے اور کچھ نہیں تو یہ بات بجز بی ثابت ہو گئی کہ محمد بن حنفیہ نے امامت کا دعویٰ کیا
 تھا اور مجرد دعویٰ کرنا اونکی کفر کے لئے کافی ہے۔ اگر بعد اسکے اونھوں نے امام بن العابدین کو امام
 سمجھا تو گویا وہ کفر سے تائب ہوئے مگر تھوڑے دن تک اونکے مترہنے میں تو شک و شبہ نہیں۔
 ابن زید شہید کا حال سنئے۔ کتاب الحجہ اصول کافی مسمیٰ بالصفا فی تصنیف ملاحظیل مطبوعہ نول کہ صفحہ ۱۱

ابو جعفر محمد بن نعمان اور ان تین کرتے ہیں کہ حضرت زید بن علی بن حسینؑ اور انھیں بلایا۔ اور اس وقت حضرت زید چھپے ہوئے تھے۔ میں اونکے پاس گیا تب حضرت نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی ہم میں سے خروج کرے تو تم اس کے ساتھ خروج کر گے میں نے کہا کہ اگر تمہارے باپ یعنی حضرت امام زین العابدینؑ یا تمہارے بھائی امام محمد باقرؑ خروج کریں تو میں اونکا ساتھ دوں گا تب زید شہید نے فرمایا کہ میں ہشام بن عبد اللہ بن علیؑ خلیفہ بنی امیہ پر خروج کرنا چاہتا ہوں تم میرا ساتھ دو۔ میں نے جواب دیا کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اور اسکا سبب یہ ہے کہ اگر دنیا میں امام معصوم مقرر فی الطاعة موجود ہے تو جو شخص تمہارا ساتھ نہ لے ناجی ہے اور جو تمہارے ساتھ خروج کرے وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بنا بر این مشق ظاہرست فسق زید و تابعان او در ان خروج کہ مبنی مست بر مذہب ظاہر الفساد و اکہ با فاطمی بودن اجتماد و خروج بسیف را شرط امامتے سترہ غرضکہ اس سے حضرت زید شہید کا فاسق ہونا اور اونکا ہشام بن عبد اللہ کے ساتھ خروج کرنا حضرت شیعہ کے پیشواؤں کے نزدیک ایسا گناہ تھا کہ وہ خود ہلاک ہونے والوں میں داخل ہیں اور جس کسی نے اونکا ساتھ دیا اور جو لوگ اونکے ساتھ شہید ہوئے وہ از روئے مذہب اہل تشیع کے اور بموجب اس و اس کے گنہگار اور ہلاک ہونے والوں میں سمجھے جاتے ہیں۔ اور اسکا سبب صرف یہی ہے کہ حضرت زید نے خروج کیا اور امامت کا دعویٰ فرمایا اور وہ درحقیقت امام معصوم مقرر فی الطاعة نہ تھے اور اونکا مذہب بھی از روئے مولیٰ اہل تشیع کے فاسد تھا کہ وہ صرف فاطمی ہونا امامت کی شرط نہ جانتے تھے بلکہ اسکے ساتھ اجتماد اور جہاد کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ غرضکہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرات شیعہ حضرت امام زین العابدینؑ کے اوس فرزند کو جس نے بنی امیہ پر خروج کیا اور جس نے شہادت کا درجہ پایا کس موند سے فاسق اور بوجہ دعویٰ امامت کے کافر سمجھے ہیں اور امامت کے اصول کو نسبت زید شہید کے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر درحقیقت امامت کی شرائط اور اسکے اصول

وہ ہیں جو حضرات شیعہ مانتے ہیں تو اس بات کو تسلیم کرنا ضرور ہے کہ یہ ستر ائمہ ہیں جن کو حضرت زید شہید
 نہیں سمجھے تھے۔ اور یہ وہ اصول ہیں جو حضرت امام زین العابدینؑ اپنے فرزند ولید زید کو نہیں بتائے تھے۔
 اور اسی لئے احوال کا جواب سن کر حضرت زید شہید متعجب ہو اور کہنے لگے کہ اے ابو جعفر میرے باپ کو مجھ سے
 ایسی محبت تھی کہ میں ان کے ساتھ کھانے پر بیٹھتا تو وہ گرم لقمے کو ٹھنڈا کر کے مجھے کھلاتے تاکہ گرم لقمے
 سے مجھے تکلیف نہ ہو۔ تو کیا مجھے وہ دوزخ کی آگ سے نڈراتے اور جن چیزوں میں آخرت کی نجات ہے
 انہی کو تجھے خبر کرتے اور مجھ سے نکلتے۔ گویا اس کہنے سے حضرت زید شہید نے احوال کی تکذیب کی اور ان
 اصول کو امامت کے جسے شیعہ مانتے ہیں باطل ٹھہرایا۔ اب فرا احوال کا جواب سنئے۔ کہ وہ زید شہید کے
 جواب میں فرماتے ہیں کہ اس لئے آپ کے باپ نے آپ کو خبر نہیں دی کہ انھوں نے خوف کیا ہوگا کہ اگر تم ان کی بات کو
 نہ مانو گے تو دخل جنہم ہوگا۔ اور مجھ سے کہا کہ اگر میں اسے نہ مانوں تو ان کو میرے دوزخ میں جانے کی
 کیا پروا ہے اس روایت کو کافی کی جو معتبرین کتب احادیث شیعہ سے ہے اور جبکا درج صحت کا خدا
 کی کتاب سے کم نہیں دیکھا کہ شخص متعجب ہوگا کہ امام نے اپنے ایک بیٹے کو تو امام بنایا اور اپنا وصی کیا
 اور اس کو معصوم اور مفترض الطاعت قرار دیا اور غیر دیکو اس کی طاعت کی ترغیب دی اور امامت کے
 اصول سمجھائے۔ اور دوسرے بیٹے کو نہ صرف ان چیزوں سے محروم رکھا اور وراثت سے
 خارج کیا بلکہ امامت کی حقیقت بھی نہ بتائی۔ اور یہ جبکو وصی قرار دیا تھا اور جو ان کے بعد امام ہو گیا
 تھا اس کی کیفیت سے آگاہ کیا بلکہ ان کو غفلت میں رکھا اور گمراہی کی راہ پر چلنے کے لئے کوئی رکب
 نہ رکھی جس کے سبب سے ایک بھائی نے دوسرے بھائی کے حقوق کو نہ پہچانا اور اسکے حقوق کا خیال رکھا
 بلکہ خود اس کا مدعی ہوا۔ اور امامت کا دعویٰ کر کے نہ صرف انکار امامت کی وجہ سے بلکہ امامت
 کے دعوے کے سبب کا فر اور محمدؐ نے النار ہو نیکا مستحق ٹھہرا۔ اور باوجود اسکے کہ ایسی روایتوں
 کی تصدیق کرتے ہیں اور ان اصولوں کو مانتے ہیں اور ائمہ کے حقیقی بھائیوں کو اصول امامت سے

بے خبر سمجھتے ہیں اور امام کو اپنے بیٹوں سے بھی گویا ایک نوعِ نقیبہ باز قرار دیتے ہیں۔ اور پھر صحابہ پر حضرت
 خلافت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں اور انکو منکرِ نصابِ امامت کہتے ہیں۔ جبکہ حضرت امام زین العابدینؑ نے
 اپنے فرزند ولید نور نظر پارہ جگر زید شہید کو امامت کی حقیقت نہ بتائی اور اسکے اصول سمجھا سے
 اور انکے بعد جو امام ہوئے والا تھا اسکی اطاعت کے لئے ہر امتِ نصرانی جسکا نیت یہ ہوا کہ اونھونے
 امامت کا دعویٰ کیا اور خروج فرمایا اور شہید ہوئے جسکو موافقِ اصول شیعوں کے کہنا چاہیے کہ ہلاک
 ہوئے یا خود کشی کی۔ تو ایسے فرقے سے کیا تعجب ہے کہ وہ صحابہ کو انکارِ خلافت کی وجہ کا فرار و فرار
 کو ہی خیال کرے کہ یہ اعتقاد صرف ابو جعفر احوال کا تھا اور اوس کے نزدیک حضرت زید شہید فاسق تھے
 بلکہ یہی خیال حضرت امام جعفر صادقؑ کا تھا۔ اسلیے کہ جب احوال نے حضرت زید شہید سے ملنے اور اس
 طور سے گفتگو کرنے کا ذکر امام جعفر صادقؑ سے کیا تو اونھونے اسکی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ تم نے
 خوب ہی زید کو پکڑا اور آگے اور پیچھے اور اوپر اور نیچے کہیں بھی کوئی راہ اونکے نکلنے کی نہ چھوڑے۔ اس
 صاف ظاہر ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے نزدیک بھی زید شہید کا خروج ناجائز تھا اور انکے ساتھی ہالک
 اور مستحقِ دوزخ تھے۔ نو خود باللہ من فرک۔ جیسا کہ شرحِ اصول کافی مسمیٰ ابصافی کی کتاب الحجۃ بین
 خلیل کافی کی حدیث کے ترجمے میں فرماتے ہیں کہ احوال کہتے ہیں کہ پس حج کہ دم پس حکایت کرد
 امام جعفر صادقؑ را بشنخ نبرد و آنچه گفتہ اورا۔ پس گفت مرا کہ فتی اورا از پیش او و از پس او و از جانب
 است او و از جانب دست چپ او و از بالائی او و از زیر قدمای او و و انگذشتی برای او را ہی کہ آبان او رود۔
 یہ گفتگو جو در میان احوال اور حضرت زید شہید کے ہوئی یہ اس زمانہ کی ہے جبکہ اونکے الٰہی زور کو
 حضرت امام زین العابدینؑ اور انکے بھائی امام محمد باقرؑ وفات پا چکے تھے اور امام جعفر صادقؑ انکے
 بھتیجے امامت پر تھے۔ اس لئے کہ ملا خلیل کافی میں کہتے ہیں کہ احوال ذکر امام محمد جعفر صادقؑ نکرد و لغرض
 پدر و برادر کتفا کرد و براسی تقیہ و خوف افشا چہ بر امام رفتہ گرفتار نیست و خروج زید و صدقہ و کتب

ہو۔ ورنہ انتقال امام محمد باقرؑ از در دنیا و صلوات چارہ ہجری بودہ۔ اس سے تو صرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ امام جعفر
 صادقؑ کی امامت کے منکر تھے لیکن ایک دوسری روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زید شہید
 اپنے بھائی امام محمد باقر کے بھی امامت کے منکر تھے۔ اور نہ صرف منکر تھے بلکہ جو شرائط امام میں ہونے کے
 نزدیک ہونی چاہئیں وہ اونہیں نہ تھیں۔ اور اس امر کو کچھ اونھوں نے پوشیدہ نہ رکھا تھا بلکہ خود امام باقرؑ
 نے خفا ہو ہو کر انکا امامت کی قابلیت نہ رکھنا اونکے موندہ پر کھدیا تھا۔ جیسا کہ کافی میں لکھا ہے
 کہ حضرت زید شہید اپنے بھائی امام محمد باقرؑ کے پاس آئے اور اونکے پاس چند خطوط کو فیون کئے تھے۔
 جس میں لکھا تھا کہ آپ کو فدہ کو آئیے۔ آپ کے لئے لشکر جمع ہے اور بنی امیہ پر خروج کیجیے۔ حضرت
 امام باقرؑ نے کہا کہ یہ خطوط ابتدا میں کو فیون کی طرف سے ہمارے حق کی پہچان کے اور ہمارے
 قرابت کے جو رسول اللہ سے ہے اور ہماری دوستی اور اطاعت کے فرض ہوئی جیسا کہ وہ خدا کی کتاب میں
 پاتے ہیں۔ پھر یہ بھی امام باقرؑ نے فرمایا کہ امام مقرر حق الطاقہ ایک ہی ہوتا ہے تمام رشتہ داروں
 میں سے پیغمبر کے۔ اور خدا ایتالی عبر و تفسیر کا حکم دیتا ہے اونکو اوس زمانہ میں جبکہ ظالموں کا تسلط
 ہو۔ اور امام حسینؑ کے بعد سے تا محمدی آخر الزمان تمام امام مامول بصبر ہیں۔ اور خدا نے اوسکے
 لئے ایک وقت مقرر کیا ہے۔ اور محمدی موعود کے زمانہ تک صبر لازم ہے۔ پس باید کہ سبک عقل نکلند
 البتہ قرآن مجید کے آئینوں پر جو بیت رب العالمین از رو بدستی کہ ایشان صلا قائدہ نمی رسانند در دفع از تو خدا بی ا
 از جانب اللہ تعالیٰ کہ در قیامت باشد برای اینکه اگر امام نہ ہو دی چرا خروج کردی پس پیش از وقت کاری کن
 و پیش گیری کن در حکم پیغمبری اللہ تعالیٰ کہ عاجز کند ترا محنت پس بنید از در ترا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام
 باقرؑ حضرت زید کے ارادے کو نہ صرف برا سمجھتے تھے بلکہ اوسے عذاب الہی جانتے تھے۔ اور امام ہوئی
 حالت میں اونکے خروج کو قیامت کے مستحقِ ذلت اور سزا سمجھتے تھے۔ اور نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ اونھوں نے صاف
 صاف اپنے بھائی زید سے کہ بھی فرمایا۔ یہ سنکر حضرت زید غضبناک ہوئے اور اپنے بھائی سے کہنے لگے کہ تم امام نہیں ہو

بلکہ میں امام ہوں کیونکہ تلوار لیکر خروج کرنا امامت کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے جو مجھ میں ہے تم میں
اور امام وہ نہیں ہے جو گھبر میں بیٹھا رہے اور اپنے اوپر پرے لشکراے رکھے اور جہاد سے بچتا رہے۔
بلکہ امام وہ ہے کہ جو اپنے ملک کو ضرر سے بچائے اور خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ چنانچہ الفاظ کافی میں
فغضب زید عند ذلك ثم قال ليس الامام منا من جلس في بيتنا وارخ
ستاره وتباطعنا الجهاد ولكن الامام من منع حوضه وجاهد في سبيل الله جميعا
ورفع عن رعبته وذبح عن حميه اور ملا خلیل نے اسکی شرح میں فرماتے ہیں اور سکے یہ الفاظ میں بس نہیں بنا
شذریہ نزد آن۔ ایسا بایکے تو امام نہیں ہوتا اور امام بیازان سے ایکے خروج بسیف کی از شرط امامت
آن درین مست نہ در تو گفت نیست امام از جمله اہل بیت رسول کسیکہ نشستہ فائے خود و آوخت پردہ
خود را و کارہ سزا از جہاد و امر ترک جہاد کرد و لیکن امام از کسی مست کہ نگہداری کرد و از ضرر مملکت خود را
و جہاد کرد و در راہ اللہ اتالی و دفع کرد و ضرر را از رعیت خود و از ضرر را از نگاہ دشمن خود۔ سپر امام باقر نے
فرمایا کہ اے میرے بھائی تم اپنے علم یقینی سے کیا اس بات کو جانتے ہو کہ تم میں امامت کے وہ خواص
ہیں جسکو تم نے اپنے نفس سے منسوب کیا ہے۔ اگر ہے تو خدا کی کتاب یا سنت پیغمبر سے اور سکو پیش کر دو۔
یا پچھلے زمانہ میں کوئی امام ایسا گذرا ہو کہ اسکی صفات تمہارے موافق ہوں اور یہ کہ جب تک تلوار
لیکر اوس نے خروج کیا ہو تو وہ امام نہ ہو۔ اور اوس حالت میں نہ امام سے خالی رہا ہو۔ اگر خروج با
امامت کے لئے ضروری ہے تو لازم آتا ہے کہ امام بن العابدین امام نمون یا ادنیٰ رسالت نبی
پیغمبر خدا یا مور بجا نہ تھے اور غار میں پوشیدہ ہوئے تھے رسول نمون۔ چنانچہ اصل عبارت شرح
کافی یہ ہے۔ پس گفت امام محمد باقر ایما می شناسی بعل یقینی امی برادر من از خودت چیزے را اسبیت
داوی نفس و را بوی آنکہ خواص امام باشند پس آوری برای چیز گوہی یقینی را از کتاب اللہ تعالیٰ یا برہان
یقینی را از سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یا زنی بان چیز مثل اللہ تعالیٰ در ایام گذشتہ کسی امام کہ در ہا

کہ صفات او موافق صفات تو باشد مثل نیکو جہل با حکام الہی دست تہ باشند و اجہتا دکند۔ موثلاً اینکہ مادامیکہ
 خروج نبیہف نکرده باشد امام نباشد و زمانہ خالی از امام باشد و چون خروج کند امام شود پس لازم آید کہ
 حضرت بن کھمین امام نباشد و ایضاً رسول علیہ السلام در او اہل رسالت تامور بجا بود و در غار چہاں شد
 امام نباشد۔ و ایضاً مملکت امام کل روی زمین است جہا دکل از رسول واقع نشد و مثال اینہا در انبیای
 سابق و اوصیای ایشان بسیار است چہ بدرستیکہ اللہ تعالیٰ حلال کردہ جنس حلال را حرام کردہ جنس حرام
 را حرام و حکما ت کتاب خود لازم کردہ لازمی چند را وزدہ بنیاد چند را برای ائمہ حق ائمہ باطل طریقت خود
 زدہ در ستم حق و باطل ترتیبی چند را و نگذاہنیدہ امامی را کہ ایستادہ است بامارت اللہ تعالیٰ در
 حرا چندہی از اختلاف و پیروی ظن بہت چہ در ان صحیح است در اینکہ مجتہد امام نیست تامباد کہ
 سبقت گیرد بر اللہ تعالیٰ بکارے بیش از ان جائے تا آن کار با جہتا دکن در راہ او پیش از حصول
 اہل آن جواد۔ یعنی شرح اصول کافی صفحہ ۴۴۹ و ۴۵۰۔

پھر بعد از بہت سی اوان کے اور بہت سی نصیحتوں کے حضرت امام باقر نے فرمایا کہ کیا تم
 ابو بکر و عمر و عثمان کے طریقوں کی تجدید کرنا چاہتے ہو۔ جنہوں نے رسول خدا کی مخالفت کی
 اور اپنی راسی اور اجہتا د کے تابع ہوئے اور خلافت کا دعویٰ کیا بغیر اسکے کہ ان کے پاس
 کوئی دلیل خدا کی جانب سے یا کوئی وصیت رسول کی طرف سے ہوتی۔ اور پھر فرمایا کہ اے میرے بھائی
 میں خدا سے تجھے پناہ دلاتا ہوں کہ تو کتنا سہ میں سولی دیا جائے چنانچہ اصل عبارت کافی کی یہ ہے۔
 اتريد يا اخي ان تجيي مله قوم قد كفر ابايات الله وعصوا رسوله واتبعوا
 اهلهم بغير هدى من الله وادعوا الى الخرافة بلا برهان من الله ولا هدى
 من رسوله اعينك يا الله يا اخي ان تكون هذا المصلوب بالكناسة ثم
 ارفضت عيناه و سالت دموعه ثم قال الله بيننا وبين من هتك ستورتنا

و محمدنا حقنا و اقصی سترنا و لسبنا الی غیر جلدنا و قال فینا ما لم نقله فی انفسنا
اور اسکا ترجمہ مائیل صاحب یہ فرماتے ہیں۔ ایامی خواہی کہ تجدید کنی طریقت جمعی کہ منکرہ شدہ آیات
محکمات اللہ تعالیٰ رکہ در انہا نمی از اختلاف پیروی ظن ہست مراد ابو بکر و عمر و عثمان سائر ائمہ صلا
ست کہ مخالفت کردند رسول اور تابع شدہ ایہامی و جہت ادوات خود را بی راہنہائی از جانب اللہ تعالیٰ
و دعویٰ کردند خلافت رسول را بی برہائی از جانب اللہ تعالیٰ و نہ وصیتی از جانب رسول او نہا میدیم
ترا باللہ تعالیٰ امی برادر از نیکہ واقع در روزگار امام محمد باقر نے شروع ہو کر روزگار امامت امام جعفر صادق
شد بعد از ان اشک او چشم امام محمد باقر جاری شد شکہامی اول بعد از ان گفت اللہ تعالیٰ قاضی است
میان ما و میان جمعی کہ دریدند پرودہ مارا۔ بیان شرک ائمہ ضلالت و جمعیکہ بر راہ ایشان می روند باشند
و منکرہ انستہ شدہ حق مارا کہ اطاعت باشند خواہ درام بصبر و تقیہ و خواہ در غیر آن و فاش کردند راز
مارا کہ دعویٰ امامت باشند و نسبت دادند مارا بنیبر مرتبہ بزرگی با بنیعی کہ باعث این شدہ مذکورہ سال
صد و چہل ہجری نامہ اردولت حق نشود چنانچہ آید در حدیث اول باب ہشتاد و یکم و گفتند در خبر
را کہ گفتیم در خود اشارت باینست کہ خیال ایشان اینست کہ ما با وجود فتناسی سر را وہ خروج داریم
و این باعث آزار مای شود و حال آنکہ ارادہ آن نہ داریم تا وقت ظهور مہدی موعود۔

یعنی یہ کہ امام باقر کی آنکھوں سے پانی جاری ہونے لگا اور فرمانے لگے کہ خدا فیصلہ کرے گا
ہے ہمارے درمیان اور اون لوگوں کے جنھوں نے ہماری پرودہ درمی کی اور اون لوگوں کے کہ جو
اونکی راہ پر چلتے ہیں اور ہمارے حق و اطاعت جو او پر فرض ہے او سکے منکرہ ہیں۔ یا صبر و تقیہ
جسکا حکم ہے اسکے سبب ہم پر انکار کرتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت اس بات کا ہوگا کہ
حضرت زید شہید دعویٰ امامت تھے۔ اور امام باقر کی امامت سے منکرہ۔ اور امام باقر اپنے بھائی زید
دعویٰ امامت اور خروج بالسیف کے سبب قیامت کے دن مستحق عذاب آہی جائے تھے اور اون

ابوبکر و عمر و عثمان کے طریقوں کے تجزیہ کرنے والا اور منجملہ ائمہ ضلالت سمجھتے تھے۔

اب یہ امر دیکھنا ہے کہ حضرات علما، امامیہ حضرت زید شہید کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس دعویٰ امامت کی نسبت جو انہوں نے کیا تھا کیا فرماتے ہیں۔ اور باوجود اس دعویٰ کے، اوگوسفق اور کفر سے کیونکر بچاتے ہیں۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ عملاً اعتقاد حضرات سنیہ کا نسبت حضرت زید شہید کے اچھا ہے اور اوگوسفق حضرت امام محمد باقرؑ کے افضل اور صاحبِ سر و عبادت سمجھتے ہیں۔ اور دعویٰ امامت کی نسبت فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے لئے نہیں کیا بلکہ وہ اپنے بھائی امام محمد باقرؑ کو امام سمجھتے تھے۔ اور اوگوسفق اپنی امامت کے لئے نہ تھا بلکہ اس سے سبب ہی دوسرا تھا۔ جناب مولانا مولوی دلدار علی صاحب رحمہ اللہ اثنا عشریہ کے جواب میں جس میں زید شہید کے دعویٰ امامت کا ذکر ہے فرماتے ہیں۔ کہ شیخ مفید در ارشاد خودی فرمایا کہ زید بن علی بعد امام محمد باقر افضل برادران و صاحبِ سر و عبادت و فقاہت بودہ و سخاوت و شجاعت موصوف۔ و خروج بشمشیر نمودہ و امیر ہجرت و نبی از منکر می کرد و طلب خون جناب سید الشہداء می نمود۔ و بسیارے از شیعیان اعتقاد با امامت او داشتند و نشانہ این اعتقاد آہنا این بود کہ چون دیدند کہ او خروج بشمشیر نمود و دعویٰ میکرد بطرف الرضا من آل محمد لمان کردند کہ مراد ازین صرف نفس خودش است و چنین نبود چہ او عارف بود بانیکہ منصب امامت حق برادر بزرگوار او جناب امام محمد باقر است و او وصیت کردہ بود در آخر وقت بحضرت صادق۔ و سبب خروج او این بود کہ روزی پیش ہشام بن عبد الملک کہ خلیفہ وقت بود رفت خلیفہ فرمود باہل شام کہ در مجلس حاضر بودند کہ جناب در مجلس تنگی نمایا کہ زید تا پیش خلیفہ نرسد زید گفت کہ: هیچ ایک از بندگان خدا فوق این نیست کہ وصیت بقومی نماید و من ترا وصیت می کنم بہ برہنہ گاری۔ ہشام گفت کہ تو خود را از اہل خلافت می ہنزاری و حالانکہ تو از اہل ولایتی۔ زید گفت ہا در جناب حضرت اسمعیل ام ولد بودہ و آل بنی مہدی نبوت نزدیک خدا فوق ترا ہر تہ خلافت است۔ و چون ہشام زید را از لشکر خود بیرون کرد زید در

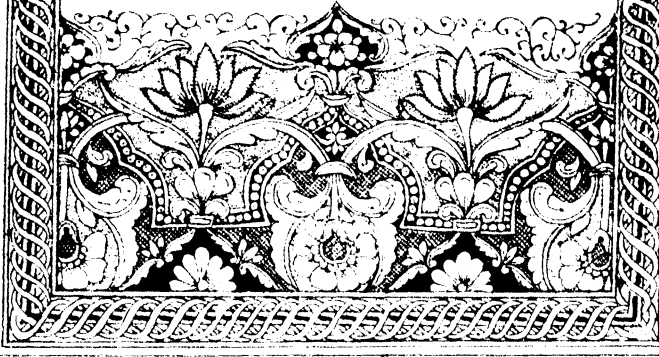
کو فائدہ خروج نمود و مردان بسیار باو معیت کر ذہر و آخر لفظ حسیث نمودند و او شدید شد و چون خبر شہادت او جناب صادق سید بسیار غلگین لول گردید و کسانیکہ باز یہ شدید شد وہ ذہر کے نیار پور شد آٹھما حضرت صادق از مال خود تقسیم نمود۔ انتہی و چون عبد الکاذب الغاوری میان ہشام بن اسمعہ ہشام بن عبد الملک امتیاز نمودہ این مناظرہ را بر مناظرہ امامت رضا باغیب حسر نمودہ انتہی۔

گرچہ جناب قبلہ و کعبہ نے حضرت زید شیبہ کو کفر سے بچانے کے لئے بہت کوشش کی مگر اس بات کے ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہوئے کہ حضرت زید شیبہ نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور نہ اس امر کے ثبوت پیش کرنے میں کہ حضرت زید شیبہ امام محمد باقر کو امام سمجھتے تھے۔ بلکہ یہ دیکھنے اور نہ روایتوں کے جو بعض اصول کافی سے اور نفس کین میں قبلہ و کعبہ کی تفسیر پر یہ عقول الذخیرین بدلت شدت بکل حشیش صادق آتا ہے۔ اور حضرت زید شیبہ کا اباہ و ہائز ہونے اور یہ شہادت پر منکر امامت سمجھنا ایک ایسا قول ہے جو ان تاریخی واقعات سے بہرہ پایہ ثبوت پر چھوٹے ہوئے دین مطابق نہیں ہو سکتا۔ اور ایک یہ شدید کچھیا غیبیہ کون سا امام ہے جسکی اولاد نے اپنے لئے امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ حیا خیر زید شیبہ کے بعد ان کے بیٹے تھے، و امام موسیٰ کاظم کے بعد ان کے فرزند زید بہیم و زید بن اسحاق بن حسن شنی اور ان کے بیٹے عبد القدر اور ان کے فرزند محمد تقی برفلس زکیر و زید بہیم بن عبد القدر اور زکریا ابن محمد باقر اور محمد بن عبد شہن اسین بن الحسن اور محمد بن ابی اسمعہ بن الحسن اور عبی بن عمر زعمیر نے اولاد میں سے امام کرم کے امامت کا دعویٰ کیا اور اکثر نے خروج فرمایا اور شدید ہو گیا۔ ان تاریخی واقعات کی تکذیب ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ اختلاف جو امامت کے مسئلہ کو چھوٹے چڑاؤر جسکے سبب شیعوں کے بہت سے فرقے ہو گئے وہ سب اس بات پر شاہد ہیں کہ امام علیہم السلام کی اولاد نے کبھی امامت کو اصول دین سے نہیں سمجھا۔ اور نہ منکر امامت کو

مثل منکر نبوت کے خیال کیا۔ اگر ائمہ کرام کی اولاد کا یہ عقیدہ ہوتا کہ امامت مثل نبوت کے ہے اور
 ہر امام نے اپنے بعد ایک ہی کو اپنی اولاد میں سے امام بنایا اور اوسے کے لئے امامت کی وصیت
 فرمائی۔ اور ہر ایک امام اپنی اولاد کو اوس وصیت سے اطلاع دیتا رہتا اور مستکرامت کے
 مثل منکر نبوت کے کافر ٹھہراتا تو کیا ممکن تھا کہ ائمہ کرام کی اولاد اظہار اپنے باپ کی وصیت
 نمانتی اور امام برحق کو امام برحق سمجھتی۔ اور خود امامت کا دعویٰ کرتی۔ وہ اختلاف جو
 امامت کے مسئلہ سے شیعوں میں ہوا ہے اور جس سے بہت سے فرقے اس مذہب میں ہو گئے
 ہیں نمودار اور نہ اتنے مختلف فرقے پیدا ہوتے۔ حالانکہ اختلاف کی یہ کیفیت ہے کہ ایک فرقہ
 یہ کہتا ہے کہ حضرت علی کے بعد اونکے بیٹے محمد بن حنفیہ امام ہیں اور یہ کیسا نیہ فرقہ ہے۔ پھر محمد
 بن حنفیہ کے بعد یہ اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ اذکا انتقال ہی نہیں ہوا۔ اور بعض اونکے
 انتقال کے قائل ہیں۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ امامت اونکے بیٹے ابو ہاشم کو منتقل ہوئی۔
 اور جو لوگ محمد بن حنفیہ کو امام نہیں سمجھتے بلکہ حسنین کو اونہیں یہ اختلاف ہے کہ
 بعض امام حسن کی اولاد میں امامت کو منتقل سمجھتے ہیں اور اونکے بیٹے عبداللہ اور اونکے بعد
 محمد۔ پھر اونکے بھائی ابراہیم کو امام سمجھتے ہیں۔ اور محمد اور ابراہیم وہ ہیں جنہوں نے خلیفہ منصور کے
 زمانے میں خروج کیا تھا اور شہادت پائی تھی۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ بعد حضرت امام حسینؑ امام
 حسنؑ کی اولاد میں امامت کبھی منتقل نہیں ہوئی۔ اور جسے دعویٰ کیا وہ کافر ہے اور امام
 حسینؑ کے بعد اونکے فرزند امام بن العابدین امام برحق ہیں پھر اونکے بعد بھی اختلاف ہے۔ زیدؑ کے
 فرزند زید کی امامت کے قائل ہیں اور اونکا یہ عقیدہ ہے کہ بنی فاطمہ میں سے جو شخص خروج
 کرے اور عالم زہد شجاع اور سخی ہو وہ ہی امام مقرر الطاعت ہے۔ پھر امام جعفر صادقؑ
 کے بعد بھی امامت میں اختلاف ہے کیونکہ اون کے پانچ بیٹے تھے محمد و اسمعیل و عبداللہ و موسیٰ

وعلیٰ۔ انہیں سے ہر ایک کی امامت کا علیحدہ علیحدہ فرقہ معتقد ہے۔ بعض محمد کی امامت کے قائل ہیں جسکو عمار یہ کہتے ہیں۔ بعض اسماعیل کی امامت کے معتقد ہیں اور باپ کے سامنے اونکی موت کا انکار کرتے ہیں اور یہ فرقہ مبارکیہ کہلاتا ہے۔ پھر انہیں سے بعض ایسے ہیں کہ انہیں یہ امامت کو ختم کر کے رحبت کے قائل ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اونکی اولاد میں آج تک امامت کے سلسلے کو جاری رکھتے ہیں اس فرقے کا نام اسماعیلیہ ہے۔ اور بعضے عبد اللہ کی امامت کے قائل ہیں اور اونکی موت کے بعد اونکی رحبت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور بعضے موسیٰ کو امام برحق سمجھتے ہیں اس لئے کہ آپ کے دادا نے فرمایا ہے کہ تم میں ساتواں امام قائم ہے اور وہ صاحب توریت کے ہمنام ہوگا۔

غرضکہ اسی طرح اس مسئلہ امامت میں صرف اس وجہ سے اختلاف ہے کہ کسی امام کی اولاد نے بالاتفاق کسی خاص ایک امام کی امامت پر اتفاق اور امامت کے دعوے سے احتراز نہیں کیا۔ صرف حضرات اثنا عشری حضرت علی سے لیکر تا حضرت امام مدنی علیہ السلام کے بارہ اماموں کے معتقد ہیں اور اونکے عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ باقی اور امام زادے جنہوں نے امامت کا دعویٰ کیا یا امام برحق کو امام نہیں مانا وہ سب کے سب نفوذ باللہ کا منہ اور منہ لہنے الٹا رہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بحث فدک

اب ہم اصل بحث فدک کی شروع کرتے ہیں اور اس میں ان باتوں کو بیان کریں گے۔

(۱) فدک کی حقیقت۔ اور اسکے حدود۔ اور اسکی آمدنی۔

(۲) فدک کیونکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا۔

(۳) فدک کی معنی اور اس کا مصرف۔

(۴) فدک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو مہیہ فرمایا تھا یا نہیں۔

(۵) حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فدک کے مہیہ کا دعویٰ حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا تھا یا نہیں۔

(۶) میرا شکے دعویٰ کی حقیقت۔

فدک کی حقیقت اور اسکے حدود اور اسکی آمدنی

قاموس میں لکھا ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے خیبر میں۔ اور مصباح اللغۃ میں لکھا ہے

کہ وہ ایک بلدہ ہے جو مدینے سے دو روز کی راہ پر ہے اور خیبر سے ایک منزل۔ اور

لسان العرب میں ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے جازین اور ازہری کہتے ہیں کہ وہ ایک گاؤں

ہے خیبر میں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ حجاز کے ایک طرف میں واقع ہے۔ اوسمیں چھٹے تھے اور کجور کے درخت اور خدانے اوسے اپنے پیغمبر پر فتنے کیا تھا۔ اور مراد الاطلاع علی اسما والاکنۃ والبقاع مطبوعہ جرمنی کی جلد دوم صفحہ ۳۳۷ میں ہے کہ فدک ایک گاؤن ہے حجاز میں مدینے سے دو یا تین دن کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور اوسے خدانے اپنے رسول کو فتنے کیا تھا۔ اسلئے کہ صلیح حاصل ہوا تھا۔ اوسمیں چھٹے تھے اور کجور کے درخت۔ اور معجم البلدان یا قوت حموی میں ہے کہ فدک ایک گاؤن ہے حجاز میں مدینے سے دو دن کی راہ پر اور بعض روایت میں تین دن کی راہ پر۔ اور یہ گاؤن ہجرت کے ساتویں سال صلحاً نصف پر آنحضرت صلعم کے ہاتھ میں آیا تھا۔ اور اوسمیں بہت سے چھٹے پانی کے اونٹوں کے درخت تھے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کی جلد ششم صفحہ ۱۲۰ میں لکھا ہے کہ فدک ایک قبصے کا نام ہے اوسمیں اور مدینے میں تین دن کا فاصلہ ہے۔ قاضی نور الدین سبکی احقاق الحق میں فرماتے ہیں کہ صاحب الباطل الباطل کا یہ کہنا کہ فدک خیبر کے گاؤن میں سے ایک گاؤن تھا جھوٹ ہے اسوجہ سے کہ صاحب جامع اصول نے مالک بن انس سے روایت کی ہے کہ عمرؓ نے جو جنتین بیان کیں اونہیں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ کے لیے صفا یا بنی نضیر اور خیبر اور فدک کا ثلث تھا۔ اور جناب مولانا سید ولد ارطغرلی صاحب عباد الاسلام کے دسویں باب کی فصل اول میں شرح پنج البلاغت ابن ابی الحدید معتزلی سے نقل کر کے فدک کی حقیقت وہی بیان فرماتے ہیں جو قاضی صاحب نے بیان کی ہے۔

فدک کے حدود جو کچھ حضرات شیعہ نے بیان کئے ہیں اور اوسکی حد بندی کا قصہ اونہوں نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔ سلاباقر مجلسی بحار الانوار کی آٹھویں جلد کتاب الفتن صفحہ ۱۷۱ میں فدک کی حد بندی کی نسبت بسند عبدالسد بن سنان حضرت امام جعفر صادقؑ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبریلؑ آئے اور کہا اے محمدؐ اوٹھو خدا می تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اپنے پروسے

فذک کی حد بندی کر دوں۔ آپ جبریل کے ساتھ اوٹھ کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر میں لوٹ آئے۔ اور حضرت سیدہ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ جبریل نے میرے لیے اپنے پروانے فذک کی حد بندی کر دی ہے۔

ہمکو افسوس ہے کہ کوئی روایت حضرات امامیہ نے کسی امام کی طرف سے ایسی بیان نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا کہ جبریل امین نے اپنے پروانے سے جو حد و فذک کے مقرر کیے تھے وہ اوسی قریے یا بلدے کے تھے جو ایک گاؤں مدینے سے دو دن یا تین دن کی راہ پر ہے۔ یا وہ حد و مقرر کیے تھے جن کا ذکر حضرت امام موسیٰ کاظم کی روایت میں ہے۔ جسکی ایک حد عدن اور دوسری سمرقند اور تیسری افریقہ اور چوتھی سمندر جو آرمینیا سے ملتا ہے ہے تھی۔ اور جسکی نسبت ہارون رشید نے کہا تھا کہ یہ تو سب دُنیائے ہے۔ اور یہ وہ روایت ہے جسے اب ہم بیان کرتے ہیں۔

بحار الانوار میں مناقب ابن شہر آشوب سے ملا باقر مجلسی نے نقل کیا ہے کہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم سے کہا کہ آپ فذک لے لیجیے حضرت نے انکار کیا۔ اور جب کبھی ہارون رشید اونسے فذک کے لیے کہتا تو وہ انکار ہی کرتے۔ آخر جب اونسے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اوسے نہ لوں گا جب تک مع اپنے حدود کے مذا جاؤں۔ ہارون رشید نے کہا اچھا اوسکے حدود بتلاؤ۔ امام نے فرمایا کہ اگر میں نے اوسکے حدود بتائے تو تم ہرگز نہ لوگے۔ ہارون رشید نے کہا قسم ہے تمھارے نانا کی ضرور دوں گا۔ تب امام نے کہا کہ پہلی حد اوسکی عدن ہے۔ یہ سنکر ہارون رشید کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر امام نے کہا کہ دوسری حد اوسکی سمرقند ہے۔ یہ سنکر ہارون رشید کا چہرہ ٹٹمانے لگا۔ پھر امام نے کہا کہ تیسری حد اوسکی افریقہ ہے۔ یہ سنکر ہارون رشید کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ پھر امام نے فرمایا کہ چوتھی حد اوسکی سمندر کا کنارہ ہے جو آرمینیا سے ملتا ہے۔ تب ہارون رشید نے کہا کہ آپ نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نچھوڑا۔ امام نے کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میں فذک کے حدود

بتاؤ گا تو تم کبھی نہ دو گے۔ اسی پر ہارون رشید نے امام کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ اس روایت کو لکھ کر پھر ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ ابن اسباط کی روایت میں پہلی حد او سکی عرش صحر اور دوسری دو متہ الجندل اور میسری احد اور چوتھی سمندر بیان کی تھی۔ اسپر ہارون رشید نے کہا کہ یہ سب دنیا ہے۔ اسپر امام نے کہا کہ یہ سب یہودیوں کے قبضے میں ابوالہ کے مرنے کے بعد تھی۔ پس اوسکو خدا و رسول نے اپنے لیے نئے بغیر جنگ وجدل کے کر لیا۔ اور خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ حضرت فاطمہ کو دیدر۔

ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ یہ دو نوحد بندیاں جو بیان کی گئیں اوسکے خلاف ہیں جو لغت نویسون نے بیان کیں ہیں اور پھر اس کا جواب ملا صاحب یہ دیتے ہیں کہ شاید مراد امام کی یہ ہے کہ یہ سب فدک کے حکم میں داخل ہیں اور گویا دعویٰ اون سب پر تھا۔ اور فدک کا نام صرف مثلاً اور تغلیباً تھا۔ (صفحہ ۱۰۱۰ بحار الانوار کتاب الفتن مطبوعہ ایران)

یہ روایت متعلق حدود فدک کے جو حضرات شیعہ بیان کرتے ہیں اوسے سننے اسلئے بیان کیا کہ گویا وہ فدک اور خلافت کو مراد سمجھتے ہیں یعنی جہاں تک مسلمانوں کا قبضہ تھا وہ فدک کے حکم میں داخل تھا۔ اور حضرت فاطمہ اوسی کا مطالبہ فرماتی تھیں۔ مگر فدک جیسا کہ ہم اپنی روایتوں سے اوپر بیان کر چکے ایک موضوع ہے اور اوسکے حدود و محیط سب گاؤں کے معین اور معلوم ہوتے ہیں سب جانتے تھے۔ پیغمبر خدا صلعم نے اوس کا انتظام اونھیں لوگوں کے سپرد کر دیا تھا جن سے صلماً لیا گیا تھا۔ اور یہ قرار پایا تھا کہ جو کچھ پیدا ہوا وہیں سے نصف وہ لوگ لے لیا کریں اور نصف آنحضرت صلعم کو دیر یا کریں چنانچہ مطابق اسکے ہر سال پیغمبر خدا صلعم کی طرف سے کچھ لوگ جاتے اور تمینہ کر کے آنحضرت کا حصہ نصف لے آتے۔ اور جو غلہ وہاں سے آتا اوسے حضرت اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ کر باقی مسلمانوں کو تقسیم کر دیتے۔

مگر حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ اوسکی آمدنی ہر سال چوبیس ہزار دینار تھی جیسا کہ ملا باقر مجلسی

حیات القلوب میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اہل فدک کے ساتھ تعہد کر لیا تھا کہ وہ ہر سال چوبیس ہزار دینار دیا کریں کہ اس زمانے کے حساب سے تقریباً تین ہزار چھ سو تومان (لکھ ایرانی) ہوتے ہیں اور صاحب تشیید المطاعن کہتے ہیں کہ بحساب ہندوستان کے ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اس کا ہوتا ہے۔ اور صاحب تشیید المطاعن نے لکھا ہے کہ ابوداؤد اپنی سنن میں لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز بجز خلیفہ ہوئے تو اس وقت فدک کی آمدنی چالیس ہزار دینار تھی۔

فدک کیونکر آنحضرت صلعم کے قبضے میں آیا

فتح الباری کی جلد ششم صفحہ ۱۳۹ میں لکھا ہے کہ نام صحابہ مغازی نے فدک کے آنحضرت صلعم کے قبضے میں آنیکا قصہ یہ بیان کیا ہے کہ فدک کے باشندے یہودی تھے جب خیبر فتح ہو گیا تو ان لوگوں نے آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں امن دین ہم شہر کو چھوڑ کر چلے جاویں گے۔ اور ابوداؤد نے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیبر کے کچھ باقی لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے انھوں نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ آپ ہمارا خون معاف کر دیجیے اور ہمیں چلے جائیگی اجازت دیدیجیے آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسکو اہل فدک نے سنا اور انھوں نے بھی ایسا ہی معاملہ کیا۔ اور ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم بقیہ اہل خیبر کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اوسی اثنا میں فدک والوں سے اور چند معین گاؤں والوں سے صلح ہو گئی۔

تفسیر کبیر صفحہ ۲۷۱ مطبوعہ مصر میں آیہ مَا آتَاكُمُ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْكُمْ لَكُمْ تان نزول میں لکھا ہے کہ یہ آیت فدک کے متعلق ہے اسلئے کہ فدک کے باشندے جلاوطن کر دیے گئے تھے اور ان کے سب گاؤں اور مال بغیر لڑائی کے رسول اللہ صلعم کے قبضے میں آ گئے تھے۔ اور فدک ہی کے غلے میں سے آنحضرت صلعم اپنا اور اپنے عیال کا خرچ نکال کر باقی کو مہتیاروں وغیرہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔

۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

نے کیا تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب آپ خیمہ میں نازل ہوئے اور اوسکے قلعون کو فتح کیا اور اوسین کوئی نہ یا صرف ایک تہائی لوگ رکھنے اور اوپر حصار کی سختی ہوئی تو انھون نے رسول اللہ کے پاس آدمی بھیج کر پوچھا کہ اوسکے جلا وطن ہونے پر اؤکو اجازت دیرین آپ نے اسکو منظور کر لیا۔ پھر یہ خبر اہل فذک کو پہنچی تو انھون نے آپ کی خدمت میں قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ ہم سے نصف اموال اور ثمار پر صلح کر لین آپ نے اسکو بھی منظور کر لیا۔ تو یہ سب وہ صورت جسپر گھوڑون اور شترون کی دوڑ نہیں ہوئی ایسے یہ خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوئی۔

اور بخارا الانوار میں بروایت امام جعفر صادقؑ فذک کے قبضے میں آنحضرت کے آنے کی کیفیت اسطرح لکھی ہے کہ ایک جہاد میں رسول اللہ صلعم تشریف لینگے جب آپ اوس سے لوٹے اور راستے میں کسی جگہ ٹھہرے اور اور لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے کہ آپ کے پاس جبریلؑ آئے اور کہا کہ اسی محمدؐ اٹھو اور سوار ہو لو۔ آپ سوار ہوئے اور جبریلؑ آپ کے ساتھ تھے اور آپ کے لیے زمین ایسی لپٹ گئی جیسے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں یہاں تک کہ فذک پر پہنچے جب اہل فذک نے گھوڑون کا آنا سنا تو انکو یہ خیال ہوا کہ اؤنکا کوئی دشمن چڑھ آیا انھون نے شہر کے دروازے بند کر دیئے اور شہر سے باہر ایک گھر میں ایک بوڑھیا رہتی تھی اوسکو کنجیانؑ وازون کی دیکر خود پہاڑون پر جا چڑھے۔ جبریلؑ بوڑھیا کے پاس آئے اور اوس سے کنجیان لیکر شہر کے دروازے کھولے۔ پیغمبر صاحبؐ نے اوسکے گھر گھر میں دورہ کیا۔ جبریلؑ نے کہا اسی محمدؐ یہ وہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے خاص آپ کو دیا ہے نا اور لوگوں کو۔ یہی معنی ہیں اس قول خداوندی کے مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ۔ پھر جبریلؑ نے دروازے بند کر دیئے اور کنجیان آپ کو دیدین۔ اور رسول اللہ صلعم نے اؤکو اپنے سیف کے غلاف میں رکھ لیا اور وہ غلاف آپ کے کپڑے میں معلق تھا۔ پھر آپ سوار ہوئے اور زمین آپ کے لیے لپیٹ دی گئی کہ آپ قافلے میں پہنچ گئے۔ اور لوگ اوس وقت تک اپنے مقامون پر بیٹھے ہی تھے

متفرق نہوے تھے اور نہ کہیں گئے تھے کہ اتنے میں آپ نے فرمایا کہ ہم فدک گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھی کو غنیمت میں اوسکو دیا ہے۔ منافقین نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کنجیان میں فدک کی اور انکو اپنے خلاف سیف میں سے نکال کر دکھلائیں پھر لوگ سوار ہوئے اور جب مدینے میں پہنچے تو آپ فاطمہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ امیر بیٹی تیرے باپ کو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں فدک دیا ہے اور وہ تیرے باپ ہی کے لیے خاص ہے نہ اور مسلمانوں کے لیے میں اوسمیں جو چاہوں سو کروں الخ۔

ملا باقر مجلسی تفسیر فرات بن ابراہیم سے روایت مذکورہ بالا سے بھی بڑھ کر ایک عجیب غریب روایت نقل کرتے ہیں جو انکے مذاق کے بالکل مطابق ہے۔ اور جس میں انکو گویا اس بات کا دکھانا ہے کہ فدک بدر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور بعد قتل بعض سرداران فدک کے قبضے میں پیغمبر کے آیا تھا اور اس سے ضمناً جناب امیر کا حق فدک پر ثابت کرنا منظور ہے وہ روایت یہ ہے کہ زید بن محمد بن جعفر علوی نے محمد بن مروان سے اور اوس نے عبید بن یحییٰ سے اور اوس نے محمد بن علی بن احسین سے یہ روایت کی ہے کہ جب ریل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت نے اپنے ہتھیار لگائے اور اپنی سواری پر زین کسا اور علیؑ نے بھی اپنے ہتھیار لگائے اور زین کھینچا پھر دونوں آدھی رات کو اوس طرف چلے جسے کوئی نہیں جانتا تھا اور جہان خدائے اولیٰ کو لیجانے کا ارادہ کیا تھا یہاں تک کہ وہ فدک میں پہنچے اوسوقت آپ نے علیؑ سے کہا یا تم مجھے اٹھا کر لیچلو یا میں نکلو اٹھا کر لیچلون۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ میں آپ کے اٹھا کر لیچلوں گا آپ نے فرمایا کہ نہیں میں نکلو لیچلوں گا پس آپ نے علیؑ کو اپنے بازو پر اٹھالیا اور لیچلے یہاں تک کہ قلعہ فدک کی شہنشاہ پر پہنچے اور وہاں سے علیؑ قلعے میں داخل ہوئے اور انکے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار تھی اور وہاں جا کر علیؑ نے اذان دی اور تکبیر کہی کہ قلعہ والے اوس آواز کو سن کر گھبرائے ہوئے دروازے پر نکل آئے اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ پھر انکے سامنے آنحضرت آگئے اور علیؑ بھی اونکی طرف پہنچے۔ پھر علیؑ نے

کہتے ہیں جو بغیر لڑائی کے خدا مخالفین سے مسلمانوں کو دلو آتا ہے۔ اسکی کئی صورتیں ہیں
 ایضا لظیفین اپنے وطنوں سے نکل جاوین اور انکو مسلمانوں کے لیے چھوڑ جاوین۔ یا جزیہ پر
 صلح کر لین جسکو ہر شخص کی طرف سے ادا کیا کریں۔ یا علاوہ جزیہ کے اور کوئی چیز خون ریزی
 کے فدیہ میں ملے جیسے کہ بنی نضیر نے آنحضرت صلعم کی صلح کے وقت کیا تھا کہ ہر تین آدمی ایک
 اونٹ کو علاوہ ہتھیاروں کے اور جس چیز سے چاہیں بھر لیں اور باقی ماندہ چھوڑ جاوین پس
 یہ باقی ماندہ مال فتنے ہے۔ یہی وہ مال تھا جسکو خدائے کفار سے مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔
 اور ضمیرہم کی ضمیرہ یہود اور بنی نضیر کی طرف پھرتی ہے۔ اور فضا و جفتمہ وجہت الفرس والبعیر
 بجفت وجفاد وجیفا سے ہے۔ وجفت کے معنی تیز روی کے ہیں جب کوئی شخص کسی کو تیز روی
 پر آمادہ کرے تب او جفت صاحبہ کہا کرتے ہیں۔ اور علیہ کی ضمیرہ جافاء اللہ کی طرف راجع ہے
 او من خیل وکلاب رکاب رکاب اونٹ کی سواری کو کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ اونٹ کے
 سواری کو رکاب کہتے ہیں اور گھوڑے کے سوار کو فارس۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ
 نے رسول اللہ صلعم سے درخواست کی تھی کہ جیسے اپنے مال غنیمت کو لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے
 ایسے ہی مال فتنے کو بھی تقسیم کر دیجیے۔ اسپر خدا تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں میں فرق بیان
 کر دیا کہ مال غنیمت وہ ہے جسکے حاصل کرنے میں تم نے محنت برداشت کی ہو اور گھوڑوں
 اور اونٹوں سے اسپر حملہ کیا ہو۔ اور فتنے اسکے خلاف ہے اسکے حاصل کرنے میں تمکو کچھ تھکان
 نہیں ہوئی ایسے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپردگی میں رہیگا وہ جہان چاہیں
 اسکو صرف کریں۔

اسی آیت کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ اگر یہ آیت متعلق اموال بنی نضیر کے
 ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انکے اموال لڑائی کے بعد ضبط کیے گئے تھے ایسے چاہیے
 کہ وہ مال غنیمت ہوں نہ منجملہ مال فتنے کے۔ اور اس کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ مفسرین نے
 اسکو دو وجہ بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت بنی نضیر کی بستیوں کے متعلق نہیں ہے بلکہ مذکور کے

ممتعلق ہے۔ اور در سزا قول یہ ہے کہ اگرچہ بنی نضیر کے اموال کے متعلق ہے مگر جب اون سے لڑائی ہوتی تھی تب مسلمانوں کے پاس گھوڑوں اور اونٹوں کا کچھ سامان نہ تھا اور نہ کچھ ایسی مسافت قطع کرنی پڑی۔ وہ لوگ مدینے سے صرف دو میل تھے مسلمانوں سے زیادہ باوہان چل گئے صرف رسول اللہ صلعم اونٹ پر سوار تھے۔ اور لڑائی بھی بہت خفیف سی ہوئی اور گھوٹے اور اونٹ تو بالکل موجود ہی نہ تھے ایسے خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کے حاصل ہونے کو ویسا ہی قرار دیا جیسے بغیر لڑائی کے حاصل ہوتے ہیں اور یہ مال آنحضرت صلعم کے لیے خاص کر دیا۔ اسکے بعد ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان مالوں کو ہاجرین میں تقسیم کر دیا تھا۔ انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو دیا تھا جو حاجت مند تھے۔ ابو جہانہ اور سہل بن خنیف اور حارث بن صمہ۔

اون اموال کے متعلق جو رسول خدا صلعم کے ہاتھ میں آئے اور بعد آپ کے خلفاء اور ائمہ اوسپر متصرف ہوتے ضرور ہے کہ اونکے اقسام اور خفیف اور صرف کا بیان ذرا تفصیل سے کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ فہمے جسے کہتے ہیں اوس میں اور دیگر اقسام میں مثل غنیمت وغیرہ کے کیا فرق ہے اور ان اموال پر رسول خدا صلعم یا خلفاء اور ائمہ کا تصرف مالکانہ تھا یا متولیانہ چنانچہ اوسے ہم بیان کرتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اکثر صدقہ اور صدقات کا لفظ قرآن مجید اور احادیث میں آیا ہے اوسکے دو معنی ہیں ایک عام اور ایک خاص۔ کبھی وہ اپنے عام معنی میں اون اموال پر بولا جاتا ہے جو مسلمانوں کے مصالح اور انتظام لشکر اور دیگر کاموں میں صرف کرنے کے لیے تحصیل کیے جاتے ہیں۔ اور ان معنی میں صدقہ زکوٰۃ اور اموال لاوارث اور خمس غنیمت اور خراج اور فہمے وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اور کبھی مخصوص معنی میں اوسکا استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد صرف زکوٰۃ اور صدقہ اصطلاحی یعنی خیرات ہوتی ہے۔ اور وہ صدقہ جو اہمیت رسول پر حرام ہے وہ صدقہ مخصوص ہے یعنی زکوٰۃ اور خیرات۔

جو مال آنحضرت صلعم کے قبضے میں آتا اسکی تین قسمیں تھیں۔ زکوٰۃ۔ غنیمت۔ فتنے۔ زکوٰۃ پر صدقے کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کا ذکر سورہ توبہ میں ہے اور اسی میں زکوٰۃ کا مصرف بیان کیا گیا ہے۔ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو لڑائی میں ہاتھ آئے اور اسی کو بعض انفال بھی کہتے ہیں۔ اور اس کا ذکر سورہ انفال میں آیا ہے۔

زکوٰۃ کے مصرف کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهِمُ وَالْمَوْلَىٰ فَاتُوا بِمَوَدَّتِهِمْ فِي الرِّقَابِ وَالْغَرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاِنَّ السَّبِيْلَ طَفِرٌ لِّصَلٰةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَسِيْمٌ حَكِيْمٌ کہ صدقات کے مستحق صرف یہ لوگ ہیں فقیر یعنی وہ محتاج جو سوال نہ کرتے ہوں اور مسکین یعنی وہ محتاج جو شکیب مانگتے ہوں اور وہ لوگ جو تحصیل زکوٰۃ کے لیے مقرر ہوں اور وہ لوگ جن سے جہاد میں مدد ملتی ہو اور انکی تالیف قلب منظور ہو۔ اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض چلانے اور خدا کی راہ میں مثل جہاد وغیرہ کے مصرف کیا جاوے اور مسافروں کو دیا جاوے۔ پیغمبر صلعم پر صدقات کی تقسیم میں بعض منافقوں نے اعتراض کیا تھا کہ پیغمبر دولت مندوں سے مال لیتے ہیں اور اپنے اقارب اور اہل مودت کو اپنی مرضی کے موافق دیتے ہیں اور عدل کی رعایت نہیں کرتے۔ اس لیے خدا نے اس آیت میں صدقات کا مصرف بیان کر دیا کہ رسول کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ وہ اپنے لیے اور میں سے کوئی حصہ لیتے ہیں نہ او میں سے کوئی حصہ آپ کے اقارب اور عزیزوں کے لیے دیا جاتا ہے پیغمبر صرف اس کے امین اور خازن ہیں اور بموجب حکم خدا کے اسکی تقسیم کرنے والے۔ فَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَقُولُ مَا اَعْطَيْكُمْ نَشِيْئًا وَلَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا خَازِنٌ اَضَعُ حَيْثُ اَمَرْتُ اَكْرَهُ مِنْكُمْ نَهَى كَچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں میں صرف خزانچی ہوں جہاں حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتا ہوں۔ غنیمت کے متعلق سورہ انفال کے شروع میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے يَسْتَأْذِنُكَ عَنْ اَنْفَالٍ قُلِ لَا اَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَقَاتِلُوا لِلّٰهِ وَاصْلِحُوا اٰذَانَ بَيْتِكُمْ وَاَطِيعُوا لِلّٰهِ

۲
بعض منافقوں نے اعتراض کیا تھا کہ پیغمبر صلعم دولت مندوں سے مال لیتے ہیں اور اپنے اقارب اور اہل مودت کو اپنی مرضی کے موافق دیتے ہیں اور عدل کی رعایت نہیں کرتے۔ اس لیے خدا نے اس آیت میں صدقات کا مصرف بیان کر دیا کہ رسول کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ وہ اپنے لیے اور میں سے کوئی حصہ لیتے ہیں نہ او میں سے کوئی حصہ آپ کے اقارب اور عزیزوں کے لیے دیا جاتا ہے پیغمبر صرف اس کے امین اور خازن ہیں اور بموجب حکم خدا کے اسکی تقسیم کرنے والے۔ فَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَقُولُ مَا اَعْطَيْكُمْ نَشِيْئًا وَلَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا خَازِنٌ اَضَعُ حَيْثُ اَمَرْتُ اَكْرَهُ مِنْكُمْ نَهَى كَچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں میں صرف خزانچی ہوں جہاں حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتا ہوں۔ غنیمت کے متعلق سورہ انفال کے شروع میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے يَسْتَأْذِنُكَ عَنْ اَنْفَالٍ قُلِ لَا اَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَقَاتِلُوا لِلّٰهِ وَاصْلِحُوا اٰذَانَ بَيْتِكُمْ وَاَطِيعُوا لِلّٰهِ

وَرَسُولًا إِن كُنْتُمْ صَٰدِقِينَ یعنی پوچھتے ہیں تجھے امی محمد مال غنیمت کی نسبت کہہ
اوتنے کہ یہ اسدا اور اس کے رسول کا ہے۔ سوڈر واند سے آپس میں جھگڑا کرو۔ اسدا اور
اوس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان ولے ہو۔ یہ آیت بدر کی لڑائی میں جو غنیمت ہاتھ
آئی تھی اوس کے متعلق نازل ہوئی۔ چونکہ یہ پہلی ہی لڑائی تھی اور پہلی ہی غنیمت جم مسلمانوں
کو ہاتھ لگی تھی اسلئے اوسکی نسبت کچھ جھگڑا پیدا ہوا۔ اور جیسا کہ عالم التنزیل وغیرہ میں
بیان کیا گیا ہے جھگڑے کا سبب یہ تھا کہ زنا زبجا ہیت میں غنیمت کے مال کا یہ دستور تھا
کہ تقسیم ہونے سے پہلے سردار شکر جو چاہتا تھا اول اپنے لیے پسند کر لیتا اور اوسی پسند کی
ہوئی چیز کو صفی کہتے (جسکی نسبت صفایا کا لفظ مستعمل ہے اور جابجا اس بحث میں آیا ہے)
اور بروقت تقسیم کے چوتھے یعنی چہارم حصہ سردار لشکر کو دیا جاتا تھا باقی جو رہتا وہ لڑنے والوں
اور فتح کرنے والوں میں تقسیم ہوتا۔ اور اگر کوئی چیز خاص کسی شخص کے ہاتھ آئی تو وہ اوسکو اپنی
ملکیت سمجھتا۔ اور اسطور پر زبردست اور تو انگر لوگ غریبوں پر ظلم کرتے اور عمدہ اور اچھا
مال خود لے لیتے۔ مال غنیمت کی نسبت بھی انھیں خیالات سے کچھ جھگڑا پیدا ہوا۔ اور چونکہ
اسوقت تک مسلمانوں کے لیے غنیمت کے مال کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اسلئے
لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اسدا آپ جو تھ اور صفی (یعنی جو مال پسند آئے) غنیمت
میں سے لے لین اور باقی چھوڑ دین تاکہ ہم آپس میں تقسیم کر لین اسپر خدا نے یہ حکم بھیجا
کہ مال غنیمت کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ خدا اور خدا کے رسول کی ملکیت ہے کچھ جھگڑا کرو۔
واضح ہو کہ اللہ والی رسول سے یہ مدعا نہیں ہے کہ خدا کے لیے نصف حصہ ہو اور
نصف رسول کے لیے بلکہ اوس سے مراد ہے کہ وہ خدا کا مال ہے اور رسول اوس کا امین
اور تقسیم کرنے والا ہے۔ رسول کا نام لینے سے یہ مدعا نہیں ہے کہ رسول کی ذاتی ملکیت
اور خاندانی مالیت ہے بلکہ اسطرح کے کلام سے صرف خدا ہی کی ملکیت مراد ہوتی ہے اور
خدا کی ملکیت قرار دینے سے یہ مطلب ہے کہ کوئی خاص شخص او سپر دعویٰ نہیں کر سکتا

بلکہ خدا جس طرح پر حکم دیکھا اوس طرح پر کیا جائیگا۔ پھر اسی سورت کی یا یسویں آیت میں یہ حکم آیا وَاَعْلَمُوا مَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلَّهِ حُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ لَٰكُم مَّا رَزَقْتُمْ مِنْهُ فَذُرُوهُ زُرًّا وَلِرِجَالِ الْفُتُوٰحِ اُولَٰئِكَ حُمُسُهُمْ مِمَّا رَزَقْتُمْ مِنْهُمْ ۗ وَذٰلِكَ اَمْرٌ بِالْاَدْبَابِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰمٌ خَفِيّٰتٍ۔

یہ ہے جو قربت مندوں اور عزیزوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کی مدد پہنچانے اور اون کی حاجت بر لانے کے لیے ہے۔ گا۔ اور چار خمس اون لوگوں میں جو لڑتے تھے یا لڑائی کے متعلق کاموں میں مصروف تھے تقسیم کیا جائے گا۔

الفاظ لذی القربى والیتمی والمسکین وابن السبیل سے صاف اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ خمس غنیمت مثل ایام جاہلیت کے بحیثیت شکر کی سرداری کے آپ کی ذات خاص کے لیے خدا نے مقرر نہیں کیا بلکہ جاہلیت کی رسم کو مٹا کر خمس اس لیے مقرر کیا کہ وہ ذاتی ضرورت میں آپ کی اور آپ کے رشتہ داروں کے خرچ ہوا اور جو کچھ پیچھے وہ یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کیا جائے۔ اور اس میں خدا کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور تھا کہ اوسنے اپنے رسول کو صرف حفاظت اسلام اور صیانت مسلمانوں اور اعلا کلمتہ اللہ کے لیے کفار سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کا حکم دیا ہے ورنہ اوس کا رسول ملک گیری اور حصول سلطنت اور اخذ مال و متاع اور حب جاہ کے خیال سے برمی اور پاک ہے۔ اور اسی لئے مثل ایام جاہلیت یا دنیا کے عام سرداران لشکر کے نہ غنیمت میں اپنی ذات خاص کے لیے وہ کوئی حصہ لیتا ہے اور نہ اوس سے کوئی خانگی جائداد اور ذاتی ملکیت پیدا کرنی اوسے منظور ہے بلکہ جو حصہ غنیمت میں سے نکالا گیا ہے اوس میں تیمی اور مسکین اور ابن سبیل اور ذوی القربى سب شریک ہیں اور انھیں کی اعانت اور خبر گیری اور رفع ضروریات کے لیے وہ اوسکے تصرف میں بطور امین اور خازن کے رکھا گیا ہے۔ اور یہ وہ امر ہے کہ جسکو دیکھ کر دشمن ہادشمن اسلام کا بھی کسی قسم کی نفسانیت یا حب جاہ اور حصول ملکیت کا ذرا سا بھی الزام رسول پر نہیں لگا سکتا اور یقین کر سکتا ہے کہ اسلام سچا مذہب خدا کا ہے اور اوسکے احکام کسی کی ذاتی آسائش

اور آرام کے لیے نہیں ہیں اگرچہ وہ خدا کا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اور جو کچھ اوس کے نام سے
تصریح کیا گیا ہے وہ بھی اسلئے کہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی معمول ضرورت پوری کرنے
بعد وہ یتیموں اور یتیموں اور مسافروں کی خبر گیری میں خرچ کرے اپنے واسطے کچھ نہ رکھے
اور یہی وہ بات ہے جو آپ کی سیرت اور عادت اور عمل سے ظاہر ہے کہ جو کچھ خمس میں سے آتا
بعد اپنے اور اپنے اہل و عیال کے معمولی معاش کے سب کو آپ خدا کی راہ میں خرچ کر دیا
کرتے اور اہل کے لیے کچھ نہ رکھتے اور اگر کچھ رہ جاتا تو جب تک خدا کی راہ میں وہ خرچ نہ جاتا
آپ کو چین نہ آتا واللہ یعامر حیث یجعل رسالتہ

تفسیر صافی میں ہے کہ قل لا انفال لله والرسول مخصصة بجماعاً یعنی
حیث شاء کہ یہ مال غنیمت کا خدا اور خدا کے رسول سے مخصوص ہے کہ جہاں وہ چاہے
اور سے صرف کرے تمہذیب میں امام باقر اور امام جعفر صادق سے بیان کیا گیا ہے کہ ف
اور انفال اوس مال کو کہتے ہیں جو بغیر خون ریزی کے صلحاً حاصل ہوا ہو اور فئے اور
انفال ایک چیز ہے۔ فئے کے متعلق جو آیتیں ہیں وہ سورہ حشر میں بیان کی گئی ہیں۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْكُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ حَسْبِ
وَلَا کَآبٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہُ یَسْلِطُ رَسُوْلَہٗ سَلٰی مِنْ لِّیْشَآءِ وَّاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اِس آیت کا
مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا اپنے رسول پر فئے کرتا ہے یعنی کفار کا مال اوسے دلاتا ہے
اور میں تقسیم نہیں ہو سکتی اسلئے کہ تم اونٹ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کے لئے نہیں
گئے اور تم کو لڑائی نہیں کرنی پر وہی اسلئے اوس میں مثل غنیمت کے مال کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔
اسکے بعد دوسری آیت میں فئے کی تقسیم کا بیان ہے اور وہ یہ ہے مَا اَقَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ
مِّنْ اٰہْلِ الْقُرْبٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ
کہ جو فئے رسول خدا کو حاصل ہوا وہ خدا اور اس کے پیغمبر اور رشتہ داروں اور یتیموں اور
سکینوں اور مسافروں کے کام میں لانے کے لئے ہے۔

فدیہ کی نسبت بحث طلب امر یہ ہے کہ آیا وہ مالِ مختصرت صلعم کی ملک تھا اور وہ آپ کا ذاتی اور خانگی مال سمجھا جاتا یا وہ آپ کے اختیار میں تھا کہ خدا کے حکم کے مطابق اس کو کام میں لاتے اور جیسی صلحت ہوئی مسلمانوں کے فائزے اور دیگر ضروریات شرعی میں خرچ کرتے۔ جو بات آپ کی عادت اور صلحت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انصاف تو کر سکتے تھے لیکن بالامر۔ یعنی جہاں خدا کا حکم ہوتا تھا وہیں صرف فرماتے۔ مالک خود مختار نہ تھے کہ جسکو جی چاہتا دیدیتے اور جسکو نچا ہتا نہ دیتے۔ بلکہ اوسمیں ایسا انصاف کرتے تھے جس طرح غلام مامور ہوتا ہے کہ جہاں اوسکے مولیٰ کا حکم ہو وہاں صرف کرے۔ اور اوسکی تشریح خود آپ نے فرمادی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اپنی طرف سے نہ کسی کو دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ میں تو ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے دیتا ہوں اور جہاں نہیں ہوتا نہیں دیتا۔ اور جس طرح آپ فدیہ کے مال کو صرف فرماتے اوس سے بھی یہی بات نکلتی ہے اسلئے کہ جو کچھ اون زمینوں سے آتا جو فدیہ تھیں اوسمیں سے آپ اپنی ذات خاص کے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کے خرچ کے لائق لے لیتے اور باقی سوار یوں اور سامان لشکر کی تیاری میں صرف فرماتے فرض کہ فدیہ پر آپ کا انصاف متولیانہ تھا نہ مالکانہ۔ اور یہ فرمانا خدا کا کہ یہ رسول کے لئے ہے اوس سے مراد یہ ہے کہ اوسمیں کسی ذرے کا سا تھوہون میں سے حصہ نہیں ہو سکتا۔ اور غنیمت کے مال کی طرح اوسکی تقسیم ہو سکتی ہے وہ رسول کے قبضے میں رہے گا کہ اوسکو اسلام کے ضرورتوں اور لشکر کے کاموں اور اقارب اور یتامی اور مساکین اور محتاجین کی حاجت براری میں صرف کرے۔ اور چونکہ آپ کو کفار سے لڑنے اور صلح کرینکی ضرورت پیش آتی تھی اور اوسکے انتظام کے لیے مصارف کی بھی حاجت ہوتی اور غنیمت کے مال میں سے چار خمس لشکریوں پر تقسیم ہو جاتے تھے اور ایک خمس جو باقی رہتا وہ دیگر حوائج ضروری کے لیے کافی ہوتا اسلئے وہ مال جو بلا لڑائی دشمنوں سے لیا تھا آما خاص آپ کے اختیار

میں رکھا گیا کہ وہ ملکی ضرورتوں میں کام آئے۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ انفال اور فتنے میں وہ داخل ہیں جو بغیر لڑائی کے دارالحرب حاصل ہوں اور وہ زمین جسکے رہنے والے مکالمہ دیے گئے ہوں اور بغیر جنگ کے ہاتھ آئی ہو اور زمین اور جنگل اور بادشاہوں کی جاگیریں اور لاوارث کا مال یہ سب فتنے میں داخل ہے۔ اور وہ خدا اور اسکے رسول کا ہے اور بعد رسول کے اس کا جو اسکے قائم مقام ہو۔ اس حدیث کے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فتنے ذاتی اور خانگی ملکیت نہیں تھی بلکہ خاص اہتمام میں رسول کے مصالح ملکی کے مصرف کے لئے رکھی گئی تھی۔ اور اسی واسطے وہ بعد آنحضرت صلعم کے اسکے اختیار میں ہو جو آپ کا قائم مقام ہو۔ ورنہ جو الفاظ ”وہی للہ وللرسول ولمن قام مقامہ بعدہ“ کے جو حضرت امام جعفر صادق نے فرمائے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اور اصل حدیث کے الفاظ جو صافی میں منقول ہیں یہ ہیں ”وفی الجامع عن الصادقؑ الانفال کل ما اخذ من دار الحرب بغیر قتال وکل ارض انجلی اھلھا عنھا بغیر قتال وسمھا الفقھاء قبیئاً والارضون الموات والاحجام وبطون الاودیة وقطائع الملوک ومیراث من لا وارث لہ وہی للہ وللرسول ولمن قام مقامہ بعدہ“ اور پھر دوسری حدیث اوسی میں کافی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ”الانفال مال یوجب علیہ بخیل ولا رکاب واقوم صلحو واقوم اعطوا ابایدھم وکل ارض خریبة وبطون الاودیة فقہول رسول اللہ وهو للامم من بعدہ یضعہ حیث یشاء“ کہ انفال وہ مال ہے جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہو یا صلح سے یا لوگوں کے اپنے آپ لینے سے یا زمین غیر آباد اور جنگل سے۔ وہ خدا کے رسول کا ہے اور بعد اسکے امام کا کہ جیسا مناسب جانے خرچ کرے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انفال اور فتنے صرف متولیانہ بغیر کے اور ان کے بعد امام کے اختیار میں ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت امام جعفر صادق جو بقول شیعوں کے پیغمبر خدا صلعم کے ترکے میں تقسیم میراث کے معتقد ہو گئے

یہ فرماتے کہ انفال و فئے بعد رسول کے امام کا ہوتا ہے کیونکہ امام کا لفظ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بحیثیت قائم مقامی رسول و مال نامہ تک پہنچتا ہے نہ بحیثیت ترکہ اور میراث کے اور یہ بات تمام دنیا میں جاری ہے کہ شاہنشاہ سے لیکر ایک چھوٹے سے رئیس تک جو صاحب ملک ریاست ہو وہ دو حیثیتیں رکھتا ہے۔ ایک ذاتی اور خانگی دوسری سلطنتی اور ریاستی۔ پہلی حیثیت کے لحاظ سے جو جائیداد اونکے قبضے میں ہوتی ہے وہ انکا ذاتی مال ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے جو جائیداد اور خزانہ اور خراج اور دیگر قسم کی عام آمدنی ہوتی ہے وہ سلطنت اور ریاست کے متعلق سمجھی جاتی ہے اور اسکی آمدنی بیت المال میں داخل کیجاتی ہے۔ جسکو اس زمانے میں ایسٹ پراپرٹی اور پبلک ٹریزری کہتے ہیں۔ پہلے مال میں میراث باضابطہ جاری ہوتی ہے۔ اور دوسرے مال پر اس کے قائم مقام کا قبضہ ہوتا ہے اور وہ مطابق اصول معینہ اور قواعد مقررہ اور احکام جاریہ کے تصرف کرتا ہے۔

آیوا علموا انما غنمتم من شئء میں جہان خمس کے مصرف کا بیان ہے وہاں صاحب تفسیر صافی یہ لکھتے ہیں وفي الکافی عن الرضا انه سئل عن هذا الاية فقيل له فما كان لله فلمن هو فقال للرسول الله وما كان للرسول الله فهو للاهمل حضرت امام موسیٰ رضا سے کسی نے پوچھا کہ آیہ ان لله خمسہ وللرسول میں جو حصہ خدا کا ہے وہ کس کا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ رسول کے لیے ہے اور جو رسول کے لیے ہے وہ امام کے واسطے ہے۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ مال ذاتی اور خانگی رسول کا نہیں تھا اور نہ بحیثیت میراث تقسیم ہو سکتا تھا بلکہ وہ امام کو پہنچتا ہے کیونکہ امام رسول کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور تفسیر قمی سے اسی میں بیان کیا گیا ہے کہ سہم الله وسہم الرسول بئرثہ الامام۔ خدا اور رسول کے حصے کا وارث امام ہوتا ہے۔ اور امام کے لیے ہونیکا سبب یہ ہے کہ جو باتیں غیر امام کو کرنی پڑتی تھیں یعنی مسلمانوں کی مدد اور قضا دیون اور فراہمی سامان لشکر و مصارف حج و جہاد وہ امام کو کرنی پڑتی ہیں کما قال القمی والخمس یقسم علی ستة اسہم سہم الله

وسم رسول الله وسم للامام فسم الله وسم الرسول بيته الامام فيكون للامام ثلاثة
اسمهم من ستة وثلاثة اسمهم لا يتام ال الرسول ومساكينهم وابناء سبياهم وانما
صارت للامام وحده من الخمس ثلاثة اسمهم لان الله تعالى قد الزمه بما الزم النبي
من مؤنة المسلمين وقضاء ديونهم وحمائمهم في الحج والجهاد۔

تفسیر منہج الصادقین میں ذیل آیه ما آفأ الله علی رسول الخ کے لکھا ہے کہ نئے اور
مال کو کتے ہیں جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے بغیر لڑائی کے اور سواروں نے
اوپر حملہ کیا ہو اور یہ مال پیغمبر کے لیے ہوتا ہے اونچی زندگی میں اور بعد اونکے اوس
آدمی کے اختیار میں جو اللہ دین سے اونکا قائم مقام ہو اور اونکو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں
دین اور جس کام میں مناسب جانیں صرف کریں اور یہ قول امیر المؤمنین کا ہے۔ چنانچہ اوسکے
الفاظ میں ہے۔ سوم فئے است (یعنی منجملہ اموالیکہ اللہ وولادہ دران تصرف دارنم) وآن مالی
است کہ از کفار مسلمانان منتقل شود بدون قتال وایجاب خیل و رکاب وآن رسول را ہند
در حیات وی و بعد از وی کسی را کہ قائم مقام وی باشد از اللہ دین وایشان بہر کس کہ خواہند
دہند و بہر جہ صلیح باشد صرف نمایند و این قول امیر المؤمنین ست صلوات اللہ وسلامتہ علیہ
اور یہ قول جو جناب امیر المؤمنین کا صاحب تفسیر منہج الصادقین نے نقل کیا ہے یہ بھی صاف صاف
اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ نئے کے مال پر تصرف رسول کا متولی نہ تھا نہ مالکانہ۔ اور آپ کے بعد
اوسکی تقسیم میراث کے طور پر نہیں ہو سکتی تھی بلکہ وہ آپ کے قائم مقام اور امام وقت کے اختیار
میں رہتا تھا۔ اور صاحب تفسیر منہج الصادقین نے ایسے آگے یہ لکھا ہے کہ ابن عباس و عمر
و فقہای ما براندہ کہ مستحان فئے و خمس بنو ہاشم انداز فرزند ان ابوطالب و عباس۔ اور
اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء امامیہ فئے کو ذاتی مال رسول کا یا امام کا نہیں سمجھتے بلکہ
وہ اوس کا مستحق تمام بنی ہاشم کو سمجھتے ہیں جس سے مراد اولاد ابوطالب اور اولاد عباس ہے
نہ صرف بنی فاطمہ۔ قطع نظر وایتوں اور اقوال اور حدیثوں کے خود قرآن مجید سے معلوم

ہوتا ہے کہ فئے کا مال کسی کی ذاتی ملکیت اور خانگی جائیداد نہیں ہو سکتا اسلئے کہ آیہ مآ
 افلا للہ علی رسولہ من اهل القرۃ میں جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ فئے خدا اور رسول اور تابعی اور
 مساکین اور مسافرن کے صورت کے لیے ہے اور نہیں یتامی اور مساکین اور ابن سبیل کا شریک کہنا اسلئے
 ہے کہ یہ مال ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی خبر گیری کے واسطے ہے۔ اور یہ مثل اسکے
 ہے کہ بادشاہ اپنے کسی صوبے کے حاکم کو آمدنی پر اختیارے اور اسکے مصارف بتائے۔
 بلاشبہ اوس حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ جو کچھ اوسکی ذات کے لیے مقرر ہے وہ اوس میں سے
 نکال کر باقی آمدنی کو اپنی اے اور صوابدیر کے مطابق اون مصارف میں صرف کرے جو
 اوسکے بادشاہ نے بتائے ہیں نہ یہ کہ اوسکے اختیار میں آمدنی ملک کی دینے سے مطلب
 ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی جائیداد سمجھے اور بلا پابندی احکام بادشاہ کے جہاں چاہے خرچ
 کرے اور اوسے بطور میراث کے اپنے دئے پر تقسیم ہونے کے لیے چھوڑ جائے۔ اسلئے
 فئے کو خدا نے پیغمبر کے اختیار میں دیا اور اوسکے مصارف بتائے کہ اپنی ذاتی ضرورتوں میں
 صرف کرنیکے بعد جو کچھ بچے وہ رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے کام
 میں خرچ کرے اگر یہ منظور نہ ہوتا اور مالکانہ قبضہ مراد ہوتا تو صرف لفظ للرسول کا ارشاد ہوتا
 اور یتامی اور مساکین اور ابن سبیل اسکے شریک نہ کئے جاتے۔ اور اسی امر کو آگے چل کر خدا نے زیادہ
 صراحت سے بیان کر دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے کیلا یكون دولة بین الاغنیاء منکم کہ یہ
 حکم ہمنے اسلئے دیا ہے کہ مال فئے مالداروں ہی کے ساتھ مخصوص نہو جائے کہ دست بہت
 اونہیں پھرتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ فئے کا مال ذاتی ملکیت کسی کا ہو جا
 اور ابا عن جید ایک سے دوسرے کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ تفسیر منہج الصادقین میں اسی آیت
 کے ذیل میں لکھا ہے کہ حق سجانہ آئرا یعنی فئے را خاصہ پیغمبر گردانید و قسمت آن ابرو جہیکہ
 مذکور شد مقرر ساخت و فرمود کہ برین طریق کہ حکم فئے نمودیم کیلا یكون تا نباشد آن فئے
 دولة آن چیزیکہ متداول باشد دست بہت گردان بین الاغنیاء منکم میان توانگران

اول
 دیکھو کہ
 یہ
 ہے
 کہ
 فئے
 خدا
 اور
 رسول
 اور
 تابعی
 اور
 مساکین
 اور
 مسافرن
 کے
 لیے
 ہے
 اور
 نہیں
 یتامی
 اور
 مساکین
 اور
 ابن
 سبیل
 کا
 شریک
 کہنا
 اسلئے
 ہے
 کہ
 یہ
 مال
 ذاتی
 ملکیت
 نہیں
 ہے
 بلکہ
 ان
 لوگوں
 کی
 خبر
 گیری
 کے
 واسطے
 ہے۔
 اور
 یہ
 مثل
 اسکے
 ہے
 کہ
 بادشاہ
 اپنے
 کسی
 صوبے
 کے
 حاکم
 کو
 آمدنی
 پر
 اختیارے
 اور
 اسکے
 مصارف
 بتائے۔
 بلاشبہ
 اوس
 حاکم
 کو
 اختیار
 ہوتا
 ہے
 کہ
 جو
 کچھ
 اوسکی
 ذات
 کے
 لیے
 مقرر
 ہے
 وہ
 اوس
 میں
 سے
 نکال
 کر
 باقی
 آمدنی
 کو
 اپنی
 اے
 اور
 صوابدیر
 کے
 مطابق
 اون
 مصارف
 میں
 صرف
 کرے
 جو
 اوسکے
 بادشاہ
 نے
 بتائے
 ہیں
 نہ
 یہ
 کہ
 اوسکے
 اختیار
 میں
 آمدنی
 ملک
 کی
 دینے
 سے
 مطلب
 ہوتا
 ہے
 کہ
 وہ
 اپنی
 ذاتی
 جائیداد
 سمجھے
 اور
 بلا
 پابندی
 احکام
 بادشاہ
 کے
 جہاں
 چاہے
 خرچ
 کرے
 اور
 اوسے
 بطور
 میراث
 کے
 اپنے
 دئے
 پر
 تقسیم
 ہونے
 کے
 لیے
 چھوڑ
 جائے۔
 اسلئے
 فئے
 کو
 خدا
 نے
 پیغمبر
 کے
 اختیار
 میں
 دیا
 اور
 اوسکے
 مصارف
 بتائے
 کہ
 اپنی
 ذاتی
 ضرورتوں
 میں
 صرف
 کرنیکے
 بعد
 جو
 کچھ
 بچے
 وہ
 رشتہ
 داروں
 اور
 یتیموں
 اور
 مسکینوں
 اور
 مسافروں
 کے
 کام
 میں
 خرچ
 کرے
 اگر
 یہ
 منظور
 نہ
 ہوتا
 اور
 مالکانہ
 قبضہ
 مراد
 ہوتا
 تو
 صرف
 لفظ
 للرسول
 کا
 ارشاد
 ہوتا
 اور
 یتامی
 اور
 مساکین
 اور
 ابن
 سبیل
 اسکے
 شریک
 نہ
 کئے
 جاتے۔
 اور
 اسی
 امر
 کو
 آگے
 چل
 کر
 خدا
 نے
 زیادہ
 صراحت
 سے
 بیان
 کر
 دیا
 ہے
 جیسا
 کہ
 فرماتا
 ہے
 کیلا
 یكون
 دولة
 بین
 الاغنیاء
 منکم
 کہ
 یہ
 حکم
 ہمنے
 اسلئے
 دیا
 ہے
 کہ
 مال
 فئے
 مالداروں
 ہی
 کے
 ساتھ
 مخصوص
 نہو
 جائے
 کہ
 دست
 بہت
 اونہیں
 پھرتا
 ہے
 اور
 یہ
 اسی
 صورت
 میں
 ہو
 سکتا
 ہے
 جبکہ
 فئے
 کا
 مال
 ذاتی
 ملکیت
 کسی
 کا
 ہو
 جا
 اور
 ابا
 عن
 جید
 ایک
 سے
 دوسرے
 کو
 پہنچتا
 ہے۔
 چنانچہ
 تفسیر
 منہج
 الصادقین
 میں
 اسی
 آیت
 کے
 ذیل
 میں
 لکھا
 ہے
 کہ
 حق
 سجانہ
 آئرا
 یعنی
 فئے
 را
 خاصہ
 پیغمبر
 گردانید
 و
 قسمت
 آن
 ابرو
 جہیکہ
 مذکور
 شد
 مقرر
 ساخت
 و
 فرمود
 کہ
 برین
 طریق
 کہ
 حکم
 فئے
 نمودیم
 کیلا
 یكون
 تا
 نباشد
 آن
 فئے
 دولة
 آن
 چیزیکہ
 متداول
 باشد
 دست
 بہت
 گردان
 بین
 الاغنیاء
 منکم
 میان
 توانگران

از شما کہ بان مکارثت کفینہ و بقوت و غلبہ زیادہ از حق خود بردارید و نقرارانہ کہ وہید یا محرم سازیم
چنانکہ در زمانہ جاہلیت بود اسکے بعد مفسر موصوف لکھتے ہیں کہ خطاب باہل ایمان ست غیر
از پیغمبر و اہل بیت وی صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ لیکن اس قول کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ
اس کا مطلب ہے کہ یہ مال پیغمبر یا اہل بیت میں سے کسی کا ذاتی ہے کہ اوس میں کچھ و میراث
جاری ہو سکے اور ہمارے قول کی تصدیق اوس قول سے بھی ہوتی ہے جو علم الہدی کا
تفسیر منہج الصادقین میں نقل کیا گیا ہے کہ ذمی القربی سے بھی مراد امام ہے نہ عام قرابت ار
اسلئے کہ امام پیغمبر کا قائم مقام ہوتا ہے اور فتنے اوسکے اختیار میں ہونا چاہیے جیسا کہ وہ
لکھتے ہیں کہ از علم الہدی نقل ست کہ ذمی القربی کہ بصورت مفرد واقع شدہ دلالت میکند برانکہ
مراد از ان امام ست کہ قائم مقام پیغمبر ست چہ اگر مراد جمع می بود ذمی القربی واقع می شد۔

اور صاحب مجمع البیان اپنی تفسیر میں ذیل آیکیل لیکون دولة بین الاغنیاء
منکم کے لکھتے ہیں کہ الدولة اسم للشیء الذی ینتد اولہ القوم بینہم یکون لہذا امرۃ
ولہذا امرۃ ای لثلاث لیکون الفیء متدا و لایین الرءساء منکم یعمل فیہ کما کان یعمل فی الجاہلیتہ
وہذا خطاب للمؤمنین دون اہل بیتہ علیہم السلام و فی ہذہ الایۃ اشارۃ الی ان
تدبیر الامۃ مفضول الی النبی والی الائمة القائمین مقامہ ولہذا انقسم رسول اللہ
اموال خیر و من علیہم فی رقابہم واجلی بنی النضیر و نبی قینقاع و اعطاهم شیئا من
النال و قتل رجال بنی قریظۃ و سبب ذراریہم و نسائہم و قسم اموالہم علی المهاجرین و من
علی اہل مکہ یعنی اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کا کہ تدبیر امت کی نبی اور ائمہ کے جو
نبی کے قائم مقام ہوں سپرد ہے اسی لئے رسول اللہ صلعم نے اموال خیر کو تقسیم کیا اور انکی
جانوں کے باب میں اونپر احسان کیا اور بنی نضیر اور بنی قینقاع کو کچھ مال دیکر جلا وطن کر دیا۔
اور بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا اور اونکے بچوں اور عورتوں کو قید کیا اور انکے اموال
کو مهاجرین پر تقسیم کیا۔ اور اہل مکہ پر احسان فرمایا۔

ان اقوال مذکورہ بالا سے یہ بات صاف ثابت ہوتی ہے کہ فتنے کا مال عنینت کے مال سے صرف اس بات میں فرق رکھتا ہے کہ اوہین کسی دوسرے کا حصہ عنینت کے مال کی طرح نہیں ہوتا۔ اور وہ رسول خدا صلعم کے اختیار میں رکھا گیا تھا تا کہ اوہین آپ متولیانہ قابض رہیں۔ اور خدا کی مرضی اور حکم کے مطابق اوہین کام میں لاوین۔ بعد آپ کے خلیفہ وقت اور امام زمان کے قبضے اور اختیار میں دیا گیا تا کہ وہ بھی اوہین مصارف میں اوہین صرف کریں جس میں رسول خدا صلعم صرف فرمایا کرتے تھے۔ اور اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فتنے کے مال میں بسبب اسکے کہ وہ ذاتی ملکیت آپ کی نہ تھی میراث جاری نہیں ہوتی تھی۔ اور چونکہ فذک اموال فتنے میں سے تھا اس لئے اگر آنحضرت صلعم کے متروکہ میں بالفرض میراث بھی جاری ہوتی اور میراث کے حکم عام سے آپ کی ذات مبارک مستثنیٰ بھی نہوتی تاہم فذک بوجہ ہونے ذاتی ملکیت کے تقسیم اور اجراء احکام میراث سے مستثنیٰ رہتا

اسی سے بعض دورانہ پیش امامیہ نے فاطمہ کے دعویٰ فذک کو میراث پر محدود رکھنا مناسب نہ جانے اسکا ہبہ کیا جانا اور فاطمہ کا دعویٰ ہبہ کرنا پیش کیا حالانکہ آنحضرت کا فذک پر فقط متولیانہ قابض ہونا نہ مالکانہ خود ہبہ کو باطل کرتا ہے کیونکہ ہبہ بغیر قبضہ مالکانہ ممکن نہیں ہے۔ مگر ہم اس سے قطع نظر کر کے دیکھتے ہیں اور اسے ایک ایسی تاریخی سلسلے سے بیان کرنا مناسب ہے جس سے معلوم ہو کہ حضرات امامیہ کے متقدمین اور متاخرین علمائے اسکی نسبت شیعوں کی روایتوں سے کیا کیا ثبوت پیش کیا ہے۔

بحث متعلق ہبہ فذک

اسکے متعلق جو کچھ شیعوں کے اون بزرگوں نے لکھا ہو چکا زمانہ ائمہ کرام کے قریب تھا وہ ہماری نظر سے نہیں گذرا مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ زیادہ مفصل ہوگا۔ ہجوہانک علم ہے سب سے اول کتاب حسین یہ بحث تفصیلاً بیان کی گئی ہے وہ شافی ہے۔ جسکو جناب سید مرتضیٰ ملقب بعلم الہدیٰ نے قاضی عبدالجبار کی کتاب مغنی کے جواب میں لکھا ہے

یہ کتاب غالباً چوتھی صدی کے اخیر یا پانچویں صدی کے شروع میں تالیف ہوئی ہے۔ اسلئے کہ اس کے مؤلف ۸۵۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۹۳۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ ۸۵۰ھ ہجری میں یہ کتاب ابران میں چھاپی گئی اور اسکی نسبت یہ لکھا گیا۔ وہو کتاب لویات بمثلہ احد من الانام فی سالف الشہور والاعوام وکلیاتون ابلد ولوکان بعضہم لبعض ظہیر لان اجدادہ الطاہرین کانوالہ فی نصرۃ لہم ہادیاً ومویداً ونصیراً کہ یہ ایسی بے مثل کتاب ہے کہ جسکے مانند گذشتہ زمانے میں کوئی نہ لکھ سکا اور نہ آئندہ لکھ سکیگا اسلئے کہ اسکی تصنیف میں اللہ کرام مصنف کے اجداد کی تائید اور مدد تھی۔

اسی کتاب شافی کے مضامین کو بہ ترتیب جدید شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی نے لکھا اور اس کا نام تلخیص شافی رکھا۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مؤلف نے خاتمے پر لکھا ہے ۳۳۰ھ ہجری میں لکھی گئی۔ اسکی تعریف میں بھی یہ لکھا گیا ہے وہو کا صلاہ لویات مصنف ولامؤلف بمثلہ علی رد العلماء العامة العمیاء کہ یہ بھی مثل اپنی اصل کے بے مثل ہے کسی مصنف اور مؤلف نے ایسی کتاب کو چشم علماء اہل سنت کے رد میں نہیں لکھی۔

اسکے بعد کتاب کشف الحق ونج الصدق لکھی گئی جو تصنیف ہے لسان المتکلمین سلطان الحکما المتاخرین علامہ جمال الدین ابو المنصور حسن بن یوسف بن علی مطہر حلکی کی نسبت قاضی نور اللہ شرمی اپنی کتاب احقاق الحق میں فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے مصنف نے سلطان غیاث الدین او بجایتو خدا بندہ کے سامنے علماء اہل سنت سے جو مختلف شہروں سے جمع کئے گئے تھے مناظرہ کیا اور بدلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ اسکے مذہب کا بطلان اور مذہب امامیہ کی حقیقت اسطور پر ثابث کی کہ علماء اہل سنت تمنا کرنے لگے کہ کاش وہ پتھر یا دخت ہو جاتے۔ اور اس کے بعد علامہ مدوح نے کتاب کشف الحق ونج الصدق والصواب تصنیف کی۔ اور سلطان مع امر اور بہت بڑے گروہ علماء اور اکابر کے شیعہ ہو گیا اور باوجودیکہ اس زمانے میں علماء اہل سنت میں سے بڑے نامی لوگ موجود تھے جیسے

کہ قطب الدین شیرازی و عمر کا تہی خود بخوبی اور مولیٰ نظام الدین مگر کسی نے اس کتاب کے جواب لکھنے کی جرات نہ کی۔ یہ کتاب غالباً ساتویں صدی کے اخیر میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مصنف ۱۱۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

ساتویں صدی میں ایک اور مشہور کتاب لکھی گئی جس کا نام طرافت فی معرفۃ مذہب طوائف ہے۔ جس کے مصنف ثقہ الاسلام علی بن طاؤس حلی ہیں۔ جناب مدوح ۱۱۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ ہجری میں انھوں نے وفات فرمائی۔ علامہ موصوف نے اس کتاب کو تصدیق ایک فرسے کے نام سے لکھا ہے اور اس کا نام عبدالمؤمن قرار دیا ہے۔ آغاز میں کتاب ایک تہید اور سب سے طرف سے لکھی ہے کہ میں نے جب تہید میں سنہا لانا مذہبوں کا اختلاف سن کر ارادہ کیا کہ مذہبی عقائد کی حقیقت دریافت کروں۔ سب سے اول میں نے دین محمدی کی تحقیق شروع کی مگر انہیں اکثر کومالکی۔ حنفی۔ شافعی۔ حنبلی مذہب پر پا کر متعجب ہوا کہ یہ لوگ نبی کے زمانے میں تھے نہ ان کے اصحاب اور نہ عقائد میں باہم متفق۔ پھر کیونکر وہ اپنے عقائد مذہب کو سب اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر شیعوں کا ذکر لکھا ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اماموں اور پیغمبر کی اولاد سے منسوب کرتے ہیں۔ پھر میں نے مذاہب اربعہ کے علماء سے مذہبی عقائد کی تحقیق کی اور ان سے سوالات کئے مگر معلوم ہوا کہ حق پر نہیں ہیں اور ان کے مذہب کی برائی انہیں کی کتابوں سے ثابت کی۔ گویا اس پیرائے میں علامہ مدوح نے اپنے مذہبی عقائد کی سچائی ظاہر کی ہے۔ اور اس کتاب میں بحث مذک کو بہت تفصیل سے اور نہایت فصیح بلیغ تقریر میں ادا کیا ہے۔ اس کی خوبی اور قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جناب معین الدار علی صاحب نے اپنی مشہور کتاب عماد الاسلام میں بہت بڑا حصہ ان کی تقریر کا بحث مذک میں نقل کیا ہے۔

اس کے بعد قاضی نور الدین شترمی نے نہایت مشہور کتاب میں اس فن میں تالیف کیوں نہیں سے احقاق الحق نہایت مبسوط اور مشہور کتاب ہے۔ جو جواب میں الباطل الباطل کے سب کو علامہ روز بہان نے کشف الحق کے جواب میں لکھا تھا قاضی صاحب نے تصنیف فرمایا ہے۔

گیا۔ تھوین صدی میں جناب ملا باقر مجلسی نے جن کا خطاب محی ملہ سید البشر فی راس
 ماۃ اعدادی عشر ہے بہت کتابیں لکھیں جن میں سے ایک بجا والا نوار ہے جو۔ وایتون اور وقت
 کا گویا ایک دریا ہے۔ اسکی آٹھویں جلد کتاب الفتن میں ایک خاص باب مذک کی بحث میں
 ہے۔ جس کا عنوان ہے باب نزول الایات فی اہل فناء و قصصہ وجوامع الاحتجاج
 فیہ۔ اور اسی کا خلاصہ بزبان فارسی حق یقین اور حیات القلوب میں جناب
 مدوح نے لکھا ہے۔

تیرھویں صدی میں ایک نیا دور شروع اور ہندوستان میں شیعہ و سنی کے باہم مناظرہ
 کا غلغلہ بلند ہوا۔ تحفہ اثنا عشریہ کے شائع ہونیکے بعد علماء شیعہ نے اس فن میں اپنی علمیت
 اور قابلیت کے خوب جوہر دکھائے اور دہلی اور لکھنؤ کے علما و مجتہدین شیعہ نے بڑی بڑی
 کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے عماد الاسلام مولانا مولوی دلدار علی صاحب کی نہایت
 مسبوٹ و شرح کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور جس میں جناب مدوح نے امام رازی کی کنایہ بقول
 کا جواب دیا ہے اور میں مذک کی بحث نہایت تفصیل سے لکھی ہے۔ اور سکے بعد تحفہ اثنا عشریہ
 کے جوابات میں تشہید المطاعن مولوی سید محمد قلی صاحب کی اور طعن الراح جناب محمد
 صاحب کی اور کتابونین سے ہیں جنہر حضرات امامیہ کو بتنا ہے۔ اور جو کچھ اوسمیں لکھا
 ہے اوسکی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ اوس کا جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ منشی سبحان علی صاحب
 اپنے بعض رسائل میں فرماتے ہیں کہ از انجا کہ مجتہد العصر والزمان سہی رسول اللہی کا فہم
 واجبان اعنی مولانا و مقتدا السید محمد مظہر الصدور کتاب معدوم النظریہ موسوم بطعن الراح
 این معضلہ دلہ و زحما لفقین را بچنان بیان کافی و وافی ایضاح فرمودہ اند کہ بالاتر از ان کلمہ
 آن از حد قدرت بشری بیرون ست این فاقد الادراک استیجاب دلائل اثبات غضب حق بضعہ
 رسول اللہ برہمان کتاب مستطاب حوالہ نمودہ بر تقریری آخر کہ خالی از تجدیدی نیت از ناچری
 فیما ابطل خلافت اول ذمائی می سازد۔

سولے انکے ایران میں بھی چند کتابیں لفظ ایسی طبع ہوئی ہیں جنہیں فدک کی بحث تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ منجملہ انکے ایک کتاب ہجرا جو اہر ہے جسکے مصنف سید محمد باقر بن سید محمد موسوی ہیں جو فتح علی شاہ قاجار کے زمانے میں تھے۔ دوسری کتاب کفایۃ الموحّدین فی عقائد الدین تصنیف سے اسماعیل بن احمد علوی طبرسی کی ہے جسکی دوسری جلد خاص اہام کی بحث میں ہے۔ تیسری کتاب لمعة البیضا فی شرح خطبة الزہرا ہے جسکے ۷۰ صفحے مطبوعہ ہیں اور اوہمیں حضرت فاطمہ کے خطبے کا جو متعلق فدک کے ہے بیان ہے مع اون روایات اور حاشیہ کے جو اس مسئلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ چوتھی کتاب جلد چہارم از کتاب دوم ناسخ التواریخ ہے جس میں مقرب الخاقان مرزا محمد تقی لسان الملک مصنف ناسخ التواریخ نے خاص حضرت فاطمہ کا حال لکھا ہے جس میں فدک کی بحث نہایت تفصیل سے لکھی ہے۔ اسکے سولے جو اور فارسی اور اردو میں رسالے لکھے گئے ہیں ان میں صرف جو شہ چینی طعن الراجح کی کی گئی ہے اور اوسے کے اقوال اور مضامین اولٹ پھیر کے بیان کئے گئے ہیں۔

ان کتابوں میں جنکے نام بتنے او پر بیان کئے کتاب کشف الحق میں میراث کے دعویٰ کا اول ذکر کیا گیا ہے۔ اور مہیہ کا بعد اوسکے اور اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اوسکے مصنف میراث کے دعویٰ کو مہیہ پر قائل ابا مقدم سمجھتے تھے۔ اور فدک کی بحث میں پہلا اور تصفیہ طلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے اول میراث کا دعویٰ کیا تھا یا مہیہ کا۔ عموماً علماء امامیہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدۃ النساء فدک کے متعلق دو دعویٰ کئے تھے اول یہ کہ پیغمبر خدا نے فدک او نہیں مہیہ کر دیا تھا اور وہ او سپر متصرف اور قابض تھیں۔ جب ابو بکر صدیق نے خلیفہ ہوئے تب او انھوں نے حضرت فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا اور اپنا قبضہ کر لیا۔ یہ سنکر وہ حضرت ابو بکر کے پاس آئیں اور یہ دعویٰ کیا کہ فدک مجھے مہیہ کیا گیا تھا اور میں او سپر قابض تھی تنے کیوں میرا قبضہ اوٹھا دیا۔ اسپر حضرت ابو بکر صدیق نے اوسے شہادت طلب کی۔ حضرت فاطمہ نے حضرت علیؑ اور حسین اور امینؑ کو شہادت میں

پیش کیا۔ اور ان سے حضرت فاطمہؑ کے دعویٰ کی تائید میں گواہی دی مگر ابو بکر صدیقؓ نے یہ لکڑی کہ شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوا اور نئی گواہی کو رد کیا۔ اور فدک اور نخین واپس کیا۔ اسپر وہ تھا ہو گئیں اور بعد اسکے میراث کا دعویٰ کیا۔ اسلئے سب سے پہلے اس بحث میں یہ امر قابل تصفیہ ہے کہ کونسا دعویٰ مقدم تھا۔ چنانچہ عماد الاسلام کے دسویں باب کے چوتھے باب کے چوتھے مسئلے میں جناب مولانا دلدار علی صاحب نے اسی کی نسبت خاص بحث فرمائی ہے لکھا بقول المسئلة الرابعة ان فاطمة ؑ اهل ادعت الميراث اولاً ثم ادعت النخلة او بالعكس وليست فاد من كلام اكثر العامة ان دعوى النخلة تظهر فيها بعد دعوى الميراث، وقالت الامامية بالعكس يعني چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آیا فاطمہؑ نے پہلے میراث کا دعویٰ کیا پھر ہبہ کا یا بالعکس۔ اور اہل سنت کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ کا دعویٰ میراث کے بعد پیش کیا گیا۔ اور امامیہ اسکے برعکس کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمناً مجتہد صاحب اس بات کو اپنے ناظرین کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ ہبہ کا دعویٰ اہل سنت کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ مگر یہ دعویٰ میراث کے دعویٰ کے بعد حضرت فاطمہؑ نے کیا تھا۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک کسی معتبر اور صحیح روایت سے ہبہ کا دعویٰ ثابت ہی نہیں اور اہل سنت اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ حضرت فاطمہؑ نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا۔ اسلئے جو عمارت اس روایت کی بنیاد پر حضرات امامیہ نے کھڑی کی ہے کہ حضرت فاطمہؑ سے شہادت طلب کی گئی اور اونھوں نے حضرت علیؑ اور حسنینؑ اور امینؑ کو شہادت میں پیش کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسے او سکونانا اور یہ عذر کر کے کہ از روئے احکام شریعت کے شہادت کافی نہیں ہے فاطمہؑ کے دعویٰ کو رد کیا اور پھر اسپر بہت طرح سے حضرت ابو بکر صدیقؓ پر ملامت کی ہے اور اونکا ظلم و ستم ثابت کیا ہے۔ اور سینوں کے نزدیک فاطمہؑ اور علیؑ اور حسنینؑ کو جھوٹا اور خود غرض اور اپنے جلب منفعت کی واسطے جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی شہادت دینے والا قرار دیا ہے وہ سب منہدم ہو جاتی ہے جب نفس دعویٰ کی نسبت

کوئی صحیح روایت ہی سینوں کے یہاں نہیں ہے تو جو کچھ زور قلم اس باب میں حضرات علماء امامیہ نے دکھایا ہے اور پھر ثبت الجملہ ارشاد انقش کی مثل صادق آتی ہے۔ اور تمام فصیح و بلیغ تقریریں اور وہ پر جوش اور زبردست تحریریں جو اس باب میں کی ہیں مبادی مشورہ ہجرتی ہیں۔ اسی واسطے جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے بعد جواب دینے دعوی میراث کے اپنی مشہور کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں فرمایا ہے **وَلِلَّهِ دَرَجَاتٌ وَعَلَى اللَّهِ اجْرَاهُ** درخفا نامہ عظیمہ میں یہ ثابت کہ شیعہ در اول در باب طاعن ابو بکر منع میراث می نوشتند و چون از عمل ائمہ معصومین و از روی روایات این حضرات عدم توریث پیغمبر ثابت شد ازین دعوی انتقال نموده دعوی دیگر تراشیدند و طعن دیگر بر آوردند کہ آن طعن سیزدهم است کہ ابو بکر فدک را بقاطمہ نداد حالانکہ پیغمبر برای او مہبہ نموده بود۔ و دعوی فاطمہ از سماع نمود و از وی گواہ و شامہ طلبیدہ الی قولہ جواب ازین طعن آنکہ دعوی مہبہ از حضرت زہرا و شہادت دادن حضرت علی و ام المین یا حسین علی اختلاف الروایات و کتب اہل سنت اصلاً موجود نیست۔ محض از مفسرہ بات شیعہ است و در مقام الزام اہل سنت آوردن و جواب آن طلبیدین کمال سفاہت است۔

ہم اس بحث کی نسبت زیادہ کہنا کچھ نہیں چاہتے بجز اس کے کہ خود علماء شیعہ نے تسلیم کیا ہے کہ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ ارث کا دعوی مہبہ پر مقدم تھا جیسا کہ لعمریہ فی شرح خطبہ الزہراء مطبوعہ ایران کے صفحہ ۱۴۱ میں لکھا ہے و صافی بعض الروایات انھا ادعت الالاث اولاً ثم ادعت النحلۃ فلذلک علی تقدیر الصحۃ انما ہو بلحاظ انھا فی محل ارثھا لا محالۃ فلما القوا الشبہۃ بنقل الروایۃ ادعت ماہو الواقع من حقیقۃ النحلۃ کہ بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے اول ارث کا دعوی کیا پھر مہبہ کا پس بشرط صحیح ہونے اسکے وہ اس کا ظاہر ہے کہ بوجہ میراث کے وہ ہر طرح سے اسکی مستحق تھیں جب اوسمیں ایک روایت نقل کر کے شبہ الیہ اتوجہ اصلی بات تھی اور حقیقی واقعہ تھا یعنی مہبہ اوس کا دعوی کیا۔ مگر چونکہ علماء امامیہ نے مہبہ کے دعوی کو اکثر پہلے بیان کیا ہے اور ارث کے دعوی

بعد اسکے اسلئے ہم بھی یہی ترقیب اختیار کرتے ہیں کیونکہ تقدیم و تاخیر سے نفسِ مطلب پر زیادہ اثر نہیں ہوتا خصوصاً اور سوقت جبکہ ہبہ کا دعویٰ فی نفسہ ہمارے نزدیک پیش ہی نہوا ہے

آیا فدک پیغمبر خد صلعم نے حضرت فاطمہ کو ہبہ کیا تھا یا نہیں

چونکہ حضراتِ امامیہ اس بات کے دعویٰ ہیں کہ فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کیا گیا تھا اور اسی بنا پر حضرت فاطمہ نے جبکہ وہ غضب کر لیا گیا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے دعویٰ کیا اسلئے بارتبوت اونکے ذمے ہے کہ وہ اہل سنت کی معتبر روایتوں سے ان دونوں دعویوں کو ثابت کریں اگر وہ اسے ثابت کر سکیں تو ہمارے ذمے ہے کہ اس بنا پر جو کچھ اعتراضات وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر لگاتے ہیں اور اسکے متعلق جو باتیں پیش آئیں اونسے حضرت صدیق اکبر کو الزام دیتے ہیں اونکے جوابات دین۔ لیکن اگر وہ اپنا دعویٰ ہی ثابت نہ کر سکیں تو ہمیں ضرور نہیں کہ بر بنا فرض و تسلیم کے اون لغو و بیہودہ الزامات کا جواب دین اور تردید شہادت کے متعلق فضول بحث کریں اسلئے ہم ایک تفصیل نظر اون تمام کتابوں پر جسکے نام اوپر بیان کئے گئے کرتے اور اپنے ناظرین کو دکھاتے ہیں کہ کیا ثبوت اونکی طرف سے ان دونوں دعویوں کے متعلق پیش کیا گیا ہے اور کس قسم کی روایتیں کس قسم کی کتابوں سے بتائید اپنے دعوے کے اونھوں نے بیان فرمائی ہیں۔

شانی میں متعلق فدک کے ہبہ کئے جانے کی کوئی حدیث یا کوئی روایت سنیں کی کتابوں سے پیش نہیں کی گئی بلکہ قاضی عبد الجبار نے اپنی کتاب مغنی میں جو یہ لکھا تھا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ابو سعید خدری سے روایت کی گئی ہے کہ جب آیہ وَاذِذَ الْقُرْبٰی حَقُّہٗ نَازِلٌ ہُوٰی تُوْرٍ سُوْلِ الْعَرَبِ صلعم نے حضرت فاطمہ کو فدک عطا فرمایا اور پھر عمر بن عبد العزیز نے اولاد فاطمہ پر اسے رو کیا۔ اسی روایت پر کفایت فرمائی ہے اور شیعوں کے اس قول کو نقل کر کے قاضی عبد الجبار نے لکھا تھا کہ اکثر جو شیعہ اس باب میں روایت پیش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے او سکی تردید میں ہبہ فدک کے متعلق کوئی تائیدی روایت پیش نہیں کی۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علم الہدی کے نزدیک سوامی اوس روایت کے جو نام سے ابو سعید خدری کے شیعوں میں مشہور ہوئی تھی

کوئی صحیح روایت سینون کی معتبر کتابوں میں اونھوں نے نہیں پائی ورنہ اسے پیش فرماتے۔
 تلخیص شافی میں بھی کوئی دوسری روایت ہبہ فدک کی تائید میں پیش نہیں کی گئی۔
 علامہ مطہر ابن حنفی کی کتاب کشف الحق ونبج الصدق میں بھی کوئی صحیح سند متعلق ہبہ
 کے نظر نہیں آئی۔

طراف میں ایک روایت بشر بن الولید اور واقدی اور بشر بن عیاض سے لکھی ہے
 روی غیر واحد منہم من بشر بن الولید والواقدی وبشر بن عیاض فی احادیث یرفعونها
 الی محمد صلعم نذیرہما انہما فتح خیبہ اصطفی لنفسہ قری من قری الیہو دفنزل جبریل
 یضدہ الایة فات ذالقرنی حقہ فقال محمد صلعم من ذالقرنی وماحقہ قال فاطمة فذفع
 الیہا فانکثم اعطاها العوالی بعد ذالک فاستغلتها حتی توفی ابوہا محمد صلعم
 کہ ان لوگوں نے یہ حدیث اپنے پیغمبر سے بیان کی ہے کہ جب حیر فتح ہوا تو آپ نے منجم یہود
 کے دیہات کے ایک گاؤں اپنے لیے علیہ کر لیا پھر جبریل یہ آیت لائے کہ اپنے ذالقرنی
 کو اذکا حق دیدو اوپر آنحضرت نے پوچھا کہ ذالقرنی کون ہیں اور اذکا حق کیا ہے جبریل
 نے کہا کہ ذالقرنی فاطمہ ہیں اسپر آپ نے فدک اونھیں دیدیا اور پھر عوالی یعنی چند باغات
 اور عطا کئے کہ اوس کا نذر حضرت فاطمہ لیا کر تین تا وفات اپنے باپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کے (دیکھو طراف صفحہ ۶۸ مطبوعہ بسبی) اسکے علاوہ اسی کتاب میں ایک اور روایت سید الخفاظ
 ابن مردویہ کی روایت کی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں ومن طریق مناقضاتہم ماروہ فی
 کتبہم الصحیحۃ عندہم برجالہم عن مشائخہم حتی استئلوا عن سید الخفاظ ابو مردویہ
 قال اخبرنا عنی السنۃ ابو الفتح عبد وس بن عبد اللہ الہمدانی لجازۃ قال حدثنا القاضی
 ابو نصر شعیب بن علی قال حدثنا موسی بن سعید قال حدثنا الولید بن علی قال حدثنا
 عتاد بن یعقوب قال حدثنا علی بن عباس عن فضیل عن عبطیۃ عن ابی سعید قال لما نزلت
 آیتہ وذل القرنی حقہ عل رسول اللہ فاطمۃ فاعطاہا فدک کہ سنون کے عجیب مناقضات

ابو محمد قال حدثنا عمر بن احمد بن عثمان بيقنا حدثنا قال اخبرني عمر بن الحسين بن علي بن مالك قال حدثنا جعفر بن محمد الاحمصي قال حدثنا حسن بن حسين قال حدثنا ابو عمر بن سعيد جيثم وابو علي القاسم الكندي يحيى بن يعلى بن مسهر عن فضيل بن مزروع عن عطية الكوفي عن ابي سعيد الخدري قال لما نزلت قوله ان ذا القربى حق له انما اوراسى روایت کو اسی آیت کی تفسیر میں تفسیر شریح الصادقین میں اس طرح بیان کیا ہے -
 ونیز سید ابو حمید ہمدانی بن نزار الحسینی از حاکم ابو القاسم عبد اللہ الحسکانی نقل می کند کہ در بغداد حاکم ابو محمد از عمر بن احمد بن عثمان میں حدیث کرد کہ عمر بن حسین بن مالک گفت کہ جعفر بن محمد الاحمصي بمن گفت کہ حسن بن حسین مرا حدیث کرد از ابو عمر بن سعید و علی بن سعید خدری کہ گفتند چون آیہ و آت ذالقرنی حقہ نازل شد حضرت سالت باغبند کہ را با فاطمہ عطا فرمودہ الخ -
 دوسری روایت طاباقر مجلسی نے یہ لکھی ہے محمد بن العباس عن علی بن العباس المقانعی عن ابي كريب عن معاوية عن فضيل بن مزروع عن عطية عن ابي سعيد الخدري قال لما نزلت فات ذالقرنی حقہ عار رسول اللہ صلعم فاطمة ؑ و اعطاها فداك تیسری روایت سید ابن طاؤس کی کتاب سعد السعود سے نقل کرتے ہیں زہری السید ابن طاؤس فی کتاب سعد السعود من تفسیر محمد بن العباس بن علی بن مروان قال زہری حدیث فداك فی تفسیر قولہ تعالی و آت ذالقرنی حقہ عشرین قافزہا ملو الخ عن محمد بن محمد بن سلیمان الاعمش و ہیشم بن خلف الدارمی و عبد اللہ بن سلیمان بن الاشعث و محمد بن القاسم بن زکریا قالوا واحد ثلث عبد بن یعقوب قال اخبرنا علی بن عابس و حدثنا جعفر بن محمد الحسینی عن علی بن منذر الطریقی عن علی بن عابس عن فضیل بن مزروع عن عطیة العوفی عن ابي سعید الخدري قال لما نزلت و آت ذالقرنی حقہ عار رسول اللہ صلعم فاطمة ؑ و اعطاها فداك کہ سید ابن طاؤس نے کتاب سعد السعود میں تفسیر محمد بن عباس بن علی بن مروان سے نقل کیا ہے

کہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث مہبہ فدک کی آیہ و آت ذالقرنیٰ حقہ کی تفسیر میں بیس طریقوں سے مروی ہے اونچین سے ایک یہ حدیث ہے جو محمد بن محمد بن سلیمان اعبدی نے اور مہینم بن خلف دورمی نے اور عبدالسد بن سلیمان بن اشعث نے اور محمد بن قاسم بن زکریا نے روایت کی ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے روایت کی ہے عباد بن یعقوب نے اور اونھوں نے علی بن عابس سے۔ اور نیز روایت کی ہے جعفر بن محمد حسینی نے علی بن منذر طریقی سے اونھوں نے علی بن عابس سے اونھوں نے فضیل بن مرزوق سے اونھوں نے عطیہ عوفی سے اور اونھوں نے ابی سعید خدری سے کہ جب آیہ و آت ذالقرنیٰ حقہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے فاطمہ کو بلا کر فدک دیدیا۔

قاضی نور الدین استرعی نے اپنی کتاب احقاق الحق میں بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے مروی الواقدی وغیرہ من نقلہ الاخبار عندہم و ذکرہ فی الاخبار الصحیحة عندہم ان النبی لما افتح خیبر اصطفیٰ قری من قری الیہود الخ
 عماد الاسلام میں ایک روایت تو متعلق مہبہ کے وہی نقل کی ہے جو طرافت میں مذکور ہے یعنی سید اعجاز ابن مرویہ سے چنانچہ وہ فرماتے ہیں فانقول یبدل علی ثبوت ذلک (اعطاء النبی فداک فاطمہ) ماراہ سید الحفظ ابن مردویہ قال اخبرنا علی السنۃ ابو الفتح عبدوس بن عبد اللہ الصمدانی اجازۃ قال حدثنا القاضی ابو نصر شعیب بن علی قال حدثنا موسیٰ بن سعید قال حدثنا الولید بن علی قال حدثنا عبد بن یعقوب قال حدثنا علی بن عابس عن فضیل عن عطیہ عن ابی سعید قال لما نزلت و ات ذالقرنیٰ حقہ دعا رسول اللہ صلعم فاطمہ فاعطاها فداک :
 دوسری روایت کنز العمال شیخ علی متقی سے بیان کی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں وما فی کنز العمال للشیخ علی المتقی فی صلۃ الرحم من کتاب الاخلاق عن ابی سعید قال لما نزلت و ات ذالقرنیٰ حقہ قال النبی با فاطمہ لک فداک رواہ الحاکم فی تاریخہ وقال تفرد بہ

ابراہیم بن محمد بن میمون عن علی بن عابس بن النجار - یعنی کنز العمال میں شیخ علی متقی نے باب صلۃ الرحم میں ابو سعید سے یہ روایت کی ہے کہ جب آیہ وآت ذالقرنیٰ حقہ نازل ہوئی پیغمبر خدا نے فاطمہ سے کہا کہ امی فاطمہ فدک تمہارے لیے ہے اور اسے روایت کیا ہے حاکم نے اپنی تاریخ میں اور کہا ہے کہ اسے صرف ابراہیم بن محمد بن میمون نے علی بن عابس بن نجار سے روایت کیا ہے۔

اور تیسری روایت اسی کتاب میں تفسیر درمنثور سیوطی سے نقل کی ہے کہ یقول
وفی الدر المنثور للسیوطی فی تفسیر قولہ تعالیٰ وآت ذالقرنیٰ حقہ دعا رسول اللہ
صلعم فاطمہ فاعطاها فذلک :-

اور اسی کتاب میں چوتھی روایت معارج النبوت سے بیان کی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں
وضافی معارج النبوة الشہید بسیر مولانا الہروی فی وقائع السنة السابعة بعد واقع
خیبر بھذا العبارۃ "وود مقصد قصی مذکورست کہ بعضی گویند کہ حضرت رسول اللہ صلعم بسوی
خیبر امیر المؤمنین علی را فرستاد و مصالحم بردست امیر واقع شد بران منج کہ حضرت امیر قصد خون
ایشان نکند وحوالط خواص ازان رسول باشد پس جبریل فرود آمد وگفت کہ حق تعالیٰ می فرماید کہ
حق خویشان بدہ رسول گفت کہ خویش من کیستند وحق ایشان چیست جبریل گفت فاطمہ است
حوالط فدک را باودہ و اچند از خدا و رسول اوست در فدک ہم باودہ پیغمبر فاطمہ را بخواند و برای
وی حجتی نوشت وآن وثیقہ بودہ کہ بعد از وفات رسول پیش ابو بکر آورد وگفت این کتاب
رسول خداست برای من و حسن و حسین :-

ان چار روایتوں کو نقل کر کے آپ فرماتے ہیں "وقال السيد المرتضى في الشافعي
وقد جرى من طرق مختلفة غير طريق ابى سعيد الذى ذكره صاحب الكتاب انه لما
نزل قوله تعالى وآت ذالقرنیٰ حقہ دعا النبي فاطمہ فاعطاها فذلک واذ كان ذلك
مرويا فاهمعى لدفعه بغير حجة انتهى كلام السيد يعني سيد مرتضى شافعی نے کہا ہے کہ سوا

علیٰ بن ابی طالب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ کے لیے سزا دیا ہے۔

ابوسعید کے جس کا ذکر صاحب کتاب نے کیا ہے اور بھی کسی مختلف طریقوں سے یہ روایت بن گئی ہے کہ جب آیہ وآت والقرنیٰ حقد نازل ہوئی تو پیغمبر نے فاطمہ کو بلایا اور فدک کو بخش دیا۔ اور جبکہ یہ روایت مروی ہے پھر بغیر دلیل کے اس کے ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے فقط۔ لیکن جناب مولانا لداری صاحب نے اپنی کتاب عماد الاسلام میں اور جناب سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب شافی میں ان روایتوں کو بیان کیا کہ وہ کون سے طرق مختلفہ غیر طریق ابی سعید کے ہیں جن میں یہ روایت مذکور ہے ایسے موقع پر فقط جمل کمدینا کہ اور بہت سی روایتوں میں بھی یہ مقبول ہے کافی اور شافی نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ قاضی عبد الجبار نے اپنی کتاب مغنی میں اس روایت کو شیخیوں کی طرف سے بائین الفاظ ذکر کیا تھا قوالواؤذ فری عن ابی سعید الخدری کہ شیعہ ایسا کہتے ہیں کہ ابوسعید خدری سے ایسی روایت ہے اور اسکی نسبت اپنے جواب میں یہ لکھا تھا الجواب عن ذلک ان اکثر ما یروون فی هذا الباب غیر صحیح کہ جواب شیعوں کے اس قول کا یہ ہے کہ جو کچھ اس باب میں وہ روایت کرتے ہیں اکثر غلط ہے۔ آگے چل کر قاضی عبد الجبار نے صاف لکھ دیا تھا وان صح عقد الہبۃ کہ اگر عقد ہبہ صحیح بھی ہو تو فدک حضرت فاطمہ کے قبضہ میں ہونا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عبد الجبار اس روایت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ایسی حالت میں جناب علم الہدیٰ کا بالا جمال یہ کمدینا کہ اور بہت طریقوں سے بھی یہ روایت ثابت ہے قابل تسلیم اور ان کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی نہیں تھا۔ او کو چاہیے تھا کہ ان طرق مختلفہ سے جس کا اونھوں نے بالا جمال دعویٰ کیا تھا اس روایت کو ثابت کرتے اور ان تمام روایتوں کو بیان کر کے اپنے دعویٰ کی تائید فرماتے۔ طعن الرابع میں جناب مجتہد سید محمد صاحب درمنثور سیوطی اور کنز العمال شیخ علی متقی اور سید المحفوظ ابن مردودہ کے علاوہ صاحب تاریخ آل عباس سے فدک کے ہبہ کئے جانے کا ذکر کرتے ہیں مکیقول فری السیوطی فی تفسیر اللدال المنثور فی ذیل تفسیر قولہ تعالیٰ وآت ذالقرنیٰ حقدہ اخرج الہزار ابو یعلیٰ وابن حاتم وابن مردویہ عزابی سعید الخدری

ذکر علی بن ابی طالب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ کے لیے سزا دیا ہے۔

۱۲۱۲۱۲

قال لما نزلت هذه الآية وات ذا القرنی حقه دعا رسول الله صلعم فاطمة و اعطاها
 فدك - و این روایت صحیح است در آنکہ ہر گاہ آیہ و ات ذا القرنی تمہ یعنی عطا ناما صاحب اب
 راحق او نازل گردید آنجناب فاطمہ را طلب فرمودہ فدک را با نحضرت عطا فرمود۔ شیخ علی نقی
 در کتاب کنز العمال باب صد رحم از ابو سعید روایت کردہ قال لما نزلت و ات ذا القرنی حقه
 قال النبي يا فاطمة لك فدك وسيد الخفاف ابن مردويه در کتاب خود مسند از ابو سعید روایت
 سابقہ را نقل کردہ۔ و نیز صاحب وضتہ لصفاء معانی النبوت از مقصد قصی روایت اعطاء
 فدک و نوشتن وثیقہ را نقل کردہ چنانچہ آنفا عبارت آن معرض بیان درآمد و عقل تسبیح قابل
 باور نمی کند کہ با وصف اعطای فدک و ہبہ آن و نوشتن وثیقہ برای آن از زمان فتح خیمہ
 تا ہنگام وفات سرور کائنات اقباض آن بوقوع نہ پیوستہ باشد بلکہ لفظ اعطاء نیز بران دلالت دارد
 کما لا يخفى۔ و صاحب تاریخ آل عباس کہ از متمدین اہل سنت است در تاریخ مذکور علی با نقل عنہ
 نوشتہ کہ بعد از آنکہ جماعتی از اولاد حسین نزد مامون دعوی فدک کردند مامون جمع نمود و سجد
 از علمای حجاز و عراق و غیر ایشان را واکید کرد کہ کتمان صواب نامودہ از متابعت حق و رستی
 سزنی بچند پس ایشان روایت دادند و بشر بن الولید و غیرہ نقل کردند کہ بعد از فتح خیمہ جریل
 با آیہ و ات ذا القرنی حقه نازل شد پس رسول خدا گفت کیست ذا القرنی و صییت حق او جبریل گفت
 فاطمہ است و فدک حق اوست پس رسول خدا فدک را با نحضرت داد۔

صاحب سید المطاعن نے بھی کوئی نئی روایت روایات مذکورہ بالا کے علاوہ
 پیش نہیں کی۔

کفایہ موسوم عصمت الاولیاء کے جلد دوم میں صفحہ ۳۰ سے صفحہ ۳۱ بہت تفصیل سے
 فدک کی بحث لکھی ہے اور آیہ و ات ذا القرنی حقه کی نسبت صفحہ ۳۱ میں یہ لکھا ہے۔ کہ از برای
 احدی از امت شبہ نبود در آنکہ فدک خالص بود از برای رسول خدا صلعم واحدی را در ان حق نبوی
 از امت۔ و اخبار طرفین از خاصہ و عامہ ناطق باین امرت۔ و نیز ظاہر آیہ و ات ذا القرنی حقه

یہ تصدیق کثیرت از علما و مفسرین و روایات عامہ آنکہ رسول خدا صلعم آیز انملہ و عطیہ و اجبضت فاطمہ
 چون ثعلبی و جوہری و یاقوت شافعی صاحب کتاب معجم البلدان و شہرستانی و صاحب تاریخ آل عباس
 و واقعی و بشر بن الولید و عبد الرحمن بن صالح و عمر بن شیبہ و ابن جریر و صواعق و ابن ابی الحدید
 و ابو ہلال عسکری در کتاب اخبار الاوائل و حاکم ابو القاسم احسکانی و ما کم ابو محمد و احمد بن عثمان بغدادی
 و قاضی عبد السلام موسی انہما نزلت آیت و ات ذالقرنی حقہ اعطی رسول اللہ صلعم فاطمہ
 فذلک فقط۔ اس میں مولف نے روایت ہبہ فذلک اور دعویٰ فذلک کو مختلط کر دیا ہے۔ اور او کی
 روایتوں اور اقوال کو نقل نہیں کیا مگر سوا ہی ثعلبی کے کسی سید راوی کا جن کا ذکر او پر ہو چکا نام
 بھی نہیں لیا۔ اور ثعلبی کی روایت صفحہ ۳۰ میں اس کتاب کے بائیں الفاظ بیان کی گئی ہے
 لکافیۃ و ثعلبی کہ ازناظم مفسرین ایشان است بسند خود از زندی و علمی روایت کردہ است کہ
 حضرت علی ابن الحسین یکی از اہل شام فرمود آیا قرآن خواندہ گفت بل۔ فرمود در سورہ بنی اسرائیل
 این آیہ خواندہ کہ و ات ذالقرنی حقہ آن شخص عرض کرد مگر شما آیہ ذمی القرنی کہ حق سبحانہ و تعالیٰ
 امر فرمودہ کہ حق آہنا بار ساند فرمود بے۔

ان کتابوں کے علاوہ ایک اور کتاب ایران میں بالفعل چھپی ہے اور اس کا نام
 غایۃ المرام و حجۃ الخصام فی تعین الامام من طریق الخاص و العام اور
 مصنف سید ہاشم معروف بالعلامہ ہیں اور انکی نسبت صاحب حدائق شیخ یوسف بحرانی نے
 اپنی کتاب سنی بلو لواء البحرین میں یہ لکھا ہے کان السید المدکور فاضلہما تھا جامعاً
 متنبعاً للاخبار و ما لم یسبق الیہ سابق سوی الشیخ المجتہد و کانت وفاتہ للسنتہ
 السابعة بعد المائۃ و الالف۔ و صنف کتاب عدیداً تشهد بشدۃ تتبعہ و اطالہ۔ یعنی
 سید موصوف بڑے فاضل اور محدث اور جامع اور ایسے حاوی احادیث و اخبار ہیں کہ مثل انکی
 اکلہ لوگوں میں سے سولے ملا باقر مجلسی کے کوئی نہیں ہو اور انکی بہت تصنیفات ہیں جن سے
 ادنیٰ علمیت اور واقفیت ثابت ہوتی ہے فقط سید موصوف نے غایۃ المرام امامت کے ثبات

کرنے میں لکھی ہے اور اوسمیں تمام آیات قرآنی کو جمع کیا ہے اور ہر آیت کے متعلق جتنی روایتیں
 اور حدیثیں ہیں خواہ اہل سنت کی خواہ شیعوں کی اون سب کو نقل کیا ہے اور اونھوں نے
 اس کتاب کے دیباچہ میں اون تمام کتابوں کے نام لکھے ہیں جن سے اونھوں نے روایتیں
 نقل کی ہیں۔ اور بلاشبہ یہ کتاب ایسی جامع ہے کہ خود اسکے مولف کی غزوات علم اور کمال و ہفت
 کی شاہد ہے اس کتاب کے مقصد دوم کے سترھویں اور اٹھارویں باب میں آیات و اقوال و اقوال
 حقہ کے متعلق جتنی حدیثیں اور روایتیں فریقین کی ہیں وہ نقل کی ہیں مگر باوجود اس جامعیت
 کے سولے ایک ایت ثعلبی کے کوئی دوسری روایت اونھوں نے سنینوں کی طرف سے بیان
 نہیں کی۔ البتہ گیارہ حدیثیں شیعوں کی نقل کی ہیں چنانچہ او سکتے صفحہ ۲۲۳ میں یہ لکھا ہے الباب
 السابع عشر قول تعوذات ذالقرنی حقہ المسکین الایۃ من طریق العامة و فی حدیث
 واحد الثعلبی فی تفسیرہ فی هذه الایۃ قال عنی بذلك قرأہ رسول اللہ صلعم ثم قال الثعلبی
 ہزی عن السدی عن ابی الدیلمی قال قال علی بن احسین لرجل من اهل الشام اقراءت
 القران قال نعم قال فما قرأت فی بنی اسرائیل وات ذالقرنی حقہ قال انکم القرابۃ التی امر
 اللہ نعم ان یوتی حقہ قال نعم فقط اس کا ترجمہ جو لفظ یہ میں بزبان فارسی ہے وہ اچھی و پریم
 لکھ چکے۔ اسکے بعد وہ لکھتے ہیں الباب الثامن عشر فی قول تعوذات ذالقرنی حقہ
 والمسکین الایۃ من طریق الخاصۃ فی حدیث ثانیہ کہ امامیہ کے طبقوں سے اس آیت کے متعلق
 گیارہ حدیثیں ہیں اور اوسمیں عطیہ عوفی کی وہ روایتیں بھی منقول ہیں جسکو بعض سنینوں کی
 کتابوں سے علماء امامیہ نے نقل کی ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے چنانچہ وہ فرماتے ہیں
 الثامن العیاشی باسنادہ مر عبطۃ العوفی قال لما فتح رسول اللہ خبیر و افاء اللہ علیہ
 فداک و انزل اللہ علیہ ات ذالقرنی حقہ قال یا فاطمۃ لک فداک۔ التاسع العیاشی
 باسنادہ عن عبد الرحمن بن صالح کتب المامون العبد للہ بن موسی العیسی یسأل
 عن فداک فکتاب الیہ عبد اللہ بن موسی ہذا الحدیث۔ العاشر العیاشی باسنادہ

عن فضیل بن مرزوق عن عطیة ان المأمون رد فدک اعلیٰ ولد فاطمة

منشی سبحان علی خان صاحب نے جو فن اوب میں مشہور ہیں ایک کتاب امامت میں لکھی ہے
اوسکے دوسرے حصے کے نسخے میں فدک کی بحث ہے مگر میں خان صاحب نے صرف خوشی یعنی
طعن الریاح کی کی ہے اور عبارت جدید اوسے کے مضمون کو اولٹ پھیر کے بیان کیا ہے جیسا
کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ این فاقد الادراک استعاب لائل اثبات حق بضعة الرسول برہان کتاب استطاب
(طعن الریاح) حوالہ نمودہ بہ تقریری آخر کہ خالی از تجدیدی نیست از ماجری فیما ابطال خلافت خلیفہ
اول و ثانی کہ بانی سبانی این اعتد اشار الیہ است می سازد فقط اسمین کوئی روایت جدید منقول
نہیں ہے جو قابل نقل ہو۔

بتنے جو کچھ اوپر بیان کیا اوس سے اس کتاب کے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ چوتھی صدی سے
لیکر تیرہویں صدی تک جتنی مشہور کتابیں شیعوں کی اس بحث کے متعلق تھیں ان سے بمنہ ان
روایتوں کو جو متعلق مہد فدک کے ہماری کتابوں سے اونھوں نے نقل کی تھیں بلطفہ لکھ دیا۔ اور اگرچہ
یہ ظاہر ہے کہ اور بھی بہت سی کتابیں ہوگی جو میں نہیں مل سکیں مگر ایسے مشہور اور نامور عالموں نے
جیسے کہ جناب علم الہدیٰ اور علامہ حلیٰ اور سید ابن طاووس اور ملا باقر مجلسی اور قاضی نور الدین شری اور
مولانا لداری علی اور مجتہد سید محمد اور مولانا محمد قلی صاحب تھے غالباً انکے مطالعے سے کوئی اور روایت
رہ گئی ہوگی خصوصاً مجتہدین لکھنؤ سے۔ اور اسلئے ہلکے اس یقین کر نیکی وجہ ہے کہ جو کچھ اونھوں
نے ثبوت پیش کیا ہے اس سے زیادہ اونکے پاس نہ تھا اب ہم اس بات کو دکھاتے ہیں کہ یہ ثبوت
نہ عقلاً نہ نقلاً شہادت میں داخل کر نیکی لائق ہے اور نہ وہ فی نفسہ کوئی ثبوت ہے اسلئے کہ ان تمام
روایتوں کا سلسلہ اوس راوی پر ختم ہوتا ہے جو نہ صرف غیر معتبر اور غیر ثقہ تھا بلکہ کاذب اور شیعی تھا۔
ایک ہی شخص اس تمام زنگاری پردے میں چھپا ہوا ہے جسکے مختلف رنگ دوسروں نے لئے
ہیں اور ایک ہی گند لاجتہد ہے جس سے سب نہرین نکلی ہیں اور ایک ہی کذب کی جڑ ہے جہاں
سے ساری شاخیں پھوٹی ہیں۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ علماء اشیعہ جنکو ان روایتوں پر بہت کچھ

ناز ہے اور جنھوں نے اسکی بنیاد پر ایک بہت بڑی عمارت قائم کی ہے اور جسکی بنا پر بہت بڑے الزام حضرات شیخین پر لٹکائے ہیں اور بہت دردناک تقریر و نہیں اونکا ظلم و ستم ظاہر کیا ہے اور جناب سیدہ النساء خاتمہ زہرا کے دعویٰ میں ہبہ کے رد کرنے پر بہت کچھ دعو کے میں ڈالنے والی باتیں بنائی ہیں اپنے پیش کئے ہوئے ثبوت کی حقیقت فاش ہونے پر جیسا کہ اب ہم اسے فاش کرتے ہیں حیران اور شندر ہو جائیں گے اور وہ الفاظ جو جناب قاضی نور احمد شرمی نے کشف الحق کے شائع ہونیکے بعد سنوین کی نسبت فرمائے تھے وہ سچے اور پر صادق سمجھیں گے ای بیتموزان یکنون اجماد او شجر او بیجتون کا فہم النقوموا حجرا یعنی تمنا کریں گے کہ کاش وہ پتھر یا خست ہو جائیں اور ایسے مہوت ہو جائیں گے گویا اون پر پتھر پڑ گئے ہیں۔

علماء امامیہ کی مذکورہ بالا کتابوں میں جو حدیثیں اور روایتیں پیش کی گئی ہیں جنکو وہ سنوینکی روایت کہتے ہیں اونکی تکرار اور نقل و نقل کو حذف کر کے دو قسم کی تفصیلاً الذیل روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جنہیں پوری تفصیل راویوں کی لکھی گئی ہے دوسری وہ جس میں یا صرف نقل کتاب کا نام ہے یا بجائے پوری سند بیان کر کے صرف بعض راویوں کے نام لکھ دیے ہیں یا اول قسم میں چار اور دوسری قسم میں پانچ روایتیں ہیں۔ اول قسم کی روایتیں یہ ہیں۔

ایک وہ روایت جو طرفین میں سیدہ احنافہ بن مرویہ سے نقل کی گئی ہے اور جسکو امام الاسلام اور دوسری کتابوں میں بھی نقل کیا ہے اسکے بیان کرنے والے راوی حسب ذیل ہیں اول علی بن ابوالفتح عبدوس بن عبد اللہ سہدانی دوسرے قاضی ابو نصر شعیب بن علی تمیمیر کے موسیٰ بن سعید چوتھے ولید بن علی پانچویں عباد بن یعقوب چھٹے علی بن عباس ساتویں فنیل آٹھویں عطیہ نوین ابو سعید جنیر روایت کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔

دوسری وہ روایت جو بجایہ الا نوار میں بحذف اسانید اور تفسیر مجمع البیان طبرسی میں تفصیل اسناد بیان کی گئی ہے اور اسکے راوی یہ ہیں۔ اول سید ابو سعید ہمدانی بن زرارہ حسینی دوسرے حاکم ابو القاسم بن عبد اللہ الحسکانی تمیمیر کے حاکم ابو اللہ ابو نعیم چوتھے عمر بن احمد بن عثمان

۴۱
دوسری جلد
بحث مذک

ذکر سید مہدی بن زرارہ حسینی نے کیا ہے لکھ بھیجا اور اسکے فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے روایت کیا ہے۔ اسمین دونام مذکور میں ایک فضیل بن مرزوق دوسرے عطیہ۔
چوتھی وہ روایت ہے جو طریف میں بشر بن الولید اور واقدی اور بشر بن غیاث سے بیان کی ہے جس میں سلسلہ اسناد مخدوف ہے۔ اور اسی کو بحوالہ واقدی قاضی زہد ترمذی نے احقاق الحق میں نقل کیا ہے۔

پانچویں وہ روایت جو معارج النبوت اور مقصد قصی سے عماد الاسلام وغیرہ میں نقل کی گئی ہے ہے۔
سب سے کل بایہ نام علماء امامیہ کا اور یہ ہے مجموعہ ان تمام روایتوں کا جسکو وہ بہت بڑے زور شور سے سینوں کے مقابلے میں مہذبہ مذکور کے ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ روایتیں مختلف طور سے اور مختلف موقع پر بحث مذکور میں بیان کی جاتی ہیں بچائے ناواقف حتیٰ انھیں دیکھ کر گھبرائے لگتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ یہ روایتیں تو ہماری ہی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں اور غالباً صحیح ہو چکی ہیں ان راجحان سے ہیں۔ اور اکثر لوگوں کو غلطیان اور اپنے عقائد میں شبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ مگر اب کہ ہم نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اس سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو سکے گا کہ سلسلہ ان تمام روایتوں کا ابو سعید پر ختم ہوتا ہے اور ابو سعید سے عطیہ نے اور عطیہ سے فضیل بن مرزوق نے آگے چلایا ہے۔ اور انھیں سے اس روایت کا سلسلہ آئندہ بڑھتا ہے۔ غرض کہ جو کچھ پہلے پھول پھول اسمین لگائے گئے ہیں اسکی جڑ ابو سعید ہیں۔ مگر ابو سعید کے نام میں ایک عجیب دھوکا دیا گیا ہے جس سے ناظرین کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ ابو سعید ابو سعید خدری میں جو صحابی تھے حالانکہ یہ ابو سعید ابو سعید خدری نہیں ہیں بلکہ یہ وہ ابو سعید ہے جو کلبی کے خطاب سے مشہور اور صاحب تفسیر ہیں۔ اور نیک بہت سے نام اور مختلف کیفیتیں ہیں۔ اور اسی سبب لوگوں کو اکثر انکے نام میں دھوکا ہو جاتا ہے کبھی انکا نام محمد بن سائب کلبی سے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی حماد بن سائب کلبی کہل پکڑے جاتے ہیں۔ اور اونکی تین کیفیتیں ہیں ایک ابو نصر اور دوسری ابو ہشام اور تیسری ابو سعید۔ اور انھیں سے

ع
سید
مہدی
بن
زرارہ
حسینی
کا
نام
ہے

عظیہ عنونی روایت کرتے ہیں۔ اور چونکہ عظیہ عنونی شیعہ تھے وہ اس قسم کی حدیثوں کو اپنے شیخ
ابوسعید کلبی سے اسطور پر روایت کرتے ہیں کہ جس سے دھوکا ہو کہ یہ ابوسعید خدری صحابی سے
روایت ہے کیونکہ وہ حدیثا یا قال ابوسعید لکرحب ہو جاتے ہیں کلبی یا اور مشہور نام ان کا نہیں
لیتے تاکہ لوگوں کو شبہ ہو کہ یہ روایت جس سے یہ روایت کرتے ہیں وہ ابوسعید خدری صحابی
ہیں چنانچہ یہ مغالطہ ظاہر ہو گیا اور انکی یہ ہوشیاری کھل گئی۔ تاکہ عظیہ اور کلبی کا اصلی حال
اور اصلی اعتقاد ظاہر ہو جائے اور یہ امر کہ عظیہ کی روایت ابوسعید کلبی سے ہے نہ کہ ابوسعید خدری
سے کھل جائے ہم اول عظیہ کا اور پھر ابوسعید کلبی کا حال اسما الرجال کی کتابوں سے بیان
کرتے ہیں۔ اور اس پرے کو جو ایک مت درائے سے ان روایتوں پر پڑا ہوا تھا اٹھاتے ہیں
عظیہ۔ جنہوں نے اس روایت کو ابوسعید سے بیان کیا ہے او کی نسبت تقریب میں جو معتبر
کتاب اسما الرجال کی ہے لکھا ہے کہ وہ روایت میں خطا بھی کرتے تھے اور تدریس بھی فرماتے
تھے اور شیعہ بھی تھے مکافقول عظیہ بن سعد الکوفی یخطئ کثیرا وکان شیعیا ماہا لیس
اول تو انکی روایت بہ سبب اسکے کہ وہ بہت خطا کرتے تھے یقین کے قابل نہیں دو سر بوجہ
تدریس کے پایہ اعتبار سے ساقط ہے تیسرے بہ کائنات شیعہ ہونیکے یہ روایت شیعوں کی ہے نہ کہ سنیوں کی۔
روایت میں خطا کرنا اور شیعہ ہونا یہ دو چیزیں محتاج بیان نہیں ہیں مگر تدریس کیا چیز ہے
اور راوی میں یہ عیب کس بے کا خیال کیا جاتا ہے البتہ قابل بیان ہے تاکہ ناظرین اس روایت
کی صحت کا صرف ایک تدریس کے سبب سے اندازہ کر سکیں۔ ابن جوزی تدریس کو روایت
میں اس قدر قبیح اور شنیع سمجھتے ہیں کہ وہ تلبیس الییس میں لکھتے ہیں من تلبیس ابلیس ابلیس
علی علماء المحدثین شرایة الحدیث الموضوع من غیر ان یسینوا ن موضوع وھذا خیانت منہم
علی الشرع ومقصودھم تنفیق احادیثہم وکثرة رواياتھم وقد قال النبی من روی عنی حایتا
یری انہ کذب فهو احد الکاذبین ومن ھذا الفن تدریس صحت فی الروایة فتارة
یقول احدہم فلان عن فلان او قال فلان عن فلان یوھم انہ سمع منہم ولسی

وہذا اقبیح لانه يجعل المنقطع في مرتبة المتصل انتهى یعنی علماء محدثین کو
 اہلیس حدیث موضوع کی روایت کرنے میں یہ دھوکا دیتا ہے کہ وہ یہ بیان نہیں کرتے کہ
 یہ حدیث موضوع ہے حالانکہ یہ بات اونکی شرع میں خیانت ہے اور اونکا اپنی احادیث کا
 جاری کرنا اور کثرت سے روایات کا ہونا مقصود ہوتا ہے۔ اور پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص
 میری طرف سے کوئی حدیث روایت کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ وہ حدیث جھوٹی ہے تو وہ
 خود بھی جھوٹو نہیں کا ایک جھوٹا ہے۔ اور فن حدیث میں روایت کی تدریس یہ ہے کہ راوی
 یہ کہے فلاں نے فلاں سے یا فلاں نے کہا فلاں سے جس سے وہم دلاتا ہے کہ فلاں نے
 فلاں سے سنا ہے حالانکہ نہیں سنا تو یہ بہت بری بات ہے اسلئے کہ راوی حدیث منقطع کو
 (جس کا راوی بیچ میں سے جھوٹا ہو) متصل کے (جس کے راوی برابر مسلسل ہوں)
 برابر کرنا چاہتا ہے۔ انتہی۔

اور میزان الاعتدال میں انکی نسبت لکھا ہے عطیة بن سعد العوفی الکوئی
 تابعی شعیہ ضعیف۔ قال سالم المرادی کان عطیة ینشیع وقال احمد ضعیف الحدیث
 وکان ہشلیہ ینکلم فی عطیة وری علی بن المدینی عن مجیب قال عطیة وابو ہارون ولبشر
 بن حرب عندی سواء وقال احمد بلغنی ان عطیة کان یاتی الکلبیہ فی اخذ عن التفسیر
 کان یکتبہ بابی سعیا ینقول قال ابو سعید قلت یعنی یوہم انہ الحدیث وقال النسائی وجماعة
 ضعیف یعنی عطیة بن سعد عوفی کوئی تابعی شعیہ ضعیف ہے اور ابو حاتم کہتے ہیں
 کہ اونکی حدیث ضعیف ہے۔ اور سالم مرادی کہتے ہیں کہ عطیہ شعیہ تھا۔ اور امام احمد کہتے
 ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور ہشیم کو عطیہ میں کلام ہے۔ اور ابن مدینی نے یحییٰ سے
 روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عطیہ اور ابو ہارون اور بشر بن حرب میرے نزدیک
 برابر ہیں۔ اور امام احمد کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ہو چکی ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتے اور
 اونے تفسیر لیتے اور اسے ابو سعید کے نام سے لکھ دیتے اور یوں کہتے کہ ابو سعید نے

ایسا لکھا ہے۔ ذمہ ہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مقصود ان کا یہ ہوتا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ابو سعید خدری ہیں۔ اور نسائی اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف بتایا ہے۔ اور سخاوی نے رسالہ منظومہ جزری میں جو اصول حدیث میں ہے باب من لہ اسماء مختلفہ و نعت متعده فیہ میں جہان کلبی کا ذکر لکھا ہے وہاں یہ بیان کیا ہے وہو ابو سعید اللذی روى عن عطية العوفی موھا انہ الخدری کہ یہی کلبی ابو سعید کی کنیت سے بھی پکارتے ہیں اور عطیہ عوفی اونسے جو روایت کرتے ہیں وہ اسی کنیت سے یعنی قال ابو سعید لکمر روایت کرتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ یہ ابو سعید خدری ہیں۔

اس حقیقت سے جو ہم نے عطیہ کی بیان کی مثل آفتاب و زور و شن کے یہ بات کھل گئی کہ یہ روایت ابو سعید خدری سے جو صحابی رسول تھے نہیں ہے۔ بلکہ ابو سعید کلبی سے ہے جو مفسر تھے۔ اب ہم ابو سعید کلبی کا حال ظاہر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حضرت جن پر ان تمام روایتوں کا سلسلہ ختم ہوا ہے جھوٹے اور حدیثوں کے بنانے والے اور شیعہ تھے۔ انکی نسبت امام سخاوی نے شرح رسالہ منظومہ جزری میں اس باب میں جبکا اوپر ذکر ہوا یہ لکھا ہے کہ اون لوگوں میں سے جنکے مختلف نام اور متعدد لقب اور کنیتیں میں ایک محمد بن سائب کلبی مفسر میں اونھیں کی کنیت ابو نضر ہے۔ اور اس کنیت سے ابن اسحاق اون سے روایت کرتے ہیں۔ اور اونھیں کا نام حماد بن سائب ہے اور ابواسامہ اسی نام سے اونسے روایت کرتے ہیں اور اونھیں کی کنیت ابو سعید ہے اور اسی کنیت سے عطیہ عوفی اونسے روایت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو شبہ میں ڈالیں کہ یہ ابو سعید خدری ہیں۔ اور انھیں کی کنیت ابو ہشام بھی ہے اور اس کنیت سے قاسم بن الولید اونسے روایت کرتے ہیں اصل الفاظ شرح مذکور کے یہ ہیں۔ ان من امثله ای من لہ اسماء مختلفہ و نعت متعده فیہ محمد بن السائب کلبی المفسر هو ابو النضر الذی روى عنه ابن اسحق وهو حماد بن السائب روى عنه ابواسامہ وهو ابو سعید الذی روى عنه عطية الكوفی موھا

انہ الحذری وهو ابو ہشام مروی عنہ القاسم بن الولید اور تقریب میں الحی
نسبت یہ لکھا ہے محمد بن السائب بن بشیر الکلبی ابو النضر الکوئی النسب المفسر
منہم بالکذب مروی بالرفض السادسة مائة وستة واربعین کہ محمد بن سائب
کلبی نپ جاننے والے اور تفسیر لکھنے والے جھوٹ اور رفض سے متہم ہیں اور میزان الاعتدال
میں الحی نسبت لکھا ہے محمد بن السائب الکلبی ابو النضر الکوئی المفسر النسب الاخبار
قال الثوری اتقوا الکلبی فقیل فانک تروى عنہ قال نا عرف صدقہم کذب قال البخاری
ابو النضر الکلبی ترکہ یحیی وابن مہدی ثم قال البخاری قال علی حدثنای یحیی عن
سفیان قال لی الکلبی کلما حدثناک عن ابی صالح فهو کذب وقال یزید بن ریح
حدثنا الکلبی وكان سبائیا قال ابو معاوية قال لا اعش اتق هذه السبائیت قال
ادركت الناس انما یسمونهم الکذابین وقال ابن حبان كان الکلبی سبائیا من اولئک
الذین یقولون ان علیا لم یت وانہ راجع الی الدنیا ومیرا لعدلا کما ملئت جودا وان
لا واسحابة قالوا امیر المؤمنین فیہا وعن ابی عوانة سمعت الکلبی یقول کان
جبریل علی الوحی النبی صلعم فلما دخل النبی صلعم الخلاء جعل یلی علی علی
وقال احمد بن زھیر قلت لاحد بن حنبل یجمل النظر فی تفسیر الکلبی قال لا وقال
الجوزجانی وغیر کذاب وقال الدارقطنی وجماعة متروکة وقال ابن حبان وضوح
الکذب فیہ اظهر من ان یحتاج الی الاعراف فی وصفه یروی عن ابی صالح عن ابن عباس
التفسیر وابو صالح لم یر ابن عباس لا سمع الکلبی من ابی صالح فلما احتجج الی الخرجت له
الاخر فاذا کبها لا یحل ذکره والکتب کیف الاحتجاج به کہ محمد بن سائب کلبی جسکی
کینت ابو النضر ہے وہ کوئی بین اور مفسر اور نپ جاننے والے اخباری ہیں۔ امام ثوری
او کی نسبت کہتے ہیں کہ کلبی سے بچنا چاہیے اس پر اونے کسی نے کہا کہ آپ تو خود اون سے
روایت کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں اون سے جھوٹ کو اون سے سچ سے جدا کرنا

بیان لکھا ہے وہ ان کے پر بزرگوار یعنی محمد بن سائب کلبی کو رافضی لکھا ہے اور اس نے
 فرزند کو اس قسم کے متر و کین میں سے کہ جسکو حفاظ حدیث میں داخل بھی نہیں کیا گیا
 کہ وہ کتب میں ہشام بن العقبی الحافظ الحدیث و کین ایس بیثقا قلعہ صدام ادخلہ
 بین حفاظ الحدیث و هو ابو المنذر ہشام بن محمد بن السائب الکوفی الزرافعی النسائی
 اور یا قوت سموسی نے جمل الادبا میں بیان محمد بن جریر طبری کی کتابوں کا ذکر کیا ہے لکھا ہے
 ولم يتعرض اى الطبري لتفسير غير موثوقين فانه يدخل في كتابه شيئا عن كتاب
 بن السائب الكلبى و لا مقاتل بن سليمان لا محمد بن عمر الواقدي لانهم عندنا
 اظننا انهم لم يروا غير ما رووا في تفسيره و كذا في كتابه من غير ما رووا في تفسيره
 اپنی کتاب میں کچھ بھی محمد بن سائب کلبی اور مقاتل بن سلیمان اور محمد بن عمر واقدی کی
 کتابوں سے نہیں لیا کیونکہ یہ لوگ اونٹ نزدیک مشکوکین میں سے ہیں۔ اور محمد طاہر
 الجرائی نے تذکرۃ الموضوعات میں کلبی کی نسبت لکھا ہے قد قال احمد في تفسيره
 الكلبى من اوله الى اخره كذب لا يجعل النظر فيه۔

یہ حالت ہے ابو سعید کلبی کی جو محققین کے اقوال سے ہمنے بیان کی ہے کہ بلحاظ
 عقائد کے عبدالمدین بن سائب کے فرقے میں سے ہیں اور جب کے قابل اور جناب امیر کبیر کا وہ نہیں
 پہچنے ہونے کے معقد۔ اور بلحاظ صدق کے ایسے اعلیٰ رتبے پر ہیں کہ جنکو نہ لکھا اور جن سے
 نہ کچھ سنا اور نہ برابر روایت کرتے ہیں۔ اور جس موقع پر جو چاہا اسے اپنے دل سے گروہ فکر
 بیان کر دیتے ہیں۔ اور اعتبار کی کیفیت ہے کہ معتبر اور محقق تفسیر لکھنے والے مثل طبری
 کے اپنی کتاب میں اونکی کسی روایت کا نقل کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے اور یہی ہر موضع
 یا ناقص حدیث مہذبہ ک کے جسکو عطیہ نے کہ وہ بھی مرقس اور شعیبی تھے اپنے مذہبی
 عقائد کی حمایت کے لیے اسے روایت کیا اور انکے دیگر نام اور کنیتیں چھوڑ کر حدیثاً
 ابو سعید لکھ کر لوگوں کو اس شبہ میں ڈالا کہ یہ ابو سعید خدری ہوں گے۔

اس بات کا ثبوت کہ ابو سعید جبیر سلسلہ ان حدیثوں کا ختم ہوتا ہے ابو سعید خدری نہیں ہیں صرف خیالی نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت متقدمین کی تحریروں اور روایتوں سے بھی ملتا ہے۔ مثلاً کنز العمال میں جو روایت حاکم کی تاریخ سے منقول ہے اور جسے عماد الاسلام وغیرہ میں بیان کیا ہے اور سیدہ محفوظ ابن مردویہ کی روایت جو طراف اور عماد الاسلام وغیرہ میں منقول ہے اور دستور سیوطی اور بزار اور ابو یعلیٰ اور ابن حاتم کی روایتوں میں صرف ابو سعید سے لکھا ہے خدری کا لفظ اس کے آگے نہیں ہے یہ لفظ اسی وہم کے سبب جس کا ہمنے اوپر ذکر کیا پیچھے بڑھا یا گیا۔

اگرچہ عطیہ اور کلبی کے حالات بیان کرنے کے بعد مہذبہ مذکور کی روایت کا غلط اور جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا اور ثابت بھی اسطور پر کہ او سین کچھ شبہ نہیں رہا۔ اور اس بات کی ضرورت باقی نہ رہی کہ اور راویوں سے بحث کی جائے مگر ہم ہر روایت اور راویوں سے بھی بحث کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ سارے سلسلے متروکین اور مجہولین اور کا ذہین اور رافضیوں سے کم و بیش بھرے ہوئے ہیں۔ اور جسکو دیکھیے اوس میں کچھ تشیع یا تہذیب یا مجہولیت کی بو بائی جاتی ہے۔

پہلی روایت جو طراف کی سیدہ محفوظ ابن مردویہ سے ہمنے نقل کی اس کے آخری او ای ابو سعید میں اور جسے اونے روایت کی ہے یعنی عطیہ اونکا حال تو معلوم ہو گیا۔ اب فضیل کا حال سینے جنہوں نے عطیہ سے روایت کی ہے۔ انکی نسبت تقریب میں لکھا ہے الفضیل بن مرزوق الکوفی رہی بالتشیع کہ فضیل بن مرزوق سبب تشیع کے چھوڑ دیے گئے۔ اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے الفضیل بن مرزوق الکوفی قال ابن معین شدید التشیع قال ابو حاتم صدوق ہم کثیرا کہ فضیل بن مرزوق کوفی کی نسبت ابن معین نے کہا ہے کثرت کے تشیع تھے۔ اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ سچے تھے مگر وہم بہت کرتے تھے۔ اور تہذیب میں انکی نسبت لکھا ہے یکتب حدیثا ولا یحتم بہ قال النسائی ضعیف کہ انکی

حدیث لکھ لیجائے مگر قابل محبت نہیں ہے اور سنا لی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ اور میزان الاعتدال میں ہے قال ابو عبد اللہ الحاکم فضیل بن مرزوق لیس من شرط الصحیح عیب علی مسلم اخرجہ فی الصحیح وقال ابن حبان منکر الحدیث جدا کان من یخطی علی الثقات ویروی عن عطیة الموضوعات قلت عطیة اضعف منه قال ابن عدی عندی انما اذا وافق الثقات یحتج بہ مروی احمد بن ابی خنیتم عن ابن معین ضعیف یعنی ابو عبد اللہ حاکم کہتے ہیں کہ فضیل بن مرزوق میں شرط صحت نہیں ہے۔ اور حاکم نے امام مسلم پر اس امر سے عیب لکایا ہے کہ او ٹھون نے او سکو ثقہ لوگوں میں بیان کیا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ فضیل بہت ہی منکر الحدیث ہے اور ثقات پر خطا لکایا کرتے تھے۔ اور عطیہ سے موضوعات روایت کرتے ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں عطیہ تو ان سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ فضیل جب ثقات کی موافقت کریں تو ان سے احتجاج کیا جائے۔ اور احمد بن ابی خنیتم نے ابن معین سے انکا ضعیف ہونا روایت کیا ہے۔

اور فضیل بن مرزوق سے اس خبر کو علی بن عباس نے روایت کیا ہے۔ انکا حال سنئے۔ میزان الاعتدال میں ہے علی بن عباس لاریق الاستاذ الکوفی عن العلاء بن المسیب ابن ابی سلیم غیر ہم مروی عباس عن ابن معین لیس شیئاً وقال ابو حنیفہ والنسائی ولا یدی ضعیف قال ابن حبان فحش خطاؤہ فاستحق الترک۔۔۔۔۔

القاسم بن زکریا ثنا عبد بن یعقوب ثنا علی بن عباس عن فضیل بن مرزوق عن عطیة عن ابی سعید قال لما نزلت آت ذالقرنی حقاہد عارسول اللہ فاطمة زفاعة عطاها فذک قلت هذا باطل ولو کان دفع ذاک لما جاءت فاطمة فطلب شیئا لہو فی حوزہا و ملکھا وفیہ غیر علی من الضعفاء کہ علی بن عباس ازرق اسدی کوفی علا بن مسیب اور ابن ابی سلیم وغیر ہما سے روایت کرتے ہیں۔ اور عباس نے ابن معین سے بیان کیا ہے

کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور جزو جانی اور نسائی اور ازدی اور کو ضعیف کہتے ہیں۔ اور ابن حبان
 کہتے ہیں کہ یہ ایسی خطائیں فاحش کرتے تھے جس سے چھوڑ دینے کے مستحق ہوے۔ قاسم
 بن زکریا نے کہا کہ عباد بن یعقوب نے ہم سے بیان کیا اور اس نے علی بن عباس نے اور اس سے
 فضیل بن مزوق نے اور اس سے عطیہ نے اور اس سے ابو سعید نے کہ جب آیہ
 واذذاللقربحقیقہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کو بلا کر فدک دیا۔ ذمیہ کہتے
 ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے۔ اگر آپ فدک دیدتے تو حضرت فاطمہؑ پھر کچھ طلب فرماتیں اس لیے
 کہ فدک آپ کے قبضے اور نمک میں ہوتا۔ اور اس حدیث میں سولے علی بن عباس کے
 اور بھی ضعیف راوی ہیں۔

اور علی بن عباس سے عباد بن یعقوب روایت کرتے ہیں ان حضرت کا حال معلوم
 کیجئے۔ تقریب میں یہ لکھا ہے عباد بن یعقوب الرواجی بتخفیف الواو وبالجمیم المکسور
 والنون الخفیف ابوسعید الکوفی صدوق رافضی حدیثہ فی البخاری مقرون بالغ
 ابن حبان فقال لیستحق الترتک یعنی عباد بن یعقوب رافضی تھے انکی ایک حدیث بخاری
 میں ہے جسکی نسبت ابن حبان نے نہایت مبالغہ کر کے کہا ہے کہ وہ چھوڑ دینے کے لائق ہے
 اور غنی مولفہ صاحب مجمع البحار میں ہے ابن یعقوب الرواجی صدوق رافضی حدیثہ
 فی البخاری مقرون فقیل علیہ ہو لیستحق الترتک اور تذہیب التذہیب میں ہے عباد
 بن یعقوب الاسدی ابوسعید الرواجی احد رؤس الشیعۃ... قال بزندی فی غلو
 مرئی لحادیث منکرۃ فی فضائل اہل بیت وقال صالح بن محمد ایشتم عثمان
 کہ عباد بن یعقوب شیعوں کے بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ انہیں ریح کا غلو
 تھا فضائل اہل بیت میں بہت سی حدیثیں منکر روایت کرتے ہیں۔ اور صالح بن محمد کہتے ہیں
 کہ یہ حضرت عثمان غنیؓ کو برا کہا کرتے تھے۔ اور میزان الاعتدال میں ہے عباد بن یعقوب
 الاسدی الرواجی الکوفی من غلاة الشیعۃ ورفس البدع لکنہ صادق فی الحدیث

عن شریک والولید بن ابی ثور خلق وعنه البخاری حدیثاً فی الصحیح مقرون بالآخر
وقال ابن خزيمة حدثنا الثقة فی رابته والمتهم فی دینہ عبد وروی عبدان
الاهوازی عن الثقة ان عباد بن یعقوب کان یشتتم السلف قال ابن عدی یروی احادیث
فی الفضائل انکرت علیه وقال صالح جزیر کان عباد بن یعقوب یشتتم عثمان وسمعتہ
بقول اللہ عادل من ان یدخل طلحة والزبیر الجنة قاتلا علیا بعد ان بايعاه۔ وكان
داعية الى الرض ومعد ذلك یروی المناکیر عن المشکھد فاستحق التذووق قال
الداقطنی عباد بن یعقوب شیعی صدوق یعنی عباد بن یعقوب سدی رواجی کوئی غالبان شیعہ اور
برعیتوں کے رئیسوں میں سے ہیں لیکن حدیث میں صادق ہیں شریک اور ولید بن ابی ثور اور
بت سہی خلق سے روایت کرتے ہیں اور انہیں بخاری نے ایک حدیث جو دو سر راوی سے
مقرون ہے روایت کی ہے۔ اور ابن خزيمة کہتے ہیں کہ ایسا شخص جو روایت میں ثقہ اور دین میں
متمم ہو کر ہم سے حدیث بیان کرتا ہے وہ عباد ہے۔ اور عبدان ابو ازہمی نے ثقہ سے روایت
کی ہے کہ یہ سلف کو گالیان دیا کرتے تھے۔ اور ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ فضائل میں احادیث منکر
روایت کرتے ہیں۔ اور صالح جزیر کہتے ہیں کہ عباد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو گالیان دیتا تھا۔ اور میں نے
اوسکو یہ بھی کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے زیادہ عادل ہے کہ طلحہ اور زبیر کو جنت میں داخل کرے
کیونکہ اونہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر نیکی بعد قتال کیا۔ اور یہ رض کی طرف لوگوں کو بلایا کرتا
تھا۔ اور باوجود اسکے مشاہیر سے منکر احادیث روایت کرتا ہے اسلئے مستحق ترک ہوا۔ داقطنی
کہتے ہیں کہ عباد پکا شیعہ ہے۔

اس روایت کے سلسلے میں جن لوگوں کے نام اسما والرجال کی اون کتابوں میں
ہو گئے جو ہمارے پاس ہیں اون میں بائیس نام پائے گئے اور خدا کے فضل سے پانچون شیعہ نکلے۔
یعنی عباد بن یعقوب۔ علی بن عباس۔ فضیل۔ عطیہ۔ ابو سعید۔ اور ان سب کے بزرگ جو ابانی
اس روایت کے ہیں وہ ابو سعید کلبی ہیں جن کا درجہ تثنیہ سے بھی بالا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے

بابن الحجامة ثقة في أصحابنا عين سديد كثيرا الحديث له كتاب المقنع والفقه
 كتاب الدواجن كتاب ما نزل من القرآن في اهل البيت وقال جماعة من اصحابنا
 انه كتاب لم يصنف في معناه مثله وقيل انه الف وقرآ جش صه الا ذكر الكتابين الاولين
 وفي ست اجبرنا بكتبه وقرآيات جماعة من اصحابنا عن ابي محمد هارون بن موسى التلعكبري
 عنه قول في مشكا ابن عباس بن علي بن مروان الثقة عن التلعكبري انه قال محمد بن عباس ثقة من
 اور جہا سے صحابہ میں سے ہیں نہایت کثرت سے حدیثیں روایت کرتے ہیں اور بہت کتابیں
 انکی تصنیفات میں ہیں انہیں سے ایک تفسیر میں اون آیات قرآنی کے بے جواب امت کی
 شان میں نازل ہوئیں اور جسکی نسبت ہمارے بہت عالموں نے کہا ہے کہ اس قسم کی کتاب
 اس باب میں کبھی تصنیف نہیں ہوئی اور اسکے ہزار ورق ہیں۔ اسلئے اس تفسیر میں
 لکھا ہونا تو صرف شیعوں کو مقبول ہوگا نہ کہ سنیوں کو۔ اور ان حضرت نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا
 نہیں کہ اس روایت کو سنیوں کی کتاب سے لیا ہے یا شیعوں کی مگر یہ بھی وہی روایت ہے جسکو
 ہم اوپر بیان کرچکے اسلئے کہ اس میں دو طریقوں سے اس روایت کو بیان کیا ہے ایک تو محمد بن
 محمد اور یثیم بن خلف اور عبدالسر بن سلیمان اور محمد بن قاسم سے کہ یہ چاروں کہتے ہیں حدیث
 عباد بن یعقوب یعنی یہ حدیث انکو عباد بن یعقوب سے پہونچی اور عباد بن یعقوب کو علی بن
 عباس سے (جسکو غلطی سے عباس لکھا ہے) اور دوسرا سلسلہ یہ ہے کہ جعفر بن محمد حسینی
 روایت کرتے ہیں علی بن منذر طریقی سے اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن عباس سے
 پس یہ دونو سلسلے علی بن عباس پر ختم ہوتے ہیں اور علی بن عباس کا سلسلہ ختم ہوتا ہے یثیم بن
 اور او کا عطیہ پر اور او کا ابو سعید پر۔ اور ان تینوں کا حال بخوبی معلوم ہو چکا ہے۔ اسلئے
 ایک سلسلہ جو علی بن منذر طریقی سے چلا ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ علی بن منذر اگرچہ صدوق
 تھے مگر شیعیہ جیسا کہ تقریب میں لکھا ہے علی بن منذر الطریقی بفتح المہملۃ وکسر الراء بعدھا
 تحانیۃ ساکنۃ ثم قاف الکو فی صدوق یتشیع اور میزان الاعتدال میں ذہبی اوکی

نسبت کہتے ہیں قال النسائی شیعہ محض ثقاة اور جبکہ علی بن منذر شیعہ تھے تو اون کی ایسی روایت پر جو ان کے عقائد کی تائید کرنے والی ہو جو کچھ اعتبار ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور علی بن منذر طریق سے اس روایت کو جعفر بن محمد حسینی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ نہ صرف معمولی شیعہ ہیں بلکہ نہایت صدوق اور ثقہ من مشائخ الاجازہ شیعوں کے ہیں جیسا کہ منہج المقال میں جو اسرار الرجال میں نہایت معتبر کتاب شیعہ کی ہے او کی نسبت لکھا ہے جعفر بن محمد بن ابراہیم الحسینی الموسویٰ المصري یروی عنہ التلعکبریٰ وكان سماعه عند سنة اربعین وثلاث مائة بمصر وله منه اجازة وزاد في بعض النسخ ابو القاسم في الاول فالظن انه يكتني به وكتابه الشیخ ایضاً فی محمد بن ابی عمیر و عبد عنہ بالشریف الصالح وفي عمارة بن احمد بن نھیک ایضاً کونہ من مشائخ الاجازة وذلك اما مرة الوثاقاة و عبد اسد بن احمد بن نیک کے ذکر میں لکھا ہے الشیخ الصدوق ثقاة اور انھیں کے ذکر میں لکھا ہے ابن خبرنا القاضي ابو الحسين محمد بن عثمان بن الحسن قال اشتملت اجازة ابی القاسم جعفر بن محمد بن ابراہیم الموسویٰ اتھی

دوسرے سلسلے میں ایک اوی محمد بن قاسم بن زکریا ہیں او کی نسبت تقریب میں لکھا ہے محمد بن القاسم الاسد الکوفی شاعر الاصل لقبہ کا وکذبوہ یعنی یہ حضرت جعفر ثورثین داخل ہیں۔ اور رجعت پر ایمان لانے والے تھے اس سے بڑھ کر ان کے تشیع کی اور کیا دلیل ہوگی کہ اقال فی میزان الاعتدال محمد بن القاسم بن زکریا الجازی الکوفی عن علی بن منذر الطریق و جماعۃ تکلموا فیہ و قیل کان یؤمن بالرجعة و قد حدث بکتب النہی عن حسین بن نصر بن مزاحم و ثم یکن فیہ سماع و مات سنة ست و عشرين و ثلاث مائة اور ایک اوی اس میں محمد بن محمد بن سلیمان بن یوسف حدیث میں شہم ہیں۔ اور میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے محمد بن محمد بن سلیمان عن الطبرانی بخبر موضوع انہم بی ۳ و ایک اوی عبد اسد بن سلیمان بن اشعث ہیں ان کی نسبت میزان الاعتدال

میں لکھا ہے کہ یہ اول میں منسوب بنا صحبت تھے اس لیے یہ بغداد سے نکال دیے گئے مگر پھر علی بن عیسیٰ کے زمانے میں واپس گئے اور اس داغ کے مٹانے کے لیے اپنے خیال سے بنا بنا کر فضائل کی حدیثیں بیان کیں اور انہیں کے ایک شیخ بن گئے الفاظ میزان کے یہ ہیں عبد اللہ بن سلیمان بن اشعث السجستانی ابوبکر الحافظ الثقة صاحب التصانیف وثقال الدار فقال ثقة لانه كثيرا الخطاء في الكلام على الحديث وذكره ابن عدي وقال لولا ما شرطنا ولا لما ذكرته الى قوله سمعت ابا داود يقول ابني عبد الله كذاب قال ابن سعد كفانا ما قال ابوہ فيہ ثم قال ابن عدي سمعت موسى بن القاسم يقول حدثني ابوبکر سمعت ابراہیم کلابی يقول ابوبکر بن ابدؤد کذاب قال ابن عدي كان في الابتداء نسب الى شی من النصب فقال ابن الفراء من بعد اذ فرده عن ابن عیسیٰ فی شی واظہر فضائل من تجلیل فصارت شیخا منهم یہ حال تو ہے اور دو طریقوں کا جو سید ابن طاووس نے تفسیر محمد بن عباس سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ بیس طریقوں سے یہ حدیث منقول ہے غالباً یہی کیفیت باقی سلسلوں کی بھی ہوگی بشرطیکہ کوئی اور سلسلے نام کے لیے بھی بیان کیے گئے ہوں بہکو تو ملتا باقر مجلسی کی عادت سے یقین نہیں آتا کہ اور کوئی سلسلہ بیان بھی کیا گیا ہوگا کیونکہ اگر بیان کیا گیا ہوتا تو وہ اپنی کتاب بحار الانوار میں جو ایک دریا ناپید اکناس ہے لکھنے سے دریغ فرماتے بلکہ ضرور لکھتے تاکہ دیکھنے والوں کو روایت کی عظمت معلوم ہو۔

چوتھی روایت جو ملتا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں لکھی ہے اس کے اول محمد بن عباس میں دوسرے علی بن عباس مقانعی تیسرے ابوکریب چوتھے معاویہ بن ہشام پانچویں فضیل بن مرزوق چھٹے عطیہ ساتویں ابوسعید خدری ہیں۔

یہ سلسلہ بھی فضیل بن مرزوق اور عطیہ اور ابوسعید پر منتهی ہوتا ہے اس لیے ہم اس روایت کو بھی اگرچہ اسکے درمیانی راوی دوسرے ہیں دوسری روایت نہیں خیال کرتے اور کیونکر خیال کریں جبکہ آخری راوی تو وہی فضیل اور عطیہ اور ابوسعید ہیں۔ انہیں سے ایک

درمیانی راوی ابو کریب ہیں وہ بھی بجائیل سے ہیں جیسا کہ ترمذی، الترمذی، ابن ماجہ سے
ابو کریب الاسدی قال ابو حاتم معجول۔

قسم اول جس میں چار روایتیں تھیں ان کا حال ہم بیان کر چکے اور یہ بات ہم نے صاف بتا
دکھا دی کہ یہ ایک ہی روایت ہے جس کے آخری راوی شیعی ہیں۔ دوسرے قسم کی روایتوں
کا بھی یہی حال ہے۔

کنز العمال سے جو روایت عماد الاسلام میں نقل کی ہے وہ صرف یہ ہے عن ابی سعید
بن لفظ خدری کا ابو سعید کے آگے ہے اور نہ سلسلہ اسناد کا او سمن مذکور ہے۔ اور صاحب کنز العمال
نے اسکو حاکم کی تاریخ سے لیا ہے اور حاکم نے اسکی نسبت کہا ہے کہ اس روایت کو صرف
ابراہیم بن محمد بن میمون نے علی بن عباس سے بیان کیا ہے۔ یہ روایت بھی مثل دوسری
روایتوں کے تعجب خیز اور نفرت انگیز ہے۔ اسلئے کہ اول تو حاکم خود مائل یہ تشیع تھے بلکہ اس سے
بھی کسی قدر ڈرے ہوئے اور انکی کتابوں میں موضوع حدیثین منقول ہیں اور الفاظ رافضی خبیث بھی
انکی نسبت استعمال کیے گئے ہیں جیسا کہ تذکرہ الخفاہ ذمہ میں لکھا ہے قال الخطیب ابو بکر
ابوعبداللہ الحاکم کان ثقہ یبیل الی التشیع فحدثنی ابراہیم بن محمد المردی وكان صالحا عالما
قال جمع الکلمہ حدیث وزعم انها صحیح علی شرط البخاری وسلم نہر حدیث الطیر من کتب
مولاه فعلی مولاه فانکرها علیہ اصحاب الحدیث ولم یلنفتوا الی قوله ولا ریب ان فی
المستدرک احادیث کثیرة لیست علی شرط الصححة بل فی احادیث موضوعه شان
المستدرک باخر اجماعا فیه قال ابن طاہر رسالت اباسمعیل الانصاری عن الحاکم
فقال ثقہ فی الحدیث رافضی خبیث ثم قال ابن طاہر کان شدید التعلل للشیعة
فی الباطن اور انھوں نے جو ابراہیم بن محمد بن میمون سے روایت کی ہے وہ خود انکی
تشیع کو ثابت کرتی ہے اسلئے کہ انکی نسبت منتهی المقال فی اسما الرجال میں جو کہ شیعوں کی معتمد
کتاب سے ہے لکھا ہے کہ ابراہیم بن محمد بن میمون کو میزان الاعتدال میں اجلا شیعة سے

لکھا ہے کہ قال ابن میزبان الاعتدال انه من اجراء الشيعة روى عن علي بن
عابس انتهى ولعله ابن ميمون الأني اور پھر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ابراہیم بن ميمون
الکوفی صدق ویاثی فی ترجمة عبد الله بن مسکان ان ابراہیم هذا حمل جواب مسائل عبد الله
عن ابی عبد الله فيظن ان الامام كان يعتمد عليه فهو معتد عليه وفاقا للجمع اور اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی شیعہ تھے بلکہ امام جعفر صادق کے معتد علیہ تھے۔ ان حضرات کی روایت
کی ہے علی بن عباس سے جو حقیقت میں علی بن عباس بن اور علی بن عباس کا حال ہم اوپر لکھ چکے
کہ انہ کان من الضعفاء والمتروکین۔ اور ان حضرت کا سلسلہ ابوسعید تک پہنچتا ہے اور
خیریت سے اسمین خدری کا لفظ بھی نہیں ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ ابوسعید
ابوسعید خدری نہیں ہیں بلکہ وہی ابوسعید کلبی ہیں۔

دوسری وہ روایت ہے جو عماد الاسلام میں تفسیر و سنن شور سوطی سے اور طعن الراح میں
تفسیر مذکور اور نیز نزار اور ابوعلی اور ابن حاتم اور ابن مردویہ سے بلا حوالہ سند نقل کیا ہے اور
لکھا ہے کہ ابوسعید خدری سے یہ روایت منقول ہے۔ اس روایت کا سلسلہ اگرچہ منقول نہیں ہے
مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہی روایت ہے جو سیدنا حفصہ بن مردویہ سے اوپر نقل ہو چکی۔ اور مولوی
حیدر علی صاحب مرحوم نے اپنی ایک تالیف میں اسکی اسناد بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں حدیثنا
عبدالبن یعقوب حدیثنا ابویحیی التیمی حدیثنا فضیل ابن مرزوق عن عطیہ عن ابی
اسمین بھی ابی سعید کے آگے لفظ خدری نہیں ہے اور جس سے تصدیق اس بات کی ہوتی ہے
جو اوپر ہم لکھ چکے کہ یہ ابوسعید کلبی ہیں۔ اور عطیہ انھیں سے روایت کرتے ہیں اور سوا ابویحیی تیمی
سب اسی اسکے شیعہ ہیں جنکی تفصیلی کیفیت اوپر بیان ہو چکی۔ اور ابویحیی تیمی کی نسبت تہذیب
میں لکھا ہے ضعفہ ابو حاتم کہ یہ بھی ضعفاء میں سے ہیں غرض کہ یہ روایت بھی کوئی جدید روایت
نہیں ہے بلکہ وہی ابوسعید کلبی کی روایت ہے۔

تیسری روایت وہ ہے جو بحار الانوار وغیرہ میں لکھی ہے کہ عبد الرحمن بن صالح کہتے ہیں

کہ مامون کے پوچھنے پر مہبہ فدک کے متعلق عبید اللہ بن موسیٰ نے وہ حدیث لکھ لی تھی جسکو فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت ازتر یا شیعوی کی روایت ہے۔ ابتدا بھی اسکی شعیبی سے اور انتہا بھی اوسکی شعیبی پر مہوتی ہے۔ اسلئے کہ روایت عبدالرحمن ابن صالح سے بیان کی گئی ہے اونکی نسبت میزان الاعتدال ذہبی میں لکھا ہے عبد الرحمن بن صالح الازدی ابو محمد الکوفی کان شیعیا وقال ابوداؤد الف کتاب فی مثالب الصحابة رجل سوء وقال ابن عدی حرق بالتشیع مات سنۃ خمس و ثلاثین مائتین اور تقریب میں انکی نسبت لکھا ہے عبد الرحمن بن صالح الازدی الکوفی نزیل بغداد صدوق یتشیع وقال ابوداؤد وضع مثالب الصحابة کہ یہ حضرت شیعہ تھے اور نہ صرف معمولی شیعہ بل شیعیہ میں غرق تھے یہاں تک کہ صحابہ کے معائب اور مطاعن میں حضرت کے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ پھر لسنے کیا تعجب ہے کہ وہ ایسی روایت نقل کریں۔ اور بالفرض اگر یہ سنی بھی ہوتے تو چونکہ جس قصے کو یہ بیان کرتے ہیں بشرط صحت اوس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مامون کو جو جواب عبید اللہ بن موسیٰ نے لکھا اوسمیں وہی روایت بیان کی جو فضیل بن مرزوق اور عطیہ سے منقول ہے۔ اور ان حضرات کا حال ہم اوپر بتفصیل بیان کر چکے۔ اسلئے وہ روایت قابل سند نہیں ہے۔

چوتھی وہ روایت ہے جو طائف اور احقاق الحق میں واقعہ اور بشر بن الولید اور بشر بن عیاش سے بخلاف سلسلہ اسناد منقول ہے۔ غالباً یہ بھی وہی روایت ابو سعید اور عطیہ اور فضیل کی ہوگی۔ اور چونکہ اسی واقعہ اور بشر بن عیاش سے طائف اور احقاق الحق میں بیان کیا ہے اسلئے اسکی طرف توجہ کر لینی بھی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ واقعہ اسی دن بزرگوار مصنفوں میں ہیں کہ اونکی کتابیں نہ صرف ضعیف روایتوں بلکہ موضوع اور غلط اور جھوٹی خبروں سے بھری ہوئی ہیں اور اونکی غیر معتبر ہونے پر اکثر محققین اور علما کا اتفاق ہے۔ اور بشر بن عیاش کی شان واقعہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے یہاں تک کہ انکو محققین نے زنیق تک کا خطاب دیا ہے۔

اول واقعہ کا حال سنئے انکی نسبت تقریب میں لکھا ہے عمرو بن قاعدی المدنی القاضی

تزیل البغداد متروک مع سعة علمه کہ وہ باوجود بہت بڑے عالم ہونیکے متروک ہیں۔ اور تزکرہ پختا
 میں ذہبی انکی نسبت لکھتے ہیں محمد بن عمر الواقدی الاسلمی الحافظ البحرلم اسبق ترجمتہ
 هنا لانفا قہم علی ترک حدیثہ و ہو من اوعیة العلم لکنہ لا یتفن الحدیث و ہو را سق فی
 المغازی والسیر ویروی عن کل ضرب یعنی واسق می نے حافظ ہیں۔ میں
 انکے ترجمے کو بیان اسلئے نہیں لکھتا کہ محدثین نے انکے متروک الحدیث ہونے پر اتفاق کیا ہے۔
 اگرچہ زبردست عالم ہیں لیکن حدیث میں احتیاط نہیں کرتے۔ مغازی اور سیر خوب جانتے ہیں
 مگر ہر طرح کی جھوٹی سچی روایت کرتے ہیں۔ اور تہذیب التہذیب میں بھی یہی انکی صفت لکھی
 ہے اور پھر لکھا ہے قال البخاری متروک اور تہذیب میں ہے وقال احمد ہو کذا فقال
 ابن معین ہو ضعیف اور میزان الاعتدال میں انکی نسبت لکھا ہے محمد بن عمر بن قادی
 الاسلمی صاحب التصانیف واحد اوعیة العلم علی ضعفہ وحسیاک ان ابن ماجہ قال یحیی بن
 ایسیمہ قال احمد بن حنبل ہو کذاب یقلب الاحادیث یلقی حدیث ابن اسحق الزہری
 علی عمر بنحو ذوق قال ابن معین لیس بثقة وقال مرة ینکتب حدیثہ وقال البخاری وابو حاتم
 متروک وقال ابو حاتم ایضا والنسائی یضع الحدیث وقال ابن عدی احادیثہ غیر
 محفظة والبارئ منہ وقال ابو غالب بن بنت معاویة بن عمرو سمعت ابن المدنی
 یقول الواقدی یضع الحدیث وقال ابو داؤد بلغنی ان علی بن المدینی قال کان
 الواقدی یروی ثلاثین الف حدیث غریب وقل للمغیرة بن محمد المصلی سمعت
 ابن المدنی یقول الھیثم بن عدی او ثق عندی من الواقدی لا رضاه فی الحدیث
 ولا فی الانساب ولا فی شئی قلت وقد سبق جملة من اخبار الواقدی وجوه وغیر ذلک
 فی تاریخ الکبیر ومات وهو علی القضاء سنہ سبع ومانتین فی ذی الحجۃ واستقر الاجماع
 علی وھن الواقدی سان روا یتعن سے مطوم ہوتا ہے کہ گو وہ بہت بڑے عالم تھے او
 نے صاحب تصنیف مگر بالکل نامعتبر بیان تک کہ او انکی دھن اور متروک الحدیث ہونے پر

متفق ہیں اور اس سے زیادہ اور کیا عیب ہو سکتا ہے کہ حدیث بنایا کرتے تھے اور میں ہزار حدیث غریب اونے منقول ہیں انکی روایت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ معتبر مفسرین انکی روایت کے نقل کرنے سے بھی پرہیز کرتے تھے جیسا کہ تفسیر طبری کی نسبت ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اسکی مفسر نے کلبی اور واقدی سے کچھ بھی اپنی تفسیر میں نہیں لیا اسلیے کہ یہ لوگ ضعیف اور غیر معتبر تھے۔ اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ واقدی کی نسبت بعضوں نے بیان کیا ہے کہ اسکے نام سے جو کتابیں مشہور ہیں وہ دراصل ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ابو اسحاق مدنی کی ہیں جو کہ روایات اور مصنفین شیعہ سے ہیں اونکی کتابوں کو واقدی نے نقل کیا اور اپنے نام سے اسے مشہور کیا اسلیے اسکی کتاب میں حقیقت شیعہ کی کتابیں سمجھنا چاہیں جیسا کہ منتہی المقال فی اسرار الرجال میں جو معتبر کتابوں میں سے شیعہ کی ہے ابراہیم بن محمد کے ترجمے کے ذیل میں لکھا ہے

کما یقول ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ابو اسحاق مولیٰ اسلم مدنی روى عن ابی جعفر و ابی عبد اللہ و کان خصیصاً و العامة لهذا تضعفہ و حکى بعض اصحابنا عن بعض الصحابة ان کتاب الواقدی ساثرھا انما ھو کتاب ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ نقلھا الواقدی و ادعاھا و فی ہذا الشیخ ابان محمد بن یحییٰ ابو اسحاق مولیٰ اسلم مدنی روى عن ابی جعفر و ابی عبد اللہ و کان خاصاً بحدیثنا و العامة تضعفہ لذلک ذکر یعقوب بن سفیان فی تاریخہ فاستبان تضعیفہ عن بعض الناس ان سماعہ بینا لمرکب الاولین ذکر بعض ثقات العامة ان کتاب الواقدی ساثرھا انما ھو کتاب ابراہیم بن محمد بن یحییٰ نقلھا الواقدی و ادعاھا و ذکر بعض اصحابنا ان لہ کتاباً بصیراً فی الحال لکن من ابی عبد اللہ الحسین بن محمد کہ لہ ذی الی قولہ ما مر من العامة تضعفہ لہ و شیخنا لکن صاحب میزان الاعتدال و ھو کذاب رافضی۔ (دیکھو صفحہ ۲۰ منتہی المقال مطبوعہ ایران) ایسے وضاع کی روایت ثبوت میں پیش کرنا اور اس سے ایسے معرکہ الآراء بحثوں میں استدلال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی صحیح روایت اس باب میں حضرت امامیہ کو نہیں ملی اور ملے کیونکر جبکہ اس کا وجود ہی نہ تھا اور نہ ہے۔ اور جبکہ واقدی کی

کتابوں کی نسبت یہ مانا جائے کہ اس نے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ کی کتابوں کو نقل کر کے اپنے نام سے مشہور کیا تو پھر کیا شبہ باقی رہتا ہے کہ یہ کتابیں اصل میں شیعوں کی ہیں۔

بشر بن غیاث کا بھی حال سن لیجیے۔ میزان الاعتدال میں ان کی نسبت لکھا ہے

بشر بن غیاث المرسی مبتدع ضال لا ینبغان یروی عنہ قال بوالنضر ہاشم بن القاسم کان والد بشر المرسی یہودی اقصا یا سبا غانی سویتة نصر بن مالک و قال المزمونی سمعت ابا عبد اللہ ذکر لبشر فقال کان ابوہ یہودی او کان لبشر سینغیت فی مجلس ابی یوسف فقال لہ ابو یوسف لا ننتہی او تفسد خشبہ یعنی تصلب وقال قتیبہ بن سعید لبشر المرسی کافر و قال الخطیب حکلی عنہ اقوال شنیعة اساء اهل العلم قولہم فیہ و کفرہ اکثر ہم کاجلہا قال بوزرعۃ الرازی لبشر المرسی زندق۔ کہ بشر بن غیاث مرسی بدعتی گمراہ ہے اس لائق نہیں کہ اس سے روایت کی جائے۔ ابو نضر ہاشم بن قاسم کہتے ہیں کہ اس کا باپ یہودی قصاب زرگریہ نصر بن مالک کے بازار میں تھا اور مزمونی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ سے سنا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ بشر قاضی ابو یوسف کی مجلس میں استغاثہ کر رہا تھا کہ قاضی صاحب نے کہا کہ تو باز نہ آئے گا کیا سولی کو خراب کیا چاہتا ہے یعنی سولی دیدین گے اگر تو باز نہ آئے گا۔ اور قتیبہ بن سعید کا قول ہے کہ یہ کافر تھا اور خطیب کہتے ہیں کہ اس سے بڑے اقوال منقول ہیں جنکی وجہ سے علمائے اسکو کافر کہا ہے۔ اور ابو زرعدہ رازی کہتے ہیں کہ یہ زندق تھا۔

پانچویں روایت معارج النبوت کی ہے جو عماد الاسلام میں نقل کی گئی ہے۔ اس روایت سے استدلال کرنے پر سکو تعجب ہے کہ جناب مجتہد امام مولانا سید ولد اعلیٰ صاحب سے محقق اور مستحکم عالم اسے سند میں پیش کرتے ہیں۔ معارج النبوت کا حال فارسی پڑھنے والے طالب علم تک جانتے ہیں کہ مولود کے رسالوں سے بڑھکر کوئی قدر اور قیمت اسکی علمائے نزدیک نہیں ہے۔ وہ ایک شاعرانہ اور منشیانہ تحریر کے لیے عمدہ نمونہ ہے لیکن بلحاظ صحیح کچھ بھی اسکی وقعت

ہمیں ہے۔ یہ اوس قسم کے مؤرخین میں سے ہیں کہ اپنے تنور گرم کرنے کے لیے جو خشک وتر
ایندھن اونکو ملا اسے کام میں لائے اور سامعین کے متعجب اور سرور اور محفوظ کرنے کے لیے
اوسے عمدہ الفاظ میں بیان کیا۔ مگر اوسکو آجتک کسی نے اس قابل نہیں سمجھا ہے کہ اوسے
کوئی سند پیش کیجائے نہ سولے رسالوں مولود کے کسی بحث میں آجتک اوس سے کوئی سند
پیش کی گئی لہذا اوس میں مرقوم ہونے پر اس روایت یا اوسے کسی روایت سے استدلال کرنا شانِ علما
سے نہایت ہی بعید ہے اور بالفرض اگر وہ اور اوسکا مصنف معتبر و معتمد ہوتے تو اس روایت
استدلال کرنا اور بھی بعید تھا کیونکہ خود اوسمیں اس روایت کے غیر صحیح و ناقابل اعتبار ہونے کی طرف
بوجہ اشارہ موجود ہے وجہ اول صاحب معارج نے باوصف التزام لکھنے واقعات کے
اس روایت ہبہ کو واقعہ نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس روایت کے قبل کی روایت کو جو اس روایت
کے منافی ہے واقعہ قرار دیا ہے وجہ دوم صاحب معارج نے اس روایت کو وضعاً موخر
اور اوسکے منافی روایت کو وضعاً مقدم کیا ہے وجہ سوم اس روایت کو بغیر حوالہ نقل کیا ہے
اور اسکے منافی روایت کو بحوالہ مقصد قصی لکھا ہے وجہ چہارم اس روایت کو بغیر عنوان مقدم
و بدون حوالہ بلفظ بعضے گویند نقل کیا ہے جو منقول عن الجمول یا منقول عن المجرع ہونے پر
دال ہے اور اسکی منافی روایت کو بعنوان واقعہ و بحوالہ لکھا ہے جو صحیح و قابل اعتبار ہونے پر
دال ہے پس بخوبی واضح ہو گیا کہ صاحب معارج نے اس روایت ہبہ کے غیر صحیح و ناقابل اعتبار
ہونے کی طرف بوجہ اشارہ کر دیا ہے لہذا معارج مع اپنے مصنف کے معتبر و معتمد ہونے کی تقدیر پر بھی
اوسمیں موجود ہونے پر اس روایت سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ ہم اسکی
نسبت کچھ بھی لکھیں بجز اسکے کہ اوسکو علما کی شان سے بعید سمجھیں۔

ہم نے تمام روایتوں کی حقیقت بیان کر دی اور ب راویوں کا حال لکھ دیا اور شافی کے
تصنیف ہونے کے زمانے سے اب تک جسکو نو سو برس ہوئے جتنی روایتیں ہبہ کی تائید میں
پیش کی گئی تھیں اون سب کو دکھا دیا اور یہ مثل کہ ہر گاہ دم برداشتہ برآمدان وایتون پر ثابت کر دی

اسی لئے کہ ان تمام روایتوں کا سلسلہ ابو سعید کلبی تک پہنچتا ہے اور اسکی روایت سبب ان عیبوں کے جو او میں تھے ہرگز قابلِ محاظ نہیں اور باوجود اسکے کہ یہ ایک ہی ماخذ سے لی گئی ہے ہجو تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور جناب مولانا دلداری صاحب نے محقق اور کالمین نے اس کئے کی جرأت کی کہ قدر وی من طرق مختلفہ غیر طریق ابی سعید الذی ذکرہ صاحب الکتاب انہما نزل قولہ تعالیٰ وات ذالقرآن حقہ دع النبی فالطمۃ فاعطاہا فداک واذا کان ذلک مردو یا فلا معنی لہ بغیر حجۃ کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ سید مرتضیٰ ایک طریقے سے بھی اس روایت کعبان فرمائیں اور صرف اس روایت کو جواباً عن جد شیعوین مشہور تھی اور جس کا ذکر فاضل عبد بجا نے اپنی کتاب مغنی میں کیا تھا کہ شیعہ ایسا کہتے ہیں کافی سمجھا کہ اپنی طرف سے صرف یہ لکھ دین کہ اور مختلف طریقوں سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ اور پھر کیا اس سے کم یہ بات تعجب کرنیوالی ہے کہ علم الہدیٰ کے زمانے سے لیکر اب تک باوجودیکہ ہزاروں عالم اس مدت میں گذرے اور سیکڑوں کتابیں اس بحث میں لکھی گئیں اور نئے نئے دعویٰ کیے گئے اور نہایت فصیح و بلیغ اور درانگیز تقریریں وغیر یہ دعویٰ بیان کیا گیا اور علماء شیعہ نے سینوں کی ساری کتابیں چھان ڈالیں نہ متن چھوڑا نہ حاشیہ نہ حدیث کی کتاب باقی رکھی نہ تاریخ کی مگر ایک صحیح روایت بھی اس دعویٰ کے ثبوت میں اہل سنت کی کتابوں سے پیش نہ کر سکے اور یہ تمنا اپنے ساتھ قبر میں لیگئے۔ اگر یہ نامور علماء اور یہ مشہور متکلمین جنکے علم و فضل کا غلقہ آسمان تک پہنچا اور جنہوں نے اپنے گروہ میں سینوں پر فتح و ظفر حاصل کر نیکی خوب شہرت پائی بجائے فصیح و بلیغ تقریریں کرنے اور زور قلم دکھانے ایک صحیح روایت پیش کر دیتے تو غلط بنیاد پر ایک مبسوط کتاب لکھنے سے اور ہزار قوت بیانیہ ظاہر کرنے سے زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب اور زیادہ موزون ہوتا۔ مگر ایسا کرنے سے خود انہوں نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ کوئی روایت ایسی موجود ہی نہیں ہے جسے وہ اہل سنت کے مقابلے میں صحیح اور قابلِ اعتبار قرار دیکر پیش کر سکتے

بنت ابی ہالہ کہ فاطمہ کو فدک دیدے تھے کہ وہ اونکی ماں خدیجہ اور اونکی بہن ہند بنت ابی ہالہ کی میراث میں سے ہے۔ پھر اپنے جو کچھ اوس میں سے مال لیا تھا اوسکو لیکر فاطمہ کے پاس آئے اور اس آیت کی خبر کی فاطمہ نے جواب دیا کہ میں ابھی زندگی میں کوئی نئی کارروائی نہ کرونگی بلکہ آپ کو میری جان و مال کا اختیار ہے۔ اپنے فرمایا کہ مجھے اس امر کا خوف ہے کہ لوگ تم پر عار رکھکر اسکو میرے بعد تم سے چھین لیں اور تمکو زمین۔ فاطمہ نے کہا تو اچھا آپ اپنا حکم جو کرنا چاہتے ہیں کریں۔ اپنے لوگوں کو اونکے گھر میں بلا کر رکھ دیا کہ یہ مال فاطمہ کا ہے اور پھر اوسکی اونہیں تفریق کر دی اور ہر سال ایسا ہی کرنے کہ فاطمہ کی قوت کے بقدر لے لیتے۔ اور جب آپ کی وفات قریب پہنچی تو آپ نے فدک بالکل اونکو دیا۔ بحار الاوار ۱ صفحہ ۹۱۔ از مناقب ابن شہر آشوب۔

(۴) چوتھی روایت یہ ہے کہ جب آیہ و ات ذالقرنی حقیقہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے جبریل سے پوچھا کہ مسکین تو میں جانتا ہوں ذوالقرنی کون ہیں۔ جبریل نے کہا ہم اقرار کیا وہ آپ کے رشتہ دار ہیں تب آپ نے حسن و حسین اور فاطمہ کو بلا کر لیا کہ خدا مجھے حکم دیتا ہے کہ جو خدا نے منے مجھے عطا کیا ہے اور جو میرے ساتھ مخصوص ہے وہ تمہیں دے۔ اسیلے میں تمہیں فدک دیتا ہوں۔ بحار الاوار از تفسیر عیاشی صفحہ ۹۱۔

(۵) عبد اللہ بن سنان نے امام جعفر صادق سے ایک بڑی لمبی روایت کی ہے جسکو مفصل دعویٰ ہے فدک میں نقل کریں گے اوسمیں جہان شہادت حضرت ام المومنین کی بیان کی گئی ہے اوسمیں یہ لکھا ہے کہ جب آپکو جبریل فدک کے حدود بتانے کے لیے لگئے اور واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ نے کہا کہ آپ کمان تشریف لگئے تھے اپنے فرمایا کہ جبریل مجھے فدک کے حدود بتانے لگئے تھے اسپر حضرت فاطمہ نے عرض کیا یا ابتانی اخاف العیلة والحقاجۃ من بعدہ فصدقت ہما علی قتال ہی صدقتا علیک فقضتہا کہ امی میرے باپ میں بعد آپ کے اٹلا س اور محتاجی سے ڈرتی ہوں فدک مجھے دیدے تھے اپنے فرمایا اچھا یہ تمہارے اور صدقہ ہے یعنی تمہارے لیے عطیہ ہے

بیت اول ص ۱۰۰
 ۶۸ فصل اول از امام علی (ع) در بیان فضائل حضرت ام المومنین سیدہ زینب (س)

اپس فاطمہ نے اوپر قبضہ کر لیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام امین اور علی سے کہا کہ تم اسپر گواہ رہو۔ بحار الانوار از کتاب الاختصاص صفحات ۱۔

یہ روایتیں جو اوپر ہننے بیان کیں کچھ جزئی اور غیر ضروری باتوں ہی میں باہم مختلف نہیں ہیں بلکہ اوکھا تخالف اون اہم امور میں ہے جو نفس واقعبہر مؤثر ہے۔ اور انکے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضعین روایت کے ہر موقع اور ہر محل کے واسطے اور ہر اعتراض کے دفع کرنے کے خیال سے یہ روایتیں بنائی ہیں مگر اونکی کثرت ہی نے وہ تناقض پیدا کر دیا کہ اوسکا دفع کرنا مشکل ہے۔

چنانچہ پہلی روایت میں جو بحوالہ عیون الاخبار بحار الانوار سے ہننے نقل کی ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیت نازل ہونے پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ کو بلاؤ اور وہ بلائی گئیں۔ اور دوسری روایت میں جو بحوالہ تفسیر فی بحار الانوار سے ہننے نقل کی ہے یہ ہے کہ جب آپ کنجیان فدک کی لیکر مدینہ میں داخل ہوئے تو خود فاطمہ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہاری ماں کے مہو میں جو مجھ پر واجب الادا ہے تمہیں اور تمہاری اولاد کو فدک دیتا ہوں۔

اور نیز پہلی روایت میں ہے کہ آپ نے فاطمہ سے فرمایا کہ مجھے خدانے یہ حکم دیا ہے کہ تمکو فدک دیدوں۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ فدک خدانے مجھے دیا ہے اور میرے بیٹے نہیں کر دیا ہے اور میں اختیار رکھتا ہوں کہ جو چاہوں کر دوں اور اس اختیار کی وجہ سے آپ نے کہا کہ تمہاری ماں کے مہو میں سے دیتا ہوں۔

تیسری روایت میں جو بحوالہ مناقب ابن شہر آشوب ہننے بحار الانوار سے نقل کی ہے یہ ہے کہ آیہ مذکور کے نازل ہونے پر اپنے جبریل سے پوچھا کہ حق ذلوت سربئی کا کیا ہے جبریل نے کہا کہ فاطمہ کو فدک دیدے جیسے کہ وہ اونکی ماں خدیجہ اور اونکی بہن مہند بنت ابی ہالہ کی میراث میں سے ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی میراث میں فدک فاطمہ کو دیا گیا اور دوسری روایت میں لکھا ہے کہ ماں کے مہو میں دیا گیا۔ غالباً جبریل امین نے میراث اور مہو کو ایک تصور

کیا ہوگا۔ یا اونے سہو ہو گیا ہوگا۔ سولے اسکے۔ بات بھی پیش نظر ہے کہ مذک کی آمدنی چوسہ ہزار
دینار سالانہ بتائی گئی ہے۔ اور حضرت خدیجہ کے مہر کی تعداد کا یہاں کچھ ذکر نہیں شاید چوسہ ہزار
دینار سالانہ کی آمدنی کی جاگیر ہی مہر میں قرار پائی ہوگی۔

پھر اسی تیسری روایت میں یہ ہے کہ جب آپ نے فدک فاطمہ کو دیا چاہا تو انھوں نے عرض
کیا کہ آپ کی زندگی میں کوئی نئی کارروائی نہیں کرنی چاہتی آپ کو میری جان و مال کا اختیار
ہے اسپر آپ نے فرمایا کہ شاید میرے بعد لوگ ٹکوزدین تب فاطمہ نے کہا بہت اچھا جواب کرا چاہتے
ہیں کیجیے اسپر آپ نے لوگوں کو اونکے گھر میں بلا کر سب کدیا کہ یہ مال فاطمہ کا ہے۔ اور اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ جسٹ لوگوں کو آنحضرت صلعم نے جمع کر کے مذک کے دینے کا اعلان فرمایا تھا
مگر تعجب ہے کہ حضرات شیعہ اور روایتوں میں جن میں یہ ذکر ہے کہ جب فاطمہ سے شہادت طلب کی گئی
یہ لکھتے ہیں کہ آپ نے ام امین اور علی مرتضیٰ اور حسینؑ کو شہادت میں پیش کیا اور کسی دوسرے
مرد کو شہادت میں پیش نہ کیا اگر واقعی یہ واقعہ جسٹ لوگوں کے سامنے ہوا تھا تو بہت سے گواہ
اور وقت زندہ اور موجود ہونگے پھر طلب کرنے کے وقت انہیں سے دو چار کے نام آگے لے جاتے
اور وہ اگر شہادت دیتے تو یا فدک کو لیا جاتا یا اونکی حجت ابو بکرؓ پر تمام ہو جاتی۔ کیونکہ وہ تو صحابہ
کہ بیان کیا جاتا ہے نصاب شہادت کی تکمیل چاہتے تھے پھر وہ تکمیل کیوں نہ کر دی گئی اس تیسری
روایت ایک اور بات ثابت ہوتی ہے جو اس معاملے میں نہایت اہم ہے وہ یہ کہ فدک بعہبہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں رہا اور سکا کل انتظام آپ ہی فرماتے تھے اور
اوسکی آمدنی آپ ہی جس مصرف میں چاہتے تھے صرف کرتے تھے اور حضرت
سیدہ کو اوسکی آمدنی سے فقط بقدر قوت آپ ہی دیتے تھے پس ہبہ بغیر قبضہ ہوا العذا
اس ہبہ سے فدک حضرت سیدہ کا ملک نہیں ہو سکتا ہے اور جس روایت میں بعہبہ فدک
پر حضرت سیدہ کا قبضہ ہونا اور انھیں کا وکیل او سپر امور ہونا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
کا اوس وکیل کو نکال دینا مذکور ہے وہ روایت اس تیسری روایت سے باطل ہو گئی

اور اسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے لوگوں کو فاطمہؑ کے گھر پر بلا کر کہہ دیا کہ یہ مال فاطمہؑ کا ہے۔ اور دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مہینا مہ فاطمہؑ کے نام لکھا دیا تھا اور اوپر شہادت علیؑ اور ام ایمن کی کرانی تھی۔ تعجب ہے کہ اس خیال سے کہ آئندہ لوگوں کو موقع فاطمہؑ کے محروم کرنے کا باقی نہ رہے بیان تک آپ نے دورانہ پیشی فرمائی کہ لوگوں کو بلایا اور ان کو بتایا کہ یہ مال فاطمہؑ کو دیا جاتا ہے۔ مگر مہینا مہ حضرت علیؑ سے لکھوایا اور صرف ام ایمن کی گواہی کرانی اور لوگوں میں سے جو بلاے گئے تھے کسی کی گواہی نہ لکھوائی حالانکہ اونہیں سے دو چار کی گواہی کرنا زیادہ مناسب اور زیادہ ضروری تھا تاکہ شہادت پر بقول شیعوں کے جو اعتراض ہوا وہ نہ تو اور غیر ونگی گواہی سنکر شیخین ہم کو بھی دعویٰ تسلیم ہی کرنا پڑتا۔

اور گو اس تیسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ وقت وفات کے آنحضرت صلعم نے مذک فاطمہؑ کو واپس کر دیا مگر پھر اسکی کوئی تفضیل نہیں بیان کی گئی کہ کس طرح واپس کیا اور کیوں کہ فاطمہؑ کا قبضہ کرایا اسباب اس امر کا ثبوت پیش کرنا شیعوں پر ہے کہ یہ کارروائی مذک پر فاطمہؑ کے قبضہ کرانے کی گستاخ اور کیوں کر اور کن کے سامنے ہوئی۔

چوتھی حدیث دیگر احادیث کے بالکل متناقض ہے ایسے کہ اور حدیثوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب ذوالقربیٰ کے معنی آپ نے جبیرؓ سے پوچھے تو جبیرؓ نے خدا کی طرف سے بالتحصیص حضرت فاطمہؑ کا نام لیا۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا نام ہی نہیں لیا بلکہ اس قدر تخصیص ظاہر کر دی کہ مراد اس سے آپ ہی کے رشتہ دار ہیں یعنی امت کے اقارب مراد نہیں۔ اور یہ امر کہ وہ اقارب کون ہیں اور کتھو اور کتھو دینا چاہیے پیغمبر خدا صلعم پر چھوڑ دیا گیا۔ اور آپ کے عدل نے یہی تقاضا کیا کہ جو کچھ ہے اور سب اقارب کو چھوڑ کر حسینؑ اور فاطمہؑ ہی کو وہ دین۔ اور حدیثوں میں تو حضرت فاطمہؑ کی تخصیص کا یہ جواب ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلعم نے بالتحصیص نہیں کی بلکہ خدا ہی نے ایسا حکم دیا اور آپ صرف اسکی تعمیل کرنے والے تھے۔

مگر اس حدیث میں جو شخصیں آنحضرت صلعم نے فرمائی اس کا جواب کچھ ہو ہی نہیں سکتا اس واسطے
 کہ آپ کی شان سے بعید ہے کہ عدل نفرامین اور تمام اقارب میں سے صرف اپنے ذاسون اور
 ایک بیٹی کو منتخب کر لیں۔ اور معاذ اللہ اس طور پر دوسروں کے حقوق تلف کیے جائیں۔
 معلوم نہیں کہ حضرات امامیہ پیغمبر صاحب کے اس داغ کو جو ان کے اس قول اور خیال سے لگتا ہے
 کیونکر دور کر سکیں گے۔ اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا پیغمبر کے عدل اور نھان اور بے طرفداری اور
 بے غرضی کی بھی شان تھی کہ وہ اورون کو چھوڑ کر تین رشتہ دارون کو صرف ایسے کہ انھیں
 زیادہ چاہتے تھے چن لیں اور جو کچھ اس وقت ان کو ملا ہو وہ سب کا سب انھیں کو دیدیں۔
 معلوم نہیں کہ حضرات امامیہ اس کا کیا جواب دیں گے تو روکنگے اس سے کھرے ہوتے
 ہیں اور پیغمبر کی شان میں اسے ایک نہایت بے ادبی اور گستاخی بلکہ اون پر ایک قسم کا اعتراض
 سمجھتے ہیں نعوذ باللہ منہا اس کے اکثر روایتون میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو بکرؓ
 کی شہادت طلب کرنے پر حضرت فاطمہؓ نے حسنینؓ کو بھی پیش کیا اور انھوں نے بھی گواہی ہی
 اسکا بھی اعلان ثابت ہوتا ہے۔ ایسے کہ اس حدیث کی اسے تو فقط فاطمہ دعویٰ کرنے والی
 نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ حسنین کا بھی مدعیون میں شریک ہونا چاہیے تھا پھر وہ کیونکر مدعی
 ہو کر گواہون میں پیش کئے جا سکتے تھے۔

پانچویں روایت کے تو سارا بنا بنایا گھر شیخ کا گرجاتا ہے اور سارا تانا بانا ان کا ٹوٹ جاتا ہے
 ایسے کہ جو شہادت ام المین کی او سین بیان کی گئی ہے او سین یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے
 کہا کہ امی میرے باپ میں آپ کے بعد افلاس اور احتیاج سے ڈرتی ہوں مذک مجھے عطا کر دیجیے۔
 آپ نے فرمایا اچھا یہ تیر صدقہ یعنی عطا ہے۔ او سپر پیغمبر خدا صلعم نے کہا کہ امی ام المین اور امی علی
 تم گواہ رہنا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے خود مذک کی درخواست کی اور آپ
 کے بعد مفلسی کا خوف بنا کر آپ سے مذک مانگا اور ان کے مانگنے پر آنحضرت نے مذک ان کو دیا۔
 اس روایت آیہ وانت ذالقرنی حقہ کلوارہ مذک نازل ہونا اور جبریلؑ سے ذوالقرنی کے معنی

تساہد حضرت شیعہ یہ فرمائیں کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ذوالقربیٰ سے فاطمہؑ بھی مراد ہیں اور انکا حق مذک۔ اور جناب امیر المؤمنینؑ بھی مقصود ہیں اور انکا حق وصیت اور میراث علم اور اسم الکریم تھا۔
 مگر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا اسلئے کہ اور روایتوں سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ صلعم ذوالقربیٰ اور حق ذوالقربیٰ کی حقیقت سے ناواقف تھے اور اسلئے اپنے جبریلؑ سے پوچھا اور جبریلؑ نے حکم خدا بتایا کہ اوس سے مراد فاطمہ اور حق سے مراد مذک ہے۔ دونوں روایتیں کسی طرح سے مطابق نہیں ہو سکتیں۔ اس حدیث کو تفسیر صفائی میں ذیل آیت ذوالقربیٰ سورہ بنی اسرائیل میں بھی نقل کیا ہے۔ اور چونکہ صاحب تفسیر کو خیال گذرا کہ یہ روایتیں تناقض ہیں اسلئے بطور دفع جنس مقدمہ یہ نہ فرمایا بلکہ لائتا فی بین ہذا الحدیث و بین الاحادیث السابقة ولاینہما و بین تفسیر العاقبۃ کما یظہر للمتدبیر العارف بمخاطبات القرآن ومعنی الحقوق و من الذی الحق من الذی لا حق لہ الحمد للہ کہ کچھ اختلاف اس حدیث میں اور پچھلی حدیثوں میں نہیں ہے اور زمان حدیثوں میں اور سنوئوں کی تفسیر میں اختلاف ہے جیسا کہ غور کرنیوالے اور مخاطبات قرآن اور معنی حقوق اور مستحق اور غیر مستحق کے جاننے والے پر ظاہر ہے۔ مگر وجہ عدم اختلاف کچھ میان نہ کی اکھمد لکھ سکت ہو گئے اور متدبر و عارف بالقرآن کے رسلے پر رفع تناقض کو چھوڑ دیا مگر مستدبر اور عارف بعضی القرآن کے نزدیک جو کچھ ظاہر ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ساری روایتیں غلط اور بیجا باتیں بنائی ہوئی اور خلاف سوق قرآن کے ہیں۔

چونکہ ہم شیعوں کی روایتیں بیان کر کے اس بات کو ثابت کر چکے کہ ان روایتوں میں باہم ایسا اور اتنا تناقض ہے کہ ایک پر بھی یقین کرنا ناممکن ہے اسلئے اب ہم اس بات کو دکھاتے ہیں کہ شخص سوق اور مخاطبات قرآنی پر غور کر گیا اور جسکو یہ علم ہوگا کہ یہ آیت ملی ہے نہ دنی وہ ان بیانات کو جو حضرت امامیہ نے اس آیت کے متعلق کیے ہیں ایک نوع کی تحریف معنوی سمجھیں گے۔

آیت ذوالقربیٰ حقہ کے موقع نزول اور طرز بیان پر غور کرنے سے ہبہ مذک کا تاثر ہی نہ ہونا جو روایتیں ہبہ مذک کے متعلق حضرات امامیہ کے یہاں منقول تھیں انکو نقل کر کے ہبہ مذک ثابت

کردیا کہ اونہیں ایسا اور اتنا ناقص ہے کہ ازرقے اصول شہادت کے وہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اب ہم اس بات کو دکھاتے ہیں کہ آیہ ولات ذالقرنی حقہ بوجہ مفصلہ ذیل شیعوں کے دعویٰ کے مفید یا اس سے متعلق نہیں ہے۔

وجہ اول۔ یہ آیت دو جگہ قرآن مجید میں آئی ہے ایک سورہ بنی اسرائیل میں دوسرے سورہ روم میں اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ اور کے میں فذک کمان تھا۔ فذک تو ساتویں سال ہجرت کے آنحضرت ص کے قبضے میں آیا تھا۔

تھخہ اثنا عشریہ کے باب دوم میں کیدسی دوم کے ذکر میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ جمعی کثیر از علماء ایشان سعی لم یغ فرمودہ اندو در کتب احادیث کہ شہرت نذر اندو نسخ آن کتب متعدد بدست نمی آید اکاذیب موضوعہ کہ مؤید مذہب شیعہ و مطبل مذہب سنیان باشد الحاق نمایند چنانچہ قصہ فذک در بعضے تفاسیر داخل فرمودہ اندو سیاق حدیث چنین روایت کردہ اندو لما نزلت و

ات ذالقرنی حقہ دعا رسول اللہ فاطمہ واعطاها فذک اما حکم آنکہ دروغ گور احافظہ نمی باشد بیادشان نامہ کہ این آیت مکی است و در مکہ فذک کہا بود۔ اور حاشیہ پر اسکے تفسیر مجمع البیان سے نقل کیا ہے السورۃ الروم مکیۃ لا قول تعالیٰ فستحین اللہ حین تمسون و حین

تضحون۔ بجواب اسکے تظلیب المکامین مولانا محمد قلی صاحب فرماتے ہیں کہ مجمع البیان میں بہت سے قول اہل سنت کے بھی بطریق نقل و حکایت کے مسطور ہیں اور یہ بھی کہ اطلاق مکی کا اس سورت پر باعتبار اکثر آیات کے ہے اور اسکی نظیر قرآن میں بہت ہے۔ اور نیز یہ کہ ممکن ہے کہ یہ آیت و مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ مرتبہ اول کے میں اور مرتبہ دوم مدینے میں جیسا کہ فخر الدین رازی نے سورہ

فاتحہ کے شان نزول میں کہا ہے۔ اور یہ بھی کہ مکی او سکھ کہتے ہیں جو کے میں نازل ہوئی ہو عام اس سے کہ قبل ہجرت کے ہو یا بعد ہجرت کے۔ فتح کے کے سال میں یا حجۃ الوداع کے سنہ میں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم ان سب باتوں سے درگزر کریں تو ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے گا اگرچہ فذک کے میں نہ تھا لیکن چونکہ خداے تعالیٰ کو اپنے علم ازلی سے معلوم تھا کہ پیغمبر خدا کو بعد ہجرت کے

مدینے میں اور بعد فتح خیبر کے جو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کے ہاتھ سے ہو گئی فذل طریقاً حکم
 اوس کا پہلی ہی نازل کر دیا اور نزول حکم میں کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جو آئندہ زمانے میں آئیگی قبل
 اوس کے وقوع کے کچھ حرج نہیں ہے۔ اور اسکی بہت سی مثالیں ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر میں دیکھا
 جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي ارْتَبَاكَ الْاَفْتِنَةَ لِلنَّاسِ كِ تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ یہ منجھرا مسلم
 نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا تھا اسطور پر کہ بندر آپ کے منبر پر اوجھلتے کودتے ہیں اور پھر خوالد بن ابی
 لکھتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس کا ہے مگر مشکل اس میں یہ ہے کہ یہ آیت تو کلی ہے اور کے میں منبر تھا
 اور پھر اسکا جواب اس طور پر دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ یہ کچھ بعد نہیں ہے کہ کے
 میں اوتو دیکھا یا جائے کہ مدینے میں منبر قائم ہوگا۔

چونکہ ضروری بات قابل بحث کی آخری جواب صاحب تقلب المکاند کا ہے ایسے اوس کے
 الفاظ ہم یہاں نقل کرتے ہیں باقی کل تقریر جسے دیکھنی ہو وہ صفحہ ۳۴ کی سیدھی دووم تقلب المکاند
 مطبوعہ مطبع اردو اخبار دہلی کو ملاحظہ کرے۔

واگر ازمین ہمہ مراتب تنزل کنیم پس ممکن است کہ جواب داده شود که اگر چه فذل در مکہ نبود لیکن
 چون حق تعالی شانہ بعد ازلی میدانست که رسول خدا را بعد از هجرت بمدینہ و فتح جنگ خیبر از دست
 حق پرست امیر المؤمنین علی بن ابی طالب فذل بدست خواهد آمد حکم آن از پیشتر نازل کرده و نزول
 حکم امریکہ در استقبال خواهد آمد از وقوع آن مانع نیست و امثال آن بسیار است۔ و فخرالدین
 رازی در تفسیر کبیر در تفسیر قولہ تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي ارْتَبَاكَ الْاَفْتِنَةَ لِلنَّاسِ گفتہ
 القول الثالث فی الرؤیا قال سعید بن المسیب رای رسول الله بنی امیة ینزلون علی
 منبرہ تود القردة فساء ذلك وهذا قول ابن عباس فی رواية ولاشکال فیما زهد الایة
 مکیة و ما کان لرسول الله بمکة منبر قال و يمكن ان یجاب عن بانہ لا یبغیان
 یری بمکة ان لا بالمدينة منبرینا و اولہ بنوامیة

یہ کتابکہ مجمع البیان میں بہتے قول اہل سنت کے بھی بطریق نقل و حکایت کے مسطورہ میں کافی

اور در دیکھا و از بنو تکوید کھا یا بنی سراج بنی کھنے کو کو کون کے اور منجھرا یا در ۱۵ اسو۔ و بنی سراج کو کھ

جواب نہیں ہے کہ سے کم اپنے ہی بیان کی روایتوں سے اسکو ثابت کرنا تھا کہ یہ سورت ملی نہیں ہے بلکہ مدنی ہے۔ نہ یہ جواب کافی ہے کہ اطلاق ملی کا اس سورت پر باعتبار اکثر آیات کے ہے تا وقتیکہ اس کا ثبوت نہ دیا جائے کہ کونسی آیتیں اس میں اور کونسی مدنی۔

اور یہ فرمانا کہ ممکن ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو تہ اول کے میں اور مرتبہ دوم مدینے میں تعجب انجیز ہے ایسے کہ دو مرتبہ تو یہ آیت نازل ہی ہوئی ہے ایک سورہ روم میں اور دوسری بنی اسرائیل میں۔ اور خیر سے دونوں میں ایسے یہ فرمانا تھا کہ ممکن ہے کہ یہ آیت تین مرتبہ نازل ہوئی ہو۔

اور یہ فرمانا کہ ملی اسے کہتے ہیں جو کہ میں نازل ہوئی جو عام اس سے کہ قبل ہجرت کے ہو یا بعد ہجرت کے فتح مکے کے سال میں یا حجۃ الوداع میں۔ کچھ مفید مطلب نہیں ہے ایسے کہ مکے میں فدک قاطبہ کو نہیں دیا گیا بلکہ مدینے میں اور فوراً بعد قبضے میں آنے فدک کے ایسے ان سب جو ابون سے بہت اظہار صاحب نقیب المکاند کو ہی جواب معلوم ہوا جو اخیر میں فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ اگرچہ فدک مکے میں نہ تھا لیکن موافق علم ازلہ کے پیش از وقوع خدا نے حکم دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جب فدک تھا قبضے میں آئے تو اسے قاطبہ کو دینا مگر اس سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا ایسے کہ جو روایتیں حضرات شیعہ نے فدک لینے کی بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اسی وقت اپنے جبریل سے پوچھا کہ ذوالہستربی کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے۔ بلکہ احادیث شیعہ صاف اس بات پر دال ہیں کہ یہ آیت بعد فتح خیبر اور فدک کے قبضے میں آنے کے نازل ہوئی ہے۔ نہ قبل اس کے۔ جیسا کہ تفسیر صفائی میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے وفي الکافی عن الکاظم فی حدیثہ مع المہدی ان اللہ تعالیٰ لما فتح علی نبیہ فدک وما والاہم یوجع علیہ بخیل وکلاب فانزل اللہ علی نبیہ وات ذالقرنی حقہ ولم یدر رسول اللہ صلعم من ہم فراجع فی ذلک جبریل وراجع جبریل ثم فاجعل اللہ الیہ ان ادفع فدک الی فلطمہ الخ یعنی امام موسی کاظم سے یہ حدیث

منقول ہے کہ جب فذک فتح ہوا بغیر اداہی کے تب خدا نے پیغمبر پر یہ آیت نازل کی کہ ولت ذالقرنی
حقہ اور پیغمبر خدا نہیں جانتے تھے کہ وہ اتار ب کون میں تب آپ نے جبزل سے بوجھا اور جبزل
نے خدا سے اور وحی آئی کہ فذک فاطمہ کو دیدو۔ اس حدیث کے اور دیگر حدیثیں جو عیون اخبار رضا
وغیرہ میں منقول ہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ فذک کے قبضے میں آنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔
اس سے صاحب تقلیب المکام کا فرمانا کہ بطور پیش بندی قبل از قبضہ فذک کے میں یہ آیت نازل
ہوئی ہوگی احادیث ائمہ کی کذب کرتا ہے۔

غرض کہ کسی طرح بات بنا سے نہیں بنتی اور یہ مصنوعی روایت کسی پہلو سے صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور
مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ فرمانا کہ حکم آکر دروغ گورا حافظہ نبی باشد صادق آتا ہے۔

وجہ دوم۔ یہ کہ خطاب وات ذالقرنی حقہ اگرچہ حضرت صلعم کی طرف ہے مگر سابق قرآنی
صان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ خطاب عام ہے تمام امت سے۔ یہ مخصوص ہے صرف آپ کی
ذات مبارک پر۔ ایسے کہ یہ آیت جو سورہ بنی اسرائیل میں ہے او سمین توحید اور احسان اور صلہ رحم
اور مکارم اخلاق کا بیان ہے۔ اور آیات ماقبل و مابعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تخصیص نہیں ہے

بلکہ تعمیم ہے چنانچہ آیات ماقبل و مابعد یہ ہیں وَقَضَىٰ رَبِّيكَ الْاَنْعَامَ وَالْاَيَاتِ وَالْوَالِدِينَ
اِحْسَانًا اَمَّا يَتْلُونَ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَوْطَانًا فَلَا تَقْلُهَا اَتٍ وَلَا تَنْهَرُهَا و
قُلْ لَهَا قَوْلٌ اَكْرَمًا وَاخْفِضْ لَهَا جَنَاحَ الدَّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا
كَمَا ظَلَمْتَنِي صَغِيرًا وَاَنْتُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نَفْسِكُمْ اِنْ تَكُونُوا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلّٰهِ اٰيٰتٍ
غُفُوْرًا وَاٰتِ ذَالْقُرْنٰى حَقُّهٗ وَالْمَسْكِيْنَ وَاٰتِ السَّبِيْلِ وَلَا تَبْدِيْ رَبِّيْكَ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ
كَانَتْ اَحْوٰنَ الشَّيْطٰنِ وَاِنَّ الشَّيْطٰنَ لِرَبِّيْكَ كَفُوْرًا وَاَمَّا نَعِيْضٌ عَنْهُمْ اَتَيْتَهُمْ
مِّنْ رَبِّيْكَ تَرْجُوْهَا فَعَلَّ لَهُمْ قَوْلًا مِّنْ سُوْرٰهٖ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلًا اِلَىٰ عُنُقِكَ
وَلَا تَبْسُطْهَا اٰمِلَ الْبَسُوْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا فَمَسُوْرًا اِنَّ رَبِّيْكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ
وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ يَّعْبَادُهُمْ خَبِيْرًا بَصِيْرًا اب ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔ کہ تیرے رب

یہ حکم دیا ہے کہ اوسکے سوا کبھی کسی عبادت مت کرو۔ اور مان باپ کے ساتھ سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ایک یاد و توان باپ بڑھے ہو جائیں تو نہ کہہ اونسے ہون اور نہ اونکو جھڑک اور کہ اونسے ادب کی بات۔ اور جھکا اونسکے سامنے بازو عاجزانہ اور نیاز مندانہ اور یہ دعا مانگ کہ اے رب ان پر رحم کر جس طرح کہ اونھوں نے مجھے چھٹ پن میں پرورش کیا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارا دلون میں ہے۔ اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والون کو بخشتا ہے۔ اور نئے قرابت والے کو اوسکا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اور افاضل خرچی میں۔ فضول خرچ بھائی میں شیاطین کے۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔ اور اگر کبھی تو اون سے اغافل کرے بوجہ چاہنے اپنے رب کے رحمت کی جسکی نتجھے امید ہے تو اونسے بات نرمی کی ہی کہدے۔ اور مت بانہ لے اپنے ہاتھ گردن میں (یہ کنایہ ہے بالکل خرچ کرنے سے) اور بالکل فراخ دستی کر کہ بیٹھے ہے بلا مت زدہ اور پشیمان۔ تیرا رب تو جسکو چاہتا ہے رنق خوب سادیتا ہے اور (جسکو چاہتا ہے) کم دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندون کے حال سے خبردار ہے۔

ان آیتوں سے پہلے بھی وہ آیتیں ہیں جن میں شرک اور معاصی سے نہی اور توحید اور عبادت کا امر کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُومًا کہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو مت ملاؤ کہ ملامت زدہ اور پشیمان ہو کر ٹھہرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول خداوند تعالیٰ نے شرک اور معاصی کی برائیاں بیان کیں اور بعد اوسکے توحید اور عبادت ارشاد کیا۔ اور اوسکے نتیجے احسان اور تبرع اور صلہ رحم اور مکارم اخلاق کا ذکر فرمایا۔ پس گویا اس سورت میں جو یہ آیتیں ہیں وہ بیان میں توحید اور عبادت صلہ رحم اور مکارم اخلاق اور سلوک اور احسان اور اولے حقوق کے ہیں اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ دراصل امت کی ہدایت اور عمل کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ اور گویا وہ ایک قانون ہے جس میں انسان کی اخلاقی صفات کا بیان اور اوسپر عمل کرنیکی ہدایت کی گئی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ سب آیتیں تو عام ہوں اور اونکا خطاب امت کی طرف اور ایک آیت یعنی

وَاذِ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ صِرْفِ مَحْضٍ أَنْخَضْرَتْ صَلَّعْمَ سَہُو۔ اور پھر وجہ خصوصیت بھی کوئی
 موجود نہ ہو۔ مجمع البیان طبری میں بھی ان آیتوں کے معنی میں علامہ طبری فرماتے ہیں کہ
 تقدم النهي عن الشرك والمعاصي عقبه سبحانه بالامر بالتوحيد الطاعات فقال سبحانه
 وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه اور پھر وَاذِ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ کی آیت
 لیکر آیا یہ انہ کا نعبادہ خبیرا بصیرا جو پانچ آیتیں میں انکی تفسیر میں علامہ مصروف
 فرماتے ہیں ثم حدث سبحانه نبيه على ابناء المحقوق لمن يستحقه وعلى كيفية الاتفاق
 فقال وَاذِ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ معناه وَاذِ الْقُرْبَىٰ حَقُّهُمُ الَّتِي أوجبه الله لهم في أموالكم يعني
 خداوند تعالیٰ نے اول شرک و معاصی سے ممانعت کی اوسکے بعد توحید و عبادت کا حکم بیان فرمایا
 پھر اپنے پیغمبر کو اون لوگوں کے حقوق کو جو اوسکے مستحق ہیں نے اور خرچ کرنے کے طریقوں
 پر آگاہ کیا اور فرمایا کہ ذوی اہستہ ربی کو اذکاحق عطا کر یعنی رشتہ داروں کو اوسکے حقوق جو
 خد نے اوسکے لیے تمھارے مالوں میں مقرر کیے ہیں عطا کرے پس ان سب آیتوں کے دیکھنے
 اور سیاق قرآنی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی موقع کسی خاص بات میں پیغمبر
 صاحب کی تخصیص کا نہیں ہے۔ اور اگر خاص آیات ذالقربی حقہ کی تخصیص پیغمبر کے ساتھ
 کی جائے تو سارا کلام مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ حضرات امامیہ کو آیات ذالقربی حقہ
 میں صرف ایک بات سے اسکا موقع ملا کہ اس آیت کے حکم کو آنحضرت صلعم سے مخصوص خیال کریں
 اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب بصیغۃ واحد ہے لیکن علم معانی و بیان کے جاننے والے
 بیک طرف معمولی سمجھ کے آدمی اور قرآن کے ترجمہ جاننے والے بھی اس بات کو سمجھتے ہیں
 کہ قرآن مجید کا طرز بیان ایسا واقع ہوا ہے کہ اکثر خطاب خاص آنحضرت صلعم کی طرف ہوتا ہے
 مگر حقیقت مراد اوس سے امت ہوتی ہے۔ بہت دور جانے اور قرآن کے اور مقامات دیکھنے
 کی بھی ضرورت نہیں ہے اسی رکوع میں جو طرز بیان خدا کا ہے اوس سے اسکا ثبوت ہوتا ہے
 جیسا کہ خد نے فرمایا ہے لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْلُوعًا کہ خدا کے

ساتھ دوسرے کو معبود نہ بنائیں تو ذلیل اور عاجز ہو جائیگا۔ کیا ایک نکتہ کے لیے بھی کوئی مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یہ خطاب خاص آنحضرت صلعم کی طرف ہے اور اسی لیے مفسرین شیعہ نے بھی اس خطاب کو عام مانا ہے جیسا کہ علامہ طبری فرماتے ہیں ان الخطاب للنبی والمراد یہ لمتہ کہ یہ خطاب پیغمبر سے ہے اور مراد امت ہے۔ اس آیت کے سوا یہ آیت بھی اسی رکوع میں ہے **لَمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَاتَّقِ اللَّهَ لَقَدْ نَقَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ هَذِهِ آيَاتِهِ وَيَا دُونُوا تَوَاسَعُوا** اگر پونجی جائیں تیرے سامنے بڑھاپے کو مان باپ میں سے ایک یاد و نوتو اسے ان کر کے بات نہ کرو اور نہ ان کو جھڑکی دے اور اسے ادب کی بات کر۔ کیا کوئی نادان اس خطاب کو آنحضرت صلعم کی طرف سمجھے گا جبکہ آنحضرت صلعم کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ تھی کہ آپ کو ایسی برائی سے بچانے کے لیے نصیحت کی جاتی۔ آپ کے والدین چھٹ پن ہی میں گذر گئے تھے اور ان کے مرنے کے چالیس برس بعد خدا کا کلام نازل ہوا تھا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب بھی امت ہی کی طرف ہے اور سولے اسکے اور آیتیں جو بیان کی گئی ہیں مثلاً **لَا تَبَدِّلْ قَدِيمًا بَدِيًّا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا عَلَىٰ الْبَسِطِ** کہ اسرا نہ کرو اور اپنے ہاتھوں کو باندھ نہ لے۔ یعنی بخل نہ کرو اور نہ زیادہ فضولی انہیں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے کہ مخصوص آنحضرت صلعم سے ہو۔ باوجودیکہ یہ خطاب بصیغہ واحد آنحضرت صلعم کی طرف کئے گئے ہیں اور انہیں کوئی موقع اور محل شیعوں کو بھی انکار کا نہیں ہے۔ پس ان تمام آیتوں میں سے صرف ایک آیت کو مخصوص کرنا آنحضرت صلعم سے بغیر کسی مرجع اور منحصص وجہ کے قابل مضحکہ ہے خصوصاً جبکہ آیات ذالقریبی کی پہلی آیت کو دیکھا جائے جس میں والدین کے ساتھ احسان کرنا حکم ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مسلسل بیان اس کا ہے جو ہدایت انسان کو اخلاق اور احسان اور صلہ رحم اور اعلیٰ حقوق کے متعلق کی گئی ہے۔ اس میں اول بیان کیا کہ خدا کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنی چاہیے اور اسکے بعد بتایا کہ مان باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا لازم ہے۔ اسکے بعد ما باقرابت اور نوروں اور کینوں

اور مسافروں کے حق ادا کرنے چاہئیں اور پھر اوسکی ساتھ اعتدال کی بھی ہدایت فرمائی کہ تیسس
ایسی ہو کہ اسران کے بچے پر پہنچ جائے اور نہ ایسا نخل کہ آدمی اپنے ہاتھ باندھ لے اور پھر
اوسکے ساتھ یہ بھی کہ اگر اتنی استطاعت نہ ہو کہ اوسکے ساتھ کچھ سلوک کیا جاسکے تو اون سے
اخلاق اور نرمی سے بات چیت کن چاہیے جیسا فرمایا ہے **فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا** اگر آیت **وَأَتِ**
ذَاقُوا الْقُرْبَىٰ مِمَّنْ مَرَادُ خَدَاكِي یہ ہوئی کہ مذکورہ فاطمہ کو دیدیا جائے تو معلوم نہیں کہ وہ **لَتَبْدَلَنَّ تَبْدِيلًا**
کیون کہا جاتا۔ اور پھر تیزیر کی برائی اور اوسکا خوف بھی نہایت سخت لفظوں میں کہ **إِنَّ الْمُبْدَلِينَ**
لَيَكُونُوا إِخْوَانًا لِلشَّيَاطِينِ کیون دلا یا جاتا۔ اور یہ کیون کہا جاتا اگر تمھارے پاس دینے کو نہ ہو تو
وعدہ ہی کر لو کہ جب خدا تم کو دیکھا تو تم اون سے سلوک کر گے۔ اگر کوئی اس آیت کو مہذبہ کے
متعلق سمجھے تو **وَإِنَّمَا تَعْرِضُ عَنْهُمْ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ تَرْجُوهُمُ أَفْقَلُ لَهُمْ قَوْلًا**
مَّيْسُورًا اس موقع پر مہل ہوئی جاتی ہے۔ مفسرین شیعہ نے بھی اس آیت کے وہی
معنی لکھے ہیں جس سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ صاحب مجمع البیان طبرسی فرماتے
مِنَ وَإِنَّمَا تَعْرِضُ عَنْهُمْ ای وان تعرض عن هؤلاء الذين امرتك بآداء حقوقهم
عند مسالتهم إياك لأنك لا تجد ذلك حبلهم منهم **بِنِعْمَةِ رَبِّكَ تَرْجُوهُمُ**
أَفْقَلُ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ای لتبتغي الفضل من الله والسعة التي يمكنك معها البذل بامل تلك السعة و
ذلك الفضل **فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا** ای عدلهم عدل حسنة وقل لهم
قَوْلًا مَّيْسُورًا ای تيسر عليك وروى ان النبي كان لما نزلت هذه الآية اذ استل ولم يكن
عنده ما يعطى قال يرفقنا الله وایاكم من فضله یعنی اگر ان لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور
اوسکے دینے سے تم مجبور ہو اور اون سے سوال پورا کرنے کے لیے تمھارے پاس کچھ نہ ہو اور
شرم کے واسطے اون سے اعراض کرو تو تمھیں چاہیے کہ نہ کہ فضل پر امید رکھو اور نہ وعدہ
کرو اور اچھے لفظوں میں اون سے کہدو کہ جب خدا تمھیں دیکھا تو تم اونکے ساتھ سلوک کر گے۔
اور غیر مذکورہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہی کیا کرتے کہ جب آپ سے سوال کیا جاتا

اور آپ کے پاس کچھ دینے کو نہ تھا تو یہ فرماتے کہ اللہ اپنے فضل سے ہمکو اور تمکو رزق دے۔

یہ بیان تو سورہ بنی اسرائیل کا کیا گیا۔ اب سورہ روم پر غور کرنا چاہیے کہ وہ ان یہ آیت کس موقع پر آئی ہے۔ آیات ما قبل و ما بعد یہ ہیں وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِن تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيَهُمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۚ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۚ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۗ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ یعنی جب لوگوں کو ہم رحمت پہنچاتے ہیں تو وہ اوس سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اونکے اعمال کے سبب اونکو کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو وہ ناامید ہو جاتے ہیں کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے روزی فراخ دیتا ہے اور (جسکو چاہتا ہے) کم دیتا ہے۔ اسمین نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔ پس مے رشتہ دار کو اوسکا حق اور مسکین اور مسافر کو۔ یہ بہتر ہے اون لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا مندی چاہتے ہیں اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

اسمین بھی تخصیص باطل ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسکو اسطرح پر شروع کیا ہے کہ اللہ کو اختیار ہے جسکو چاہے روزی فراخ دے اور جسپر چاہے تنگ کرے۔ یہ مضمون عام ہے اسی پر آئے چکر تفریع کی ہے اور فرمایا ہے کہ اسی پیغمبر تو قرابتیوں اور مسکینوں اور مسافروں کو اوسکا حق دیتا رہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسمین تعمیم مراد ہے۔ خصوصاً اس آیت کے اخیر لفظوں سے تو تعمیم میں کوئی شک ہی نہیں باقی رہتا۔ اور وہ الفاظ ہیں ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ کہ یہ بات بہتر ہے اون لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا مندی چاہتے ہیں اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ یہ ارشاد اوسی وقت با موقع اور بر محل صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حکم عام ہوا و خطاب مومنین سے۔ ورنہ قرآن جو ایک کلام نسیح و بلغی ہے مہل سمجھا جائیگا۔ اسلئے کہ آنحضرت صلعم کی نسبت تو یہ گمان ہو ہی نہیں سکتا کہ

وہ اون حقوق کے لینے میں نامل فرمائے یا ان کو اس حکم پر عمل کرنے کے لیے ترغیب اور ترہیب کی ضرورت ہوتی اور ذلک خیر للذین یریدون وجہ اللہ واولئک ہم المفحون ۵
 کہنے کی خدا کو کیا ضرورت پڑتی۔ یہ اسی وقت باموقع سمجھا جاسکتا ہے جبکہ خطاب عام اور ہوسین کی طرف سمجھا جائے کہ امت ہی کو لگا لیسے ہوتے ہیں جنکو پوسے طور پر حقوق ادا کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ذاتی اغراض اور شخصی محبت کو دخل نہ لینے کے لیے اس قسم کے بیان سے اون کو نصیحت کیجاتی ہے۔ پس جو شخص ذرا بھی قرآن کو غوسے سے دیکھے گا اور اس آیت کے ماتقدم اور ماتخر اور طرز بیان اور سیاق عبارت پر نظر کرے گا وہ ذرا شبہ نہیں کر سکتا کہ قربی سے عام رشتہ دار مراد ہیں۔ کما قیل انہ خطاب لہ لغیرہ والمراد بالقربی قرابۃ الرجل وهو امر بصلۃ الرحمہ بالمال۔

وجہ سوم یہ کہ اگر شیعوں کے خیال کے موافق تسلیم کیا جائے کہ آیوات ذالقرنی حقہ میں ذالقرنی سے مراد فاطمہ اور حقہ سے مراد فدک ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کے حکم کی پوری تعمیل یا تو آنحضرت مسلم نے معاذ اللہ خود نہیں کی یا خدائے نہیں کرائی۔ اس لیے کہ اس آیت میں تین لوگوں کے حق ادا کرنا حکم دیا گیا ہے ایک ذوالقرنی دوسرے مسکین تیسرے مسافر ذوالقرنی کی نسبت تو شیعوں نے یہ بات بنالی کہ آپ اسکے معنی نہیں سمجھے اور جبریل سے پوچھنے پر مجبور ہوئے۔ اور وہ بھی اوس سے جاہل تھے انکو بھی خد سے پوچھنا پڑا اور خد اسے بتایا کہ ذوالقرنی فاطمہ ہیں اور اذکاحق بھی دریافت کر لیا اور ادا بھی کر دیا گیا مگر باقی اشخاص ویسے ہی محروم چھوٹے گئے۔ پھر ذوالقرنی کا حق جسطح ادا کیا گیا وہ بھی سمجھ میں نہیں آتا اس لیے کہ لفظ تو ذوالقرنی کا عام ہے اور بشتہ داروں کو شتمل۔ اور تخصیص کر دی گئی صرف ایک کی۔ سولے اسکے ذوالقرنی کا لفظ قرآن مجید میں اسی آیت میں نہیں آیا بلکہ تیرہ جگہ متعدد آیتوں اور مختلف سورتوں میں آیا ہے۔ اور ایسے موقع پر آیا ہے جہاں کہ اولے حقوق کی ہدایت اور اوسکی ترغیب اور اکثر اسکے ساتھ دیگر اشخاص مسکین اور ابن اسمیل وغیرہ

شریک میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان جہان ایسے موقع پر یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد ان کے ساتھ نیکی کرنا اور اونکی خبر لینا اور اونکی مدد کرنا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَيَالِ الْوَالِدِينَ إِحْسَانًا
وَّذِي الْعُرْبَىٰ وَالْعُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ

یعنی جبکہ عہد لیا ہمنے بنی اسرائیل سے کہ خدا کے سوا کسی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور غریبوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ اور لوگوں سے اچھی بات کہنا۔ اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا۔ پھر تم پھر گئے اس عہد سے مگر تم میں سے چند لوگ۔ اور اب بھی تم اعراض کرتے ہو۔

اس آیت میں بیان ہے کہ بنی اسرائیل سے ہمنے ان باتوں کا عہد لیا تھا کہ خدا کے سوا عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھلائی۔ اور سب اچھی بات کرنا مگر اونھوں نے اس عہد کو توڑ ڈالا چونکہ بنی اسرائیل نے اس عہد کو توڑ دیا تھا اسلئے خداوند تعالیٰ نے اس موقع پر اس کا ذکر اسلئے کیا کہ آنحضرت صلعم کی امت کو تنبیہ ہو کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اور پھر اسیکی تشریح اور تفسیر سورہ بنی اسرائیل میں کر دی یعنی بتا دیا کہ جن باتوں کا بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا وہ اونھیں کے ساتھ مخصوص تھیں بلکہ حسن اخلاق اور حسن معاشرت اور حسن معاملے کے لیے یہ باتیں ہر انسان پر لازم ہیں اور اذکار ضروری ہے اور پھر اونھیں باتوں کو آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے آپ کی امت کو بتایا اور ان لفظوں سے وَقَضَىٰ رَبِّيَ الْآلَاءَ تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتِهِ وَيَالِ الْوَالِدِينَ إِحْسَانًا الخ فرمایا۔ کہ خدا نے تمھارے اوپر لازم اور واجب کر دیا ہے کہ اوسکے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان اور العربی اور المسکین اور بنی سبیل کا حق ادا کرو۔ گویا یہ آیتیں اونھیں آیتوں کا صاف صاف بیان ہیں جو سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل پر واجب کی گئی تھیں۔ وہاں و اذخدا نامیثاق بنی اسرائیل فرمایا اور یہاں وَقَضَىٰ رَبِّي جسکے معنی قریب قریب

ایک ہوتے ہیں یعنی ان باتوں کا کرنا واجب کر دیا گیا پھر وہ ان فرمایا لا تعبدون الا الله اور
 یہاں ارشاد کیا ان لا تعبدوا الا اسیا پھر وہ ان تو فرمایا تھا وبالوالدین احساناً
 یہاں بھی وہی فرمایا وبالوالدین احساناً اور اوسکی اور بھی زیادہ تشریح کر دی اور حسان کا
 ادنیٰ درجہ تک بھی بیان کر دیا کہ اوسنے اُن تک کہو۔ پھر وہ ان بیان فرمایا وذی القربی
 والیتیمی والمسکین یہاں فرمایا وات ذالقربی حقہ والمسکین وابن السبیل اور
 پھر اعتدال کی بھی یہاں نصیحت فرمائی کہ لا تبذر تمہارا مال اور پھر وہ ان منہرما یا وقولوا
 للناس حسناً اور یہاں فرمایا فقل لہم قولا میسورا پس دیکھو کیسا مسلسل اور مرتب
 بیان ان دونوں آیتوں کا ہے۔ اور سورہ بنی اسرائیل کی آیتیں کیسی تشریح اور تفسیر اور نحمدہ
 احکام کی میں جو بنی اسرائیل کو دیے گئے تھے۔

ذوالقربی کا لفظ سورہ بقرہ میں ایک اور آیت میں آیا ہے اور وہ یہ ہے لیسَ الْبِرِّ
 اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْہَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِیْقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
 وَالْمَلَآئِکَہِ وَالْکِتٰبِ الرَّسُوْلِیْنَ وَاٰتٰی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہِ ذَوٰی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی
 وَالْمَسٰکِیْنِ وَاٰتٰی السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرَّقَابِ ۗ ہ یعنی نیکی یہ نہیں ہے کہ تم پورب
 پچھم کی طرف مونہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اسدا و آخرت اور فرشتوں اور کتاب اسدا و پیغمبروں
 پر ایمان لاسے۔ اور خدا کی محبت میں مال رشتہ داروں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں
 اور مانگنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرنے میں ہے۔

اسمیں بھی بجز اور احسان کا بیان حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور گویا یہ بھی دوسری لفظوں
 میں اونہیں احکام کا تذکرہ ہے جو سورہ بنی اسرائیل میں بیان کیے گئے ہیں کہ نیکی بھی نہیں
 ہے کہ اپنے مونہ پورب پچھم کی طرف کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ خدا اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب
 اور پیغمبروں پر ایمان لاو۔ اور خدا کی محبت میں اپنا مال ذوی القربی اور یتامی اور مساکین
 اور ابن سبیل اور مساکین کے دینے اور غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرو۔

سورہ نسائین بھی ذی القربی کا لفظ اسی موقع پر آیا ہے ماقال اللہ تعالیٰ
 وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّالِحِينَ وَالسَّبِيلِ وَأَمَّا
 مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّا اللَّهُ لَا يَحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُودًا يَعْنِي عِبَادَتِ كِرَامِ
 اور اس کا شریک کسی کو مت کرو۔ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ دار اور یتیم اور
 مساکین اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور دوست و رفیق اور مسافر اور باندی غلاموں سے
 بھلائی کرو۔ اس کو اچھا نہیں معلوم ہوا وہ شخص جو اترائے اور بڑائی کرے۔

اور سورہ نحل میں بھی یہ لفظ آیا ہے إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَ
 آيَاتِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ
 یعنی اللہ حکم دیتا ہے انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع کرتا ہے
 بی حیالی اور برے کام اور سرکشی کرنے سے۔ نکلو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

ان تمام آیتوں کے دیکھنے سے وہی ایک سلسلہ بیان کا اور وہی ایک قسم کی تعلیم
 احسان اور سلوک کی معلوم ہوتی ہے۔ جو سورہ بنی اسرائیل میں بیان کی گئی ہے۔ اور اس
 سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی وہ اصل اصول اخلاق کے ہیں جنکی تعلیم خدا کو منظور تھی اور جسکو
 طح طرح سے بیان کیا۔ کبھی پھیلی امتوں کے میثاق اور عہد کی یاد دلا کر۔ کبھی اوسکی خوبیاں
 بتا کر۔ اور کبھی بطور حکم اور ہدایت کے۔ پس جبکہ لفظ ذی القربی کا متعدد جگہ آیا ہو اور
 پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوسکے معنی کبھی پہلے استفسار فرمائے ہوں تو اس موقع
 پر کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلعم کو اس لفظ کے معنی پوچھنے کی ضرورت پیش آئی
 ہو۔ یا یہ لفظ جو اپنے عام معنوں میں استعمال کیا گیا ہو اور جس میں خطاب کا عام ہونا صاف ظاہر
 ہوتا ہو وہ ایک اس موقع پر ایسا مطلق اور رشتہ ہو جائے کہ آنحضرت صلعم کو اسکے معنی معلوم
 نہوں اور پھر اوسکے ساتھ احسان کرنا اور اوسکے حقوق کا ادا کرنا صرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

سے مخصوص سمجھا جائے اور تمام اقارب میں سے ایک ہی رشتہ دار مستثنیٰ کر لیا جائے۔ یہ بات خدا کے رسول کی شان سے بہت بعید اور سیاق قرآن کے بالکل مخالف اور عام ہدایت کے سراسر متناقض ہے۔

سورہ انفال میں بھی ذوالقرنی کا لفظ آیا ہے مکا قال اللہ تعالیٰ وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَذَوِي السَّبِيلِ أَلَيْسَ جَوْعًا غَنِيمَتٍ مِّنْ تَحَايَاتٍ أَوْ سَكَبًا بِنِجَانٍ حَصَّةٍ خُذُوا رِجَالَهُمْ
اور ذمی القرنی اور یتیمی اور مساکین اور مسافرین کے لیے ہے۔ اس آیت پر اگر حضرات امامیہ غور فرمائیں تو ان کو اس کلمے میں کد آیوات ذوالقرنی حقیقہ میں سے خیر کے فتح ہونے کے بعد نازل ہوئی ہرگز نہیں بلکہ ان کا سارا غنیمتوں کی گھر برباد ہو جائے گا۔ ایسے کہ کوئی اس باب میں شبہ نہیں کر سکتا کہ آیہ وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ فَخَيْرٌ مِّنْ خَيْرٍ پہلے نازل ہوئی۔ ایسے کہ غنیمت کا مال خیر کے فتح ہونے سے پہلے آیا کرتا تھا اور اس کی تقسیم ہوا کرتی تھی اور اس آیت وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ أَوْسَاقٍ تَفْصِيلٌ هِيَ هِيَ۔ پس جنگ برسر لیکر خیر کے فتح ہونے تک پیغمبر خدا صلعم آیہ وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے مطابق غنیمت کے حصے میں سے اقارب اور مساکین اور مسافرین کو ان کے حقوق دیا کرتے تھے۔ اور دینا جو نہیں سکتا جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ اقارب اور مساکین وغیرہ کون ہیں اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کو ذوالقرنی کے معنی اور یہ کہ اقارب کون ہیں معلوم تھے تو بعد خیر کے فتح ہونے اور فدک ملنے کے آنحضرت صلعم کو جبریل سے ذوالقرنی اور حقہ کے معنی دریافت کر لی کیا ضرورت ہوئی اگر ضرورت ہوتی تو اس آیت وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے نازل ہونے کے وقت ہو سکتی تھی۔ تاکہ غنیمت کی تقسیم میں غلطی نہ ہو اور اگر تسلیم کیا جائے کہ آیہ وَاَتَا ذَالِ الْقُرْبَىٰ مِّنْ مَّرَادِ ذِمِّي الْقُرْبَىٰ سے صرف حضرت فاطمہؑ ہیں تو آیہ وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَمِّ الْقُرْبَىٰ کا آیا ہے اس سے بھی مراد حضرت فاطمہؑ ہیں ہونگی۔ اور خمس بھی صرف اوتھین کا حق ہوگا۔ اور بجز ان کی اولاد کے تمام بنی ہاشم خمس سے

محروم ہونگے وگرنہ یقل بہ احدیہ خود مذہب صحیح کے خلاف ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ خمس
 میں سے نصف امام وقت کا اور باقی نصف یتامی اور مساکین اور ابن سبب کا ہوتا ہے جیسا
 کہ اس آیت کی تفسیر میں مجمع البیان طبرسی میں لکھا ہے اختلف العلماء فی کیفیت قسمۃ الخمس
 ومن یتحققہ علی اقوال احدا ما ذهب الیہ اصحابنا وھو ان الخمس یقسم علی ستۃ
 اسہم فاسہم للہ و اسہم للرسول وھذان السہمان مع سہم ذی القربی للامام القائم
 مقام الرسول و سہم لیتامی ال عجز و سہم لمساکینہم و سہم لابناء سببیلہم لا یشترکہم
 فی ذلک غیرہم لان اللہ سبحانہ حرم علیہم الصدقات لکونھا اوساخ
 الناس و عوضہم من ذلک الخمس۔ روى ذلك الطبری عن علی بن الحسین
 زین العابدین و محمد بن علی الباقور و اختلف فخذی القربی فقیل ہم بنو ہاشم خاصۃ و جلد
 عبد المطلب لان ہاشم لم یعقب الا منہ عن ابن عباس و صحابہ الی ذہب اصحابنا یعنی
 کیفیت قسمت خمس میں علما کا اختلاف ہے اور اون لوگوں میں کہ اسکے کون کون مستحق ہیں۔
 ہمارے علما کا یہ مذہب ہے کہ خمس کے چھ حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ اللہ کا اور ایک حصہ
 رسول کا۔ اور یہ دونوں حصے مع ایک حصہ ذی القربی کے امام کا ہے جو قائم مقام رسول ہے۔
 اور ایک سهم آل محمد کے تیونکا اور ایک اونھین کے مساکین کا اور ایک اونھین کے مسافریں
 کا۔ آل محمد کا کوئی اور شریک اس میں نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کو بوجہ لوگوں کے
 میل ہونے کے آل محمد پر حرام کر دیا ہے اور او اسکے عوض میں اونکو بھی خمس دیا ہے۔ طبری نے
 امام زین العابدین اور امام باقر سے یہ روایت کی ہے۔ دوسرا اختلاف ذہبت بی
 میں ہے کہ اوس سے کون مراد ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس سے مراد خاص بنی ہاشم و اولاد عبد المطلب
 ہیں۔ کیونکہ ہاشم کی نسل عبد المطلب ہی سے چلی ہے۔ یہ مروی ہے ابن عباس اور مجاہد
 سے۔ اور یہی مذہب ہے ہمارے علما کا۔

اور تفسیر قری میں ہے فمن الغنیۃ ینخرج الخمس و یقسم علی ستۃ اسہم

سهم لله وسهم لرسول الله وسهم للامام فسهم الله وسهم الرسول يرثه الامام فيكون
 للامام ثلاثة اسهم من ستة وثلاثة اسهم لایتام الرسول مساکینهم وابتاء سبیلهم
 غیر شک کسی پہلو یہ بات ٹھیک نہیں بیٹھتی کہ ذوالقربی کے معنی پیغمبر بناتے ہوں اور ان
 اقارب کو جن کا حق دینا چاہیے آپ نہ پہچانتے ہوں اور باوجود نازل ہونے متعدد آیات کے
 جو متعلق احسان ذی القربی کے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیات ذوالقربی کے نازل
 ہونے پر جبریل امین سے پوچھنے پر مجبور ہوئے ہوں۔ اور خدا نے فرمایا ہو کہ ذوالقربی سے مراد
 فاطمہ ہیں اور مذکورہ جسکی آمدنی سالانہ چالیس یا ستر ہزار دینار تھی اور ان کو دیکر پیغمبر خدا صلعم ادا سے
 حقوق سے سبکدوش ہو گئے ہوں اور باقی تمام رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں
 کو محروم چھوڑ دیا ہو۔ وکیف یجوز لحد من المسلمین ان ینتکلم بمثل هذا ویبدل کلام
 الله من تلقاء نفسه ویحرفه عن موضعه سبحانه هذا اجتاز عظیم

کیا یہ بات قیاس میں آسکتی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے مذکور
 جسکی آمدنی چوبیس ہزار دینار کی جاتی ہے حضرت فاطمہ کو دینار

روایتوں اور حکایتوں کو ایک طرف رکھ کر اور ان کے تناقض اور باہمی اختلاف سے بھی
 قطع نظر کر کے اس بحث کو عقل کی آنکھ سے دیکھنا اور ایک منصف غیر متعصب آدمی کی طرح اوپر
 غور کرنا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہو کہ آیا اسی زمانے میں جبکہ پیغمبر خدا صلعم نے مذکورہ حضرت فاطمہ کو
 ہبہ کیا غنیمت یا فتنے یا خراج یا اور کسی قسم کی آمدنی ایسی کافی و دافی تھی کہ جس سے اخراجات
 جو اس وقت اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی حفاظت اور کفار کے حملوں سے بچانے اور
 اوپر جہاد کرنے اور وفود یعنی ایلیچون اور نہانوں کے ٹہرانے اور تحف و ہایا دینے کے لیے
 ضروری تھے بغیر کسی دقت کے ادا ہو سکتے۔ اور موجودہ حالت اس زمانے کی ایسی تھی کہ
 پیغمبر خدا صلعم چوبیس ہزار یا ستر ہزار دینار کی سالانہ آمدنی کی جاگیر اپنی بیٹی کو بخش دیتے۔ اور

کیا آنحضرت صلعم کی سیرت اور عادت ایسی تھی کہ مہاجرین و انصار اور عام مسلمان کا خیال نہ کر کے اور
 اونکو تنگی اور افلاس میں چھوڑ کر جو کچھ آپ کے حصے میں آیا تھا (بشرطیکہ اوسکو ہم آپ کا ذاتی
 حصہ سمجھیں) وہ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی ایک چھتے رشتہ دار کو دیدیتے۔ ہم یہ کہتے
 ہیں کہ ان باتوں پر خیال کرنے سے ایک کلمہ کے لیے بھی کوئی آدمی مہیہ کی روایت کو صحیح
 نہ سمجھے گا اور نہ پیغمبر خدا صلعم کی شان اور خصیلت اور سیرت اور حالت کے مطابق پایگا۔ ایسے
 کہ فدک ساتویں برس ہجرت کے پیغمبر خدا صلعم کے قبضے میں آیا۔ اور وہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی
 کا تھا حضرت کی خود یہ حالت تھی کہ فاقے پر فاقے لگتے اور بھوک کی تکلیف سے دو دو دن تک
 شکم مبارک پر پتھر باندھتے اور اہل بیت کا یہ حال تھا کہ ان جوین کو محتاج تھے اور ضروری حاجتوں
 کے پورا کرنے کے لیے بھی کچھ سرمایہ نہ رکھتے تھے مہاجرین گھر بار چھوٹے ہوئے مدینے میں و سرور
 کے یہاں بٹے ہوئے تھے اور وہ اپنے اوپر تنگی اوٹھا کر اور ایثار علی النفس کر کے اونکی مدد
 کرتے تھے۔ اور حالت اسلام کی یہ تھی کہ چاروں طرف سے دشمنوں کا ہجوم تھا اور ہر جانب سے
 حملہ اور لڑائی کا اندیشہ۔ ہر روز جہاد کی ضرورت پیش آتی۔ اور ہر وقت دشمنوں کا کھٹکا لگا رہتا۔
 اسلام کے لشکر کی تیاری اور اونکے لیے آلات حرب و ضربتیار کرنے کے لیے پیغمبر خدا صلعم کو ہر دم
 فکری رہتی۔ وفود اور ایلیچی اور قاصد چاروں طرف سے چلے آتے اور اونکی ہمانداری
 اونکی حالت کے مطابق کرنی پڑتی۔ اور نیز تمھت اور ہر ایسا جو وہ اتے اونکے موافق اونھیں آپ کو
 بھی دینا پڑتے اور ان اخراجات کے لیے مسلمانوں سے مد لینے کی ضرورت ہوتی اور اسکام
 میں اعانت کرنے کے لیے خدا کی طرف سے بخت دلانے والی آیتیں نزل ہوتی رہتیں۔ اور مسلمان
 جو کچھ استطاعت رکھتے تھے وہ اپنے حوصلے اور استطاعت کے موافق مال سے امانت
 سے کپڑے سے غلے سے غرضکہ ہر طرح سے مدد کرتے یہاں تک کہ جو مفلس اور فقیر تھے وہ
 بھی بوقت ضرورت اپنے اوپر خود فاقہ کرتے اور جو کچھ اونکے پاس کھانے کو ہوتا وہ فی سبیل اللہ
 آنحضرت صلعم کے سامنے لا کر رکھ دیتے۔ تو کیا ایسی تنگی کے زمانے میں کسی معمولی آدمی سے بھی

جو کسی گروہ کی سرداری کا دعویٰ کرتا ہو یا کسی قسم کی اولوالعزمی کے خیال رکھتا ہو اور اپنے گروہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ جو کچھ اوسکو ملے وہ بجائے اسکے کہ اون اغراض و مقاصد میں کام میں لائے جو اسکے پیش نظر ہوں اپنے رشتہ داروں کو دیدے۔ اور پھر رشتہ داروں میں بھی سب کے ساتھ انصاف کرے۔ بلکہ سب کے حقوق تلف اور ضائع کر کے صرف اپنے ایک چینیۃ فرزند کو دیدے۔ تو کیا ایسے شخص کو دنیاوی لحاظ سے بھی کوئی سرداری کے قابل سمجھے گا یا اسکے لشکری اوسے سردار مانیں گے۔ یا کچھ بھی ایسے شخص کی عزت اوسکے دلیمن ہوگی۔ یا سولے خود غرضی اور نفس پروری کے کوئی دوسرا خیال اوسکی نسبت کیا جائیگا۔ چہ جائے اسکے کہ ایک ایسی ذات پاک کی نسبت یہ امر منسوب کیا جائے جو دین کا پیشوا اور تمام دنیا کا سردار اور سائے خلق میں برگزیدہ اور خدا کا پیارا ہو۔ اور جسکو خدا نے اخلاقی مکارم کی تکمیل کے لیے بھیجا ہو۔ اور جس نے خود غرضی اور نفس پروری کو بیخ و بن سے اٹھا ڈیا ہو۔ اور جسے ہمیشہ اپنا رعلی نفس پر خود عمل کیا ہو اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو ہر حالت اور ہر موقع پر اسی بات کی نصیحت کی ہو۔ اور اوسنے ہمیشہ اسکی تعمیل کرائی ہو۔ اور جسے عزیز اور رشتہ دار بھی ایسے ہوں جنکے زہد اور پرہیزگاری اور ترک دنیا پر خداوند تعالیٰ نے اظہار خوشنودی اور رضامندی فرمایا ہو۔ اور جو فیض اور سخاوت اور دوسروں کے آرام دینے کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہے ہوں اور جو دنیا کے تعلقات سے نفرت رکھنے اور دنیا سے بے تعلق رہنے میں زمین پر انسانوں میں ضرب لٹل اور آسمانوں میں خدا کے فرشتوں کے سامنے مدوح اور بے غرضی اور نفس کشی میں سائے دنیا کے لیے ایک نمونہ ہوں۔ کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ سب کا خیال چھوڑ کر جو کچھ ملے وہ اپنے ایک عزیز کو دیدے۔ اور کیا اوسکے عزیزوں سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ اوس کو عزت و تنگی کی حالت میں چھوڑ کر جو کچھ اوسکے باپ کا حصہ ہو اوسے تنہا اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے لینا پسند کرے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ درحقیقت اگر مہینہ فذک کی روایت صحیح مانی جائے

۹۳
 حضرت امیر المومنین علیؑ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو فتح کیا تو آپ نے ہر ایک کو ایک حصہ عطا کیا۔

اور فدک کا خراج جو بیس یا ستر ہزار دینار تسلیم کیا جائے تو منکرین نبوت کو آپ کی نبوت میں شکوک پیدا کرنے کا اچھا موقع ملے گا۔ اور دشمنوں کے ہاتھ میں گویا یہ ایک عمدہ ہتھیار بنا ہو گا۔ حضرات امامیہ اہل بیت کی محبت میں گویا بے مستغرق ہوں کہ ان کو اس قسم کی باتوں کے لیے نتائج سمجھ میں نہ آویں۔ اور صحابہ کرام کے اوپر الزام لگانے کے لیے جیسی روایتیں چاہیں بنا کر پیش کریں۔ مگر ہمارے دور نگاہے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ہم تو اس قسم کے خیال سے جس سے پیغمبر خدا کی شان میں ذرا بھی اذغ آئے لاکھوں کو سبھاگتے ہیں۔

اب ہم اسکو ثابت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا کا زمانہ تنگی و افلاس کا تھا اور جہاد کے لیے کافی سامان ہیما نہ تھا اور نہایت تکلیف اور تنگی سے جہاد کا سامان جمع کیا جاتا تھا۔ چنانچہ خود شیعہوں کے یہاں سے اس کا ثبوت ہوتا ہے اور ان کی تواریخ میں لکھا ہے کہ آخری غزوہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا تبرک ہے۔ جو سلمہ میں ہوا۔ اسوقت ایسی تنگی اور مصیبت مسلمانوں پر تھی کہ اس غزوفے کا نام جمیش العسرہ ہو گیا۔ اور خدا کی طرف سے آیات ترغیب و ترہیب نازل ہوئے لیکن۔ اور مسلمان جو ایمان میں صادق تھے مدد کرنے لگے چنانچہ **آرَاقِبُوا حَقَاقًا وَتَيَقَّالُوا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** نازل ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی تحریریں اور جان و مال سے مدد دینے کی ترغیب شروع کی تو مدینے میں ایک بل بل مچ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو سو اونٹ اور دو سو اوقیہ چاندی کے شام کی تجارت کے لیے جمع کیے تھے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تجویز لشکر کے لیے حاضر کر دیے۔ جب پیغمبر خدا نے فرمایا **لَا يَصْرُ عَثْمَانُ مَا عَلَى عَاهِدِ هَذَا** اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تین سو اونٹ مع سامان کے اور ہزار اشقال زر سنخ پیش کیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اللَّهُمَّ رَضِ عَنِ عَثْمَانَ فَإِنَّ عِنْدَهُ رَاضٍ** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال اپنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اتنا ہی اونکے لیے چھوڑ دیا ہے۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مال و متاع اپنا بتا دیا۔

نیز روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو ایک حصہ عطا کیا۔ اور فدک کا خراج جو بیس یا ستر ہزار دینار تسلیم کیا جائے تو منکرین نبوت کو آپ کی نبوت میں شکوک پیدا کرنے کا اچھا موقع ملے گا۔ اور دشمنوں کے ہاتھ میں گویا یہ ایک عمدہ ہتھیار بنا ہو گا۔ حضرات امامیہ اہل بیت کی محبت میں گویا بے مستغرق ہوں کہ ان کو اس قسم کی باتوں کے لیے نتائج سمجھ میں نہ آویں۔ اور صحابہ کرام کے اوپر الزام لگانے کے لیے جیسی روایتیں چاہیں بنا کر پیش کریں۔ مگر ہمارے دور نگاہے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ہم تو اس قسم کے خیال سے جس سے پیغمبر خدا کی شان میں ذرا بھی اذغ آئے لاکھوں کو سبھاگتے ہیں۔

۱۱ سورہ زبور ۱۱
 ۱۲ سورہ زبور ۱۲

سکالیف کا کچھ لحاظ کریں۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے آئندہ کے خیال سے یہ جاگیر حضرت فاطمہ کو بخش دی تھی مگر آمدنی اسکی آپ ہی صرف فرماتے اور خود حضرت سیدہ ثروت مالیت کے بقدر لیکر ب فی سبیل اللہ خرچ کر دیا کرتیں۔ مگر یہ جواب قابل اطمینان نہوگا اسلئے کہ پیغمبر خدا کو اگر منظور نہ تھا کہ حضرت فاطمہ اس سے متمتع ہوں یا فراغ حاصل کریں تو ضرورت ہی کیا تھی کہ نام کے لیے جاگیر اونکے نام کر دیتے۔ اور آئندہ کے خیال سے اپنے اس عمل سے ایک ایسا نذرہ قائم کرتے جو باظہر نبوت کی شان کے خلاف تھا۔ اور نیز آئندہ کے خیال سے ستر ہزار دینار کی جاگیر دینے کا آپ کو خیال کیوں ہوتا جبکہ خود خداوند تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہو۔ جیسا کہ خود شیعوں کی روایت سے ظاہر ہے کہ یا الحمد للہ ان احببت ان تكون اوع الناس فانه في الدنيا وارغب في الآخرة وخذ من الدنيا خفا من الطعام والشراب واللباس ولا تادخر لعدو اجعل نومك صلوة وطعامك الحجوع وقال الله يا احمد ان المحبة للفقراء والتقرب اليهم قال يارب ومن الفقراء قال رضوا بالقليل وصبروا على الحجوع وشكروا على الرخاء ولم يشكوا لوجوعهم ولا ظمأهم ورزق من لا يحضره الفقيه من منجد ان وصايا کے جو آپ نے حضرت علی کو کئی تھیں ایک یہ وصیت بھی لکھی ہے یا علی ثلاث من حقائق الایمان الانفاق من الاقتتار وانصاف الناس منفسک وبنال العلم للتعليم ورزق ہر پیدائش بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تون امتی فی الدنیاء علی ثلاثہ الطباق لما طبق الاول فلا یحبون جمع المال واخارہ ولا یسعون فی اقتنائہ واحتکارہ وانما رضوا من الدنیاء سد جوعہ وستر عورہ وغناہم فیہا ما یبلغہم الآخرة فالثلاث الامنون الذین لا خوف علیہم ولا ہم یخزفون۔ یعنی میری امت دنیا میں تین قسم کی ہوگی اول وہ کہ جمع مال اور ثروت کو پسند نہ کریں گے اور دنیا کی اشیا سے صرف بقدر سد جوع اور ستر عورت کی کفایت کریں گے اور دولت عقبی کو شرط غنا جانیں گے۔ یہی لوگ ایمان والے ہیں جن پر نہ کچھ خوف اور نہ ہرجا اگر بالفرض ہم ان باتوں میں سے کسی بات کو خیال میں نہ لادیں اور یہ سمجھ کر کہ یہ اسلئے

یہ جاگیر حضرت فاطمہ کو بخش دی تھی مگر آمدنی اسکی آپ ہی صرف فرماتے اور خود حضرت سیدہ ثروت مالیت کے بقدر لیکر ب فی سبیل اللہ خرچ کر دیا کرتیں۔ مگر یہ جواب قابل اطمینان نہوگا اسلئے کہ پیغمبر خدا کو اگر منظور نہ تھا کہ حضرت فاطمہ اس سے متمتع ہوں یا فراغ حاصل کریں تو ضرورت ہی کیا تھی کہ نام کے لیے جاگیر اونکے نام کر دیتے۔ اور آئندہ کے خیال سے اپنے اس عمل سے ایک ایسا نذرہ قائم کرتے جو باظہر نبوت کی شان کے خلاف تھا۔ اور نیز آئندہ کے خیال سے ستر ہزار دینار کی جاگیر دینے کا آپ کو خیال کیوں ہوتا جبکہ خود خداوند تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہو۔ جیسا کہ خود شیعوں کی روایت سے ظاہر ہے کہ یا الحمد للہ ان احببت ان تكون اوع الناس فانه في الدنيا وارغب في الآخرة وخذ من الدنيا خفا من الطعام والشراب واللباس ولا تادخر لعدو اجعل نومك صلوة وطعامك الحجوع وقال الله يا احمد ان المحبة للفقراء والتقرب اليهم قال يارب ومن الفقراء قال رضوا بالقليل وصبروا على الحجوع وشكروا على الرخاء ولم يشكوا لوجوعهم ولا ظمأهم ورزق من لا يحضره الفقيه من منجد ان وصايا کے جو آپ نے حضرت علی کو کئی تھیں ایک یہ وصیت بھی لکھی ہے یا علی ثلاث من حقائق الایمان الانفاق من الاقتتار وانصاف الناس منفسک وبنال العلم للتعليم ورزق ہر پیدائش بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تون امتی فی الدنیاء علی ثلاثہ الطباق لما طبق الاول فلا یحبون جمع المال واخارہ ولا یسعون فی اقتنائہ واحتکارہ وانما رضوا من الدنیاء سد جوعہ وستر عورہ وغناہم فیہا ما یبلغہم الآخرة فالثلاث الامنون الذین لا خوف علیہم ولا ہم یخزفون۔ یعنی میری امت دنیا میں تین قسم کی ہوگی اول وہ کہ جمع مال اور ثروت کو پسند نہ کریں گے اور دنیا کی اشیا سے صرف بقدر سد جوع اور ستر عورت کی کفایت کریں گے اور دولت عقبی کو شرط غنا جانیں گے۔ یہی لوگ ایمان والے ہیں جن پر نہ کچھ خوف اور نہ ہرجا اگر بالفرض ہم ان باتوں میں سے کسی بات کو خیال میں نہ لادیں اور یہ سمجھ کر کہ یہ اسلئے

یہ جاگیر حضرت فاطمہ کو بخش دی تھی مگر آمدنی اسکی آپ ہی صرف فرماتے اور خود حضرت سیدہ ثروت مالیت کے بقدر لیکر ب فی سبیل اللہ خرچ کر دیا کرتیں۔ مگر یہ جواب قابل اطمینان نہوگا اسلئے کہ پیغمبر خدا کو اگر منظور نہ تھا کہ حضرت فاطمہ اس سے متمتع ہوں یا فراغ حاصل کریں تو ضرورت ہی کیا تھی کہ نام کے لیے جاگیر اونکے نام کر دیتے۔ اور آئندہ کے خیال سے اپنے اس عمل سے ایک ایسا نذرہ قائم کرتے جو باظہر نبوت کی شان کے خلاف تھا۔ اور نیز آئندہ کے خیال سے ستر ہزار دینار کی جاگیر دینے کا آپ کو خیال کیوں ہوتا جبکہ خود خداوند تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہو۔ جیسا کہ خود شیعوں کی روایت سے ظاہر ہے کہ یا الحمد للہ ان احببت ان تكون اوع الناس فانه في الدنيا وارغب في الآخرة وخذ من الدنيا خفا من الطعام والشراب واللباس ولا تادخر لعدو اجعل نومك صلوة وطعامك الحجوع وقال الله يا احمد ان المحبة للفقراء والتقرب اليهم قال يارب ومن الفقراء قال رضوا بالقليل وصبروا على الحجوع وشكروا على الرخاء ولم يشكوا لوجوعهم ولا ظمأهم ورزق من لا يحضره الفقيه من منجد ان وصايا کے جو آپ نے حضرت علی کو کئی تھیں ایک یہ وصیت بھی لکھی ہے یا علی ثلاث من حقائق الایمان الانفاق من الاقتتار وانصاف الناس منفسک وبنال العلم للتعليم ورزق ہر پیدائش بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تون امتی فی الدنیاء علی ثلاثہ الطباق لما طبق الاول فلا یحبون جمع المال واخارہ ولا یسعون فی اقتنائہ واحتکارہ وانما رضوا من الدنیاء سد جوعہ وستر عورہ وغناہم فیہا ما یبلغہم الآخرة فالثلاث الامنون الذین لا خوف علیہم ولا ہم یخزفون۔ یعنی میری امت دنیا میں تین قسم کی ہوگی اول وہ کہ جمع مال اور ثروت کو پسند نہ کریں گے اور دنیا کی اشیا سے صرف بقدر سد جوع اور ستر عورت کی کفایت کریں گے اور دولت عقبی کو شرط غنا جانیں گے۔ یہی لوگ ایمان والے ہیں جن پر نہ کچھ خوف اور نہ ہرجا اگر بالفرض ہم ان باتوں میں سے کسی بات کو خیال میں نہ لادیں اور یہ سمجھ کر کہ یہ اسلئے

سے آئندہ کا خیال فرما کر اور خلیفوں کے ظلم و ستم سے جسکا علم اور کوشیعوں کے قول کے موافق تھا اندیشہ کر کے حضرت فاطمہ کو فدک دیر یا ہوا اور اس سے گویہ مقصود ہو کہ وہ خود اپنی ذات میں اسے صرف کرین بلکہ آپ کو ائمینان تھا کہ وہ سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا کرین گی مگر عزت اور حرمت قائم رکھنے کے لیے فدک کا دینا مسلمانان مناسب جانا ہو۔ مگر سیرت نبوی اس خیال کو ہمارے دل میں آنے نہیں دیتی ایسے کہ بے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا بڑا اولیٰ عزیزوں کے ساتھ کیا تھا اور اونکے لیے کچھ آئندہ کی فکر نہیں فرماتے تھے۔ اور کسی خیال سے بھی زہا اور توکل اور ایثار علی النفس کے سولے پلو اونکے واسطے جمع نہ کرتے تھے تو ہمارے خیال میں کسی طرح نہیں آتا کہ آپ نے کسی خیال سے بھی ایسی بڑی ہباگیر اپنی بیٹی کو عطا کر دی ہو۔ جب ہم آپ کی سیرت پر غور کرتے ہیں تو آپ کی ساری زندگی میں ہم یہی دیکھتے ہیں کہ آپ نے توکل اور ایثار علی النفس کا خود اپنی ذات سے ایک عمدہ نمونہ قائم کیا اور اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو بھی اوسکا عمدہ سبق سکھلایا۔ اگر خمس ملا تو اوسمیں سے صرف بقدر قوت لاموت کے اپنے اور اپنے عزیزوں کے لیے لیکر باقی سب خدا کی راہ میں صرف کر دیا۔ اور ملکی مصالح اور جہاد کی ضرورتوں میں صرف فرمایا۔ اگر فتنے میں سے کوئی جائداد باقی نہ آئی تو اوسکی آمدنی بھی نہ انکی ہی راہ میں خرچ کی۔ نہ یہ کہ شیعوں کے عقیدے کے مطابق ہم آپ کی سیرت میں یہ پاتے ہوں کہ اگر خمس ملا تو وہ بھی اپنے رشتہ داروں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اگر فتنے میں سے بڑی آمدنی کی جائداد باقی نہ آئی تو وہ بھی اپنی ہی بیاروں کو دیدی۔ اور ایسے وقت میں جبکہ مصیبت اور تلخی چاروں طرف مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھی اور ہر جانب سے ابلجعہ کی صدا آرہی تھی۔ ایک طرف تو مسلمان بے سواری کے پیادہ پاجہاد کو چلے جاتے تھے۔ دوسری جانب سے صحابہ صفہ اور فقرا اور ساکین پر دو دروز کے فاتحے ہوتے تھے۔ نہ اونکے بدن پر کپڑا تھا کہ ستر عورت کرتے۔ اور نہ اونکے پاس ہتھیار تھے کہ جہاد میں شریک ہوتے۔ ایسی حالت میں پیغمبر خدا صلعم اور پیغمبر بھی ایسے پیغمبر جو دنیا کو ترک دنیا کی تعلیم دے رہے ہوں اور ایثار علی النفس کا سبق خلق خدا کو سکھا رہے ہوں اس فکر میں کہ اونکے رشتہ داروں کو آئندہ تکلیف نہ ہو اور اونکے بچے اونکے بعد

تکلیف نہ اٹھائیں اور اس خیال سے ستر ہزار دینار کی جاگیر اونکے لیے علیحدہ کر دیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ باتیں آپ کی سیرت مبارک سے کیونکر مطابق ہونگی اور نبوت کی شان اس سے کیونکر ظاہر ہوگی۔ اور دنیا پر آپ کی نبوت کا عمدہ اثر کیونکر پڑے گا۔

اب رہا یہ امر کہ آیا سیرت نبوی وہی تھی جس کا ہم نے نقشہ کھینچا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ شیعوں اور سنونیوں کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ اور کوئی بات اسکے خلاف معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ اور باتوں کو جانے دو وہ معاملہ جو خود حضرت فاطمہ سے پیش آیا وہی ہے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ اسکی تصدیق میں ہم چند روایتیں لکھتے ہیں۔

(۱) کتاب قرب الاسناد میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جناب امیر المؤمنین اور حضرت فاطمہ بیغیر خد صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ گھر کی خدمت باہم اچھی تھی کہ کر دی جاے۔ آپ نے گھر کے اندر کا کام حضرت فاطمہ کے اور باہر کا جناب امیر کے متعلق کیا فقط۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھر اور باہر کا کام خود دونوں حضرات کرتے تھے کوئی خادم یا خادمہ بہت دنوں تک مدد دینے کے لیے بھی نہ تھے۔

(۲) کتاب علل الشرائع میں حضرت امام حسن سے روایت ہے کہ میں نے اپنی والدہ فاطمہ کو کو دیکھا کہ جمعے کی شب کو محراب میں گھڑی نماز پڑھ رہی ہیں اور صبح تک کوع اور سجود فرماتی رہیں۔ بعد ختم نماز کے آپ نے مومنین و مومنات کے لیے دعا کی تو میں نے کہا کہ اے ماد مہربان آپ اپنے لیے کچھ دعا کیوں نہیں مانگتیں۔ حضرت سیدہ نے جواب دیا کہ یا بنی الجار دشمن الدار اول ہمسایہ کا کام کرنا چاہیے پھر اپنا فقط۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود حضرت سیدہ وغیر کو اتنا راعی النفس کا درجہ یہاں تک حاصل تھا کہ اپنے کام پر ہمسایے کے کام کو مقدم سمجھتی تھیں۔ اور اون کو اپنے اوپر ترجیح دیتی تھیں۔

(۳) علل الشرائع میں حضرت امیر المؤمنین سے مروی ہے کہ آپ نے قبیلہ بنی سعد کے ایک آدمی سے کہا کہ میں تمہیں اپنے اور فاطمہ کے حال سے خبر دیتا ہوں کہ اونکو بیغیر خد صلعم سے

زیادہ چاہتے تھے اور اسپر وہ سارا گھر کا کام خود کرتی تھیں۔ یہاں تک آپ نے پانی کے گھرے اٹھا کر آپ کے سینہ مبارک پر اوسکا نشان پڑ گیا۔ اور یہاں تک چلی بیسی کہ آپ کے دستہاے مبارک کا کھال سخت پڑ گئی۔ اور یہاں تک گھر میں جھاڑو دی کہ آپ کے سب کپڑے غبار آلود ہو جاتے اور کھانا پکانے کے لیے اسقدر آگ سلگانے کی محنت فرماتیں کہ اوسکے دھوئیں سے آپ کے کپڑے سیاہ ہو جاتے۔ اسی طرح ہر قسم کی تکلیف آپ اٹھاتیں۔ تب میں نے آپ سے کہا کہ اگر تم اپنے باپ کے پاس جاؤ اور ایک خادم مانگو تو کسی قدر تمھاری یہ تکلیف کم ہو جائے۔ اسپر وہ پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں مگر آپ کو لوگوں سے بات چیت کرتے دیکھ کر اسے شرم کے واپس چلی آئیں۔ حضرت رسول خدا صلعم سمجھ گئے کہ فاطمہ کسی غرض سے آئی تھیں اور بے کلمے لوٹ گئیں۔ دوسرے دن آپ تشریف لائے اور پوچھا کہ اسی فاطمہ کل تم کس غرض سے آئی تھیں۔ یہ سن کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک خادم کے مانگنے کے لیے آئی تھیں تاکہ اس محنت اور تکلیف سے جو ان کو نبی بھرنے اور چلی بیسنے اور جھاڑو دینے میں ہوتی ہے کچھ نجات ملے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کیا میں تم دو لوگوں کو وہ چیز نہ بتا دوں جو خادم سے تم دونوں کے حق میں بہتر ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۳ دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو اسپر تین دفعہ حضرت فاطمہ نے کہا رضی عن اللہ ورسولہ کہ میں خدا اور اسکے رسول سے راضی ہوئی فقط اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اس محبت کے جو انھیں حضرت فاطمہ کے ساتھ تھی اور باوجود دیکھنے اس تکلیف اور محنت کے جو انھیں گھر کے کام کاج کرنے میں ہوتی تھی نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان غریبوں اور مسکینوں کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کے لیے آسائش کا سامان مہیا کر دیں اور ایسے وقت میں جبکہ اور بہت سے ضروری کام درپیش تھے اور مسلمان مفلس و محتاج۔ تو آپ اپنی بیٹی کو ایک خادم دیتے۔ شان نبوت ہی تھی اور رسالت کی تصدیق اور اہل بیت کی عظمت اور آل رسول کے مکارم اخلاق کا ثبوت انھیں باتوں سے ہوتا ہے۔

(۴) کتاب یعون الاخبار میں حضرت امام زین العابدین سے روایت ہے کہ اسما بنت عمیس کہتی

ہین کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلعم حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لائے اور اونکی گردن میں ایک گلو بند سونیکا دیکھا جسے علی بن ابی طالب نے فنیٰ میں سے انکے لیے خریدا تھا۔ تو رسول اللہ صلعم نے حضرت سیدہ رضیہ سے فرمایا کہ اسی فاطمہ کیا لوگ نکمین گے کہ فاطمہ محمد کی بیٹی جبارہ یعنی مغرور امیرون کا سا زیور پہنتی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت فاطمہ نے اوسی وقت او سے توڑ دیا اور بیچ ڈالا۔ اور اوس سے ایک غلام خرید کر کے اوسے آزاد کر دیا۔ اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے۔

(۵) کافی میں زرارہ امام باقر سے روایت کرتے ہین کہ پیغمبر خدا صلعم کی عادت تھی کہ جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے ہر ایک گھروالے سے رخصت ہوتے۔ مگر ب سے آخر حضرت فاطمہ کو الوداع کہتے اور اونھین کے گھر سے سفر کو تشریف لیجاتے اور جب سفر سے واپس آتے تو پہلے حضرت فاطمہ کے دیکھنے کو تشریف لاتے۔ ایک وقت ایسا ہوا کہ پیغمبر خدا صلعم کسی سفر پر گئے اور جناب امیر نے فنیٰ سے کچھ حصہ پایا اور اوسے فاطمہ کو دیدیا اور پھر خود پیغمبر صلعم سے جا ملے۔ جناب امیر کی غیبت میں حضرت فاطمہ نے دو لنگن چاندی کے بناے اور ایک بودہ اپنے درواز پر لٹکایا۔ جب پیغمبر خدا صلعم پھر مینے واپس تشریف لائے اور مسجد سے موافق اپنی عادت کے سیدھے فاطمہ کے گھر مین آئے۔ فاطمہ نے محش محش آپ کی طرف دوڑ مین۔ رسول خدا صلعم نے جون ہی آپ کے ہاتھ مین وہ لنگن دیکھے اور دروائے کے پرے پر نظر کی ویسے ہی غیر اسکے کہ بیچ مین واپس تشریف لیگئے۔ حضرت فاطمہ اسے دیکھ کر رونے لگیں اور سوچ مین کہ ان چیزون سے پہلے تو رسول خدا صلعم کی یہ عادت نہ تھی اسلئے فوراً پرے کو دروائے سے اوتار لیا اور دو لنگن ہاتھ سے نکال لیے اور حسین کو بلا کر ایک کے ہاتھ مین لنگن اور دوسرے کے ہاتھ مین پردہ دیا اور فرمایا کہ اسے پیغمبر خدا صلعم کی خدمت مین لیجاو اور بعد سلام کے یہ لطف سے عرض کر دو کہ آپ کے بیچھے ان چیزون کے سوا ہینے کچھ نہیں بنایا ہے اب یہ آپ کی خدمت مین حاضر ہین جو چاہتے کیجیے۔ جب حسین ان چیزون کو لیکر پھوئے اور اپنی مان کا پیغام داکیا

تو آپ نے دونوں کے منہ چومے اور زانو سے مبارک پر بٹھلا لیا اور حکم دیا کہ دونوں لگن چاندی کے توڑیے جائیں اور پھر اہل صفہ کو جو منجملہ ماجرین کے تھے اور مسجد نبوی کے حجرے میں بوجہ مسکینت اور نمونے گھر کے پرٹے بہتے تھے بلایا اور اون پر وہ چاندی کے کڑے تقسیم کر دیے۔ پھر انھیں صحابہ صفہ میں سے ایک آدمی کو کہنگا تھا جسکے پاس کوئی کپڑا بدن چھپانے کے لیے بھی نہ تھا آگے بلایا اور اس دروائے کے پرٹے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے دیا اور اسی طرح ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا اندازہ کم اور ستر عورت کے ایک ایک پارچہ اس پرٹے کا سنایت کیا اور پھر آپ نے فرمایا کہ خدا رحمت بھیجے فاطمہؑ پر اور او کو حلما سی جنت عطا کرے بعوض اس بخشش کے جو انھوں نے کی اور بعوض اس پرٹے کے جس سے چند مسلمانوں کی ستر پوشی ہوئی اور جنت کا زیور پہنا بعوض اون لگنوں کے جو انھوں نے غربا میں تقسیم کیے۔

جس طرح پیغمبر خدا صلعم نے حضرت فاطمہؑ کو خادمہ کے مانگنے کے بدلے تسلیم سکھائی اور اسے نعم البدل دینا وی آرام کا بتایا یہی معاملہ آپ نے اپنے دوسرے عزیز جعفر طیارؑ کے ساتھ بھی کیا اور اسکا قصہ یہ ہے کہ جس دن خیبر فتح ہوا حضرت جعفر بن ابی طالبؑ جو مکے سے حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے آئے۔ اور یہ ایک عمدہ اتفاق تھا کہ انکا آنا اور خیبر کا فتح ہونا ایک ہی دن ہوا۔ جب پیغمبر خدا صلعم کو خیبر کی فتح اور اسی کے ساتھ جعفر بن ابی طالبؑ کے آینکا فزودہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے لکھو ترجیح دون جعفر کے آنے کو یا خیبر کے فتح ہونے کو جب جعفر نے آپ کے پاس پہنچے آپ نے اٹھ کر اون کو گلے لگایا اور انکی آنکھوں کو چروا اور فرمایا کہ اسی جعفر کیا تمھیں کچھ مذون اور کیا میں تمھیں کچھ عطا کروں۔ جعفر نے کہا ضرور یا رسول اللہ اسپر لوگوں نے گمان کیا کہ آپ انکو سونا چاندی دین گے اور لوگ مشتاق ہوئے کہ دیکھیں آپ کیا عطا فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا اسی جعفر میں تمکو ایسی نماز سکھاؤں کہ اگر تم اسے پڑھو اور گو تم جہاد سے بھی بھاگ گئے ہو اور مثل سمندر کی جھاگ کے گناہ ہوں تب بھی وہ اوسکے پڑھنے سے بخشدیے جائیں۔ حضرت جعفر نے عرض کیا کہ ہاں۔ اسپر آپ نے انکو وہ نماز سکھائی جو جعفر طیارؑ

کی صلوات سے مشہور ہے۔ اوسین چار رکعتیں میں دو سلاموں سے۔ جسکی پہلی رکعت میں بعد
 الحمد کے سورہ نزال اور دوسری میں بعد الحمد والاعاديات تیسری میں سورہ نصر اور چوتھی میں
 قل ہواحد۔ اور بعد قرأت کے ہر رکعت میں پندرہ مرتبہ سبحان اللہ اور الحمد سداور لا الہ الا اللہ اور
 اللہ اکبر۔ اور ہر رکوع میں اور سجدے سے سزاوٹھائیکے بعد اوسیکو دس مرتبہ پڑھنے کا ارشاد ہے۔
 پس کیا کوئی انصاف پسند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بڑا کو جو آپ کا
 اپنے عزیزوں کے ساتھ تھا دیکھ کر ایک غلطہ کے لیے بھی یہ خیال کر سکیگا کہ وہ پاک رسول جو دو
 جائزی کے گلن اپنی بیٹی کے ہاتھ میں دیکھا دن کے پاس سے چلے آوین اور اوسکا دکھنا
 گوارا کریں۔ اور وہ دنیا سے نفرت دلانے والا پیغمبر جو اپنے جد گمشدہ کے دروازے پر ایک پردے
 کا بڑا ہونا دیکھ نہ سکے اور اسے ناپسند کرے۔ اور وہ زہر تو کل اور مار مار علی النفس کی تسلیم
 لینے والا باپ جو اپنی بیٹی کے پانی بھرنے کے داغ سینہ پر دیکھ کر اور اس کے مبارک اور پیاسے
 ہاتھ چمکی کے پینے سے خستہ دیکھنے پر بھی ایک غلام سے مدد کرے۔ اور اپنے بھائی جعفر
 کے بعت سے واپس آنے پر خیر کی فتح سے کم خوش ہوا اور اس خوشی میں بخت و اہم نہایت
 دینے لے اور نین خاص نماز کی تعلیم دین اور اسی وہ تمام دنیا کی دولت سے بڑھ کر سمجھے
 اور وہ نبی اپنی اولاد کی بزرگی اور عزت اور فضیلت کے سامان اسی بات میں دیکھے اور انکر
 دنیاوی تکالیف سے روحانی آسائش اور وحدانی اطمینان حاصل کرنے کے لیے عبادت اور
 تسبیح سکھائے۔ اور اسی کو تمام بیچون اور مصیبتوں کا نعمت تبدیل سمجھے۔ اور جو کچھ اسے ملے
 وہ فقر اور سائلین اور خدا کی راہ اور اعلا کلمۃ اللہ اور اسے فالغض جہاد وغیرہ میں صرف
 کرے۔ اوسکی نسبت کوئی یہ گمان کر سکیگا یا اوسکی ایسی پاک ذات سے اس بات کی امید ہوگی کہ
 وہ ایک ایسی بڑی جاگیر جسکی آمدنی ستر ہزار دینار کی ہو وہ اپنی بیٹی کو بخش دے اور سب کو
 اون کے حقوق سے محروم کرے۔ لا واللہ لا واللہ لا واللہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں
 اِنَّ هٰذَا اِلَّا اَقْلَابٌ مُّبِينٌ ۝

چونکہ آیہ و آت ذالقرنی حقہ کے متعلق ہم پوری بحث کر چکے۔ اس لیے اب ہم اس سے بحث کرتے ہیں کہ آیا فدک حضرت فاطمہ زہراؑ کے قبضے میں تھا اور بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ غصب کر لیا گیا۔ اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اسکا دعویٰ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا اور اسے شہادت مانگی گئی اور وہ روکی گئی اور فدک انکو واپس نہ لیا گیا۔ اس کے متعلق حضرات امامیہ کیا ثبوت ہمارے یہاں کی روایتوں سے پیش کرتے ہیں اور خود اونکے یہاں اس کے متعلق کیا روایتیں بیان کی گئی ہیں

کیا فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں تھا

علمائے امامیہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کیا تو اسکا ہبہ نامہ بھی لکھ دیا اور قبضہ بھی کرا دیا مگر کوئی روایت جس سے ثابت ہو کہ حقیقت فدک پر حضرت فاطمہ کا قبضہ تھا سینوں کی کتابوں سے پیش نہیں کی گئی مجر د دعویٰ ہی کیا گیا ہے جناب سید مرتضیٰ علم الدی شافی میں فرماتے ہیں کہ صاحب کتاب یعنی قاضی عبد الجبار جو اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ فدک حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں تھا ہم اس کے اس انکار پر کوئی حجت نہیں دیکھتے۔ اور گویا وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ اگر فدک آپ کے قبضے میں ہوتا تو وہ انھیں کا سمجھا جاتا لیکن یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ اونکے قبضے سے نہیں نکال لیا گیا۔ اور جبکہ یہ بات طرق مختلفہ سے ثابت ہے کہ آیہ و آت ذالقرنی حقہ کے نازل ہونے پر بغیر خدا نے آپ کو فدک دیدیا تو بغیر حجت کے اس کے آپ کے قبضے میں ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر کوئی ثبوت اس بات کا کہ حقیقت فدک پر حضرت فاطمہ کا قبضہ تھا اور انکی طرف سے کوئی دلیل انظام کے لیے نامور تھا اور اسکی آمدنی آپ کے پاس آئی تھی ہمارے یہاں کی کتابوں سے پیش نہیں کیا۔

اور جناب مولانا دلدار علی صاحب نے بھی سولے قیاسی دلیل کے کوئی روایت عماد الاسلام میں بیان نہیں فرمائی جو کچھ انھوں نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے المسئلة الثانية ان فدک کانت فی ید فاطمة یدل علیہ الطباق الہامیة وروایاتہم کم اعرفت وایضا یدل علیہ انک قد اعرفت ان روایات العامة والہامیة تدل علی ان النبی کان

ماہمورا باعطاء فاطمہ فدک وکان واجبا علیہ ان یرفع یدہا عنہا ویجعلہا تحت ید
 فاطمہ و عقد الہبۃ بدون تسلیم فدک لہا لا یصح ولا ینخرج رسول اللہ عنہ فی ذمتہ من
 اداء امر اللہ تعالیٰ لان الہبۃ بدون القبض والتسلیم کالہبۃ وایضاً یدل علیہ ما مر من
 عبارت علماء ائمہ المسطور فی الطرائف وایضاً یدل علی کون فدک فی ید فاطمہ اذ انما استشہرہا
 ابو بکر فاطمہ علی ما دعتہ من النخلۃ فلولم یکن فی یدہا لکان الاستشہاد عبثاً لان معلوم
 ان الہبۃ بدون القبض کالہبۃ فیجوز ان کان کافیا لابی بکر ان یقول انک وان کنت
 صادقۃ فی ذلک لکنک تعلمین ان الہبۃ بدون القبض لا تنفید بل کان هذا اولی
 لان الاستشہاد من بندت رسول اللہ ورجح شہادۃ امرأتین من اهل الجنتۃ قیاحۃ لا یقلد
 احد علی اخفائہا یعنی دو سرا مسئلہ اس بیان میں ہے کہ فدک حضرت فاطمہ کے قبضے میں
 تھا اور اسپر تمام امامیہ متفق اور اونکی روایتیں اور سپر شاہدین اور نیز یہ بات بھی اور سپر دلالت کرتی
 ہے کہ سینون اور شیون کی روایت سے یہ معلوم ہو چکا کہ پیغمبر مامور تھے کہ حضرت فاطمہ کو فدک
 عطا کریں اور ان پر واجب تھا کہ اپنا قبضہ اٹھا کر اس سے فاطمہ کے قبضے میں دیدیں کیونکہ
 عقد ہبہ بغیر اسکے کہ فدک فاطمہ کو تسلیم کر دیا جائے پورا نہیں ہو سکتا تھا اور نیز پیغمبر خدا صلعم تعلیل
 حکم الہی سے بغیر اسکے سبکدوش ہو سکتے تھے ایسے کہ ہبہ بغیر قبض و تسلیم کے مثل ہبہ کرنے کے
 ہے۔ اور سوا اسکے اس بات کے ثبوت میں وہ بھی ہے جو سینون کے علما کی عبارت سے طوائف
 میں بیان کیا گیا ہے۔ اور نیز قبضہ فدک کی یہ بھی دلیل ہے کہ ابو بکر نے فاطمہ سے شہادت مانگی اگر
 فدک آپ کے قبضے میں نہو تو شہادت کا طلب کرنا عبث ہوتا ایسے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ہبہ بغیر
 قبض کا عدم ہے۔ اور ایسی حالت میں ابو بکر کو یہ کہدینا کافی تھا کہ گو آپ اپنے دعویٰ میں یہ بھی
 میں مگر اتنا تو آپ بھی جانتی ہیں کہ ہبہ بغیر قبض کے مفید نہیں۔ اور یہ کرنا ہبہ نسبت طلب اور
 رد کرنے شہادت کے بہتر تھا فقط اس میں جناب مجتہد صاحب نے کچھ اشارہ طوائف کی طرف
 کیا ہے مگر وہ کتاب بھی اس وقت ہمارے سامنے ہے اوسمیں کوئی روایت بھی ہمارے سامنے نہیں

منقول نہیں ہے جس سے مذکور حضرت فاطمہ کے قبضے کا ثبوت ہوتا ہو اگر کوئی روایت اس میں
ہوتی تو ہم ضرور جہان طرافت کی روایتوں کا ذکر ہے وہاں اسے بیان کرتے۔ اگر کسی کو شک ہے
تو وہ طرافت دیکھے اور کوئی ایک روایت بھی اوس میں سے لے سکتے متعلق پیش کرے۔

حضرت مجتہد صاحب قبلہ کا کسی روایت کا نقل نہ کرنا خود ظاہر کرتا ہے کہ کوئی روایت
متعلق قبضہ مذکور کے انہوں نے نہیں پائی اگر مجموعی سچی قومی یا ضعیف اصلی یا وضعی کوئی بھی
وہ روایت پاتے اسے نقل کرنے سے بچھوڑتے۔ رہا یہ قیاس آپ کا کہ اگر حضرت فاطمہ کا
قبضہ نہ کر دیا ہوتا تو غنہ تہہ کیونکر پورا ہوتا کیونکہ بغیر قبضے کے تہہ کا ہونا نہ ہوتا ہے اس بنیاد
پر تھا کہ آیات ذوالقربی حقہ کے نازل ہونے پر مذکور حضرت فاطمہ کو دیدیا گیا۔ مگر جب
ہم نے اس بنیاد ہی کا باطل ہونا ثابت کر دیا تو جو کچھ آپ نے یہ قیاس لگایا تھا وہ بھی باطل ہو گیا
اور قبضہ کا ہونا اسوجہ سے ہمارے بیان کا مؤید ہوا اسلئے کہ اگر حقیقت میں آپ نے مذکور تہہ
کر دیا ہوتا تو ضرور حضرت فاطمہ او سپر قابض ہو تین اور قبضہ ایک ایسے جاگیر پر جسکی آمدنی چالیس
یا ستر ہزار دینار کی ہو اور تین چار برس تک حضرت فاطمہ او سپر قابض رہی ہوں اور اون کے
کارندے او سپر مامور ہوں اور جاگیر کی آمدنی اور غلہ اون کے پاس آتا رہا ہو ایسا معاملہ نہ تھا کہ وہ
پوشیدہ رہتا یا کیسے چھپاے چھپ سکتا۔ بلا شہادت وغیرہ پیش کر نیکی کوئی ضرورت ہی نہوتی
اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شہادت طلب فرمائی ہوتی تو اسکا یہ جواب کافی تھا کہ قبضہ دلیل
الملک اور اسی کو آپ مہاجرین و انصار کے سامنے نہایت مدلل طور پر بیان فرما سکتی تھیں کہ
خلیفہ وقت کا ظلم و ستم میرے اوپر دیکھو کہ کل تک جس جاگیر پر میرا قبضہ تھا اور جس کا محاصل میرے
پاس آتا تھا اسے انہوں نے غصب کر لیا اور میرا قبضہ اوٹھا دیا اور اب مجھے شہادت مانگتے
ہیں۔ کیا قبضے سے بڑھ کر کوئی شہادت ہو سکتی ہے۔ اور کیا میرا قبضہ کوئی پوشیدہ امر تھا۔ کیا آپ
کے اس ارشاد سے صحابہ پر اثر نہوتا اور وہ خلیفہ وقت کے حکم کو ظالمانہ اور جابرانہ سمجھتے۔ اور قابض
اون نے ستانے ہی پر کمر باندھی تھی اور ب اس ظلم کرنے پر آمادہ یا شریک تھے تو آپ کی

لیکرا و پھر چڑھا آیا۔ جب لوگوں نے بہت عموغایا تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ تم لوگ کچھ نہیں جانتے اور میں جانتا ہوں تم کو یاد نہیں مجھے یاد ہے مجھے ابو بکر محمد بن عمرو بن خرم نے اپنے باپ سے اور اپنے باپ نے اپنے دادا سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ فاطمہ میری جگر پارہ ہے جس سے اسکو سونچ پھونچے اوس سے بھگو پونچنا ہے اور جس شے سے وہ خوش ہو اوس سے میں خوش ہوتا ہوں۔ اور مذک ابو بکر و عمر کے زمانے میں کسی کا نہ تھا۔ پھر مروان اوسکا مالک ہوا اور اوسنے اسکو میرے باپ عبدالعزیز کو مہبہ کر دیا پھر اوس کے وارث میں اور میرے بھائی ہوسے۔ میں نے اوسنے یہ درخواست کی کہ وہ اپنا حصہ میرے ہاتھ فروخت کر دیں اور میں سے بعض نے میرے ہاتھ فروخت کر دیا اور بعض نے مجھے مہبہ کر دیا یہاں تک کہ میں سب کا مالک ہو گیا۔ اب میں نے بہتری یہ دیکھی کہ میں اسکو اولاد فاطمہ پر رد کر دوں۔ اسپر لوگوں نے کہا کہ اگر تفسیہ کیا ہے تو اسکی اصل اپنے قبضے میں رہنے دو اور غلے کو تقسیم کرادو تو عمر بن عبدالعزیز نے یوں ہی کر دیا۔

صاحب تلخیص شافعی نے بھی انھیں دو روایتوں کو بیان کیا ہے مگر انھوں نے بھی منقول عنہ کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس سے معلوم ہوگا انھوں نے سینوں کی ہی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اور ان دو روایتوں کے نقل کرنے کے بعد بلا حوالہ سند مامون کا قصہ کہ انھوں نے مذک آل فاطمہ کو واپس کیا لکھا ہے مکاتال و ممالید علی صحۃ دعویٰ النخل و ان ذلک کان معروفاً شائعاً ما کان من عمر بن عبدالعزیز من رحمۃ علی و ولداھا لما تبین ان الحق کان معھا و کذلک فعل المامون فانه نصب لها و کیدا و کیدا لابی بکر و جلس للقضاء و حکم لها بذلک و لولم یکن لاهم معرفہ فامعلوماً کما فعلوا ذلک مع موضعهم من الخرافة و سلباً انھم الذی ارادوا حفظ قلوب الرعیۃ و ان لا یفعلوا ہا یؤدی الی تنفیذہم و لیس لاحد ہما ان ینکر ذلک و یدفعہ لان الامر فی ذلک اظہر من ان ینحیہ کہ حضرت فاطمہ کے دعویٰ مہبہ کی صحت پر دلالت کرنی والی

ہیہ فدک کے پیش نہیں فرمائی۔ اولیٰ طائف مطبوعہ ممبئی میں صفحات ۶۷ سے صفحہ ۷۶ فدک کا بیان ہے۔ مگر اوسمین متعلق اس دعویٰ کے سولے مامون کے قصے اور عمر بن عبدالعزیز کی حکایت کے ایک روایت بھی درج نہیں ہے۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت سیدہ بنتے فدک کا دعویٰ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا اور انھوں نے شہادت طلب کی اور اسے رد کیا۔ صرف معمولی سبب تم پر کفایت کی ہے۔ اور عوام کے دلونین شبہ پیدا کرنے کے لیے قوت بیانیہ کا زور دکھایا ہے کہ باوجودیکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا معصوم تھیں اور باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہادت دی اور حضرت ام ایمن نے بھی تصدیق کی مگر ابو بکر نے ان سب کو جھوٹا قرار دیا اور ان کے دعویٰ کی نسبت یہ خیال کیا کہ وہ اپنے جلب منفعت کے لیے حقوق مسلمین کا غضب کرنا چاہتی ہیں تاکہ ان باتوں کو سنکر لوگ پریشان ہوں اور ان کے دلونین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شبہ پیدا ہو۔ مگر جبکہ نہ دعویٰ ہیہ کا پیش ہوا نہ شہادت مانگی گئی نہ اسکی تردید ہوئی بلکہ یہ سب جھوٹی باتیں اور بنائی ہوئی کھانیاں ہیں اور جن علماء اہل سنت نے اس کا جواب دیا ہے وہ محض علی سبیل التسلیم والفرض ہے تو یہ ساری خوش تقریریں لغو اور فضول ہیں۔ اونکا کام تھا کہ اول بنیاد ثابت کرتے اور کوئی ایک بھی صحیح روایت متعلق اس دعویٰ کے ہمارے یہاں سے پیش فرماتے پھر جو دل چاہتا وہ لکھتے۔ اور جو کچھ قلم کا زور دکھانا تھا وہ دکھاتے۔ بے بنیاد بات اور جھوٹے قصے پر ساری لن ترانیان ہنسنے کے قابل ہیں۔

ادنیٰ کتاب طائف میں جو روایت متعلق قصہ مامون کے ہے اسے وہ یوں لکھتے ہیں کہ عجیب و غریب ماجرا یہ ہے کہ باوجودیکہ فاطمہ بنت رسول کی بزرگی اور جلال و طہارت کا اقرار کرتے بھی تھے مگر ان پر طرح طرح کے ظلم و ستم کیے اور اونکی اور اونکے باپ کی حرمت کو ہمال کیا۔ اور باوجودیکہ حضرت فاطمہ بنت کا زمان اہل جنت کی سیدہ ہونے کی تصدیق کرتے تھے مگر اونکو ازادی اور طرح طرح سے ستایا چنانچہ اہل تواریخ نے ایک طویل رسالے میں جو مامون خلیفہ عباسی کے حکم سے موسم حج میں لکھا اور پڑھا گیا اس کا بیان کیا ہے۔

صاحب تاریخ عباسی نے اسے لکھا ہے۔ اور رومی تفسیر صاحب تاریخ نے بھی اودن حواد میں جو سلسلہ میں ہے اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا قصہ یہ ہے کہ اولاد حسنین نے اپنے قبضے کا رافضہ خلیفہ مامون کے سامنے اس دعویٰ سے پیش کیا کہ فدک اور عموالی اونکی والدہ فاطمہ بنت محمد بنی کا تھا۔ ابو بکر نے اونکے قبضے سے اسکو ناحق لے لیا اب ہم اپنا انصاف اور ظلم کا انکشاف چاہتے ہیں ہی پر مامون نے علماء حجاز و عراق کے دو سو علما کو جمع کیا اور نہایت تاکید کی کہ اولے امانت اور اتباع صدق کرو۔ اور ورنہ فاطمہ نے جو قبضہ پیش کیا تھا اونے بیان کیا اور پوچھا تمھارے نزدیک اس باب میں کوئی حدیث صحیح ہے۔ اور اسی باب میں بہت لوگوں نے بشر بن الولید اور وادی اور بشر بن عیاش سے حدیثیں روایت کی ہیں کہ یہ سب اون احادیث کو اپنے نبی محمد تک پہنچاتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو آپ نے یھو کے آکا نوہین سے ایک گاؤں اپنے لیے خاص کر لیا۔ پھر جبریل نازل ہوئے اور یہ آیت لائے

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ ۚ آپ نے پوچھا کہ ذی القربی کون لوگ ہیں اور انکا حق کیا ہے۔ جبریل نے کہا فاطمہ ہیں پھر آپ نے فدک اونکو دیدیا۔ اسکے بعد پھراونکو عموالی دیا۔ اور سقیل طوطا پر فاطمہ بٹکے پاس ہے۔ یہاں تک کہ اونکے والد بزرگوار محمد نے وفات پائی۔ جب ابو بکر سے بیعت ہوئی تو اونھوں نے کہا کہ میں اس شے کو جسکو تمھارے باپ نے تکو دی ہے روک نہیں سکتا اور یہ چاہا کہ اونکو ایک وثیقہ لکھدین کہ ابو بکر کو عمر بن خطاب نے ہوشیار کیا اور کہا کہ یہ ایک عورت ہیں انسے گواہ طلب کرو۔ ابو بکر نے حکم دیا کہ گواہ لاؤ۔ تو فاطمہ ام امین اور اسماء بنت عمیس کو مع علی بن ابی طالب بٹکے گواہ لائیں۔ پھر یہ خبر عمر کو پہنچی تو وہ ابو بکر کے پاس آئے اور ابو بکر نے اس ماجرے کو اون سے کہا کہ ان سبے گواہی اونکے دعویٰ کی دمی اور فاطمہ بٹکے لیے ایک وثیقہ لکھد یا عمر نے وہ وثیقہ لے لیا اور کہا کہ فاطمہ ایک عورت ہیں اور علی اون کے شوہر ہیں اپنا نفع چاہتے ہیں اور شہادت دو عورتوں کی بے مرد کے درست نہیں ہوتی۔ ابو بکر نے اس خبر کو فاطمہ سے کہلا بھیجا آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ خدا وہ ہے جسکے سوا کوئی

کوئی معبود نہیں کہ ان لوگوں کی شہادت حق اور ادا کی تھی۔ پھر ابو بکر نے کہا کہ شاید آپ سچی ہوں لیکن اور گواہ لاؤ
جو اپنا نفع چاہتا ہو۔ اونھوں نے کہا کہ تنہ میرے باپ رسول اللہ سے یہ نہیں سنا کہ
فرماتے تھے کہ اسماء بنت عمیس اور ام ایمن اہل جنت سے ہیں دونوں نے کہا ہاں آپ نے
کہا کہ وہ عورتیں کہ اہل جنت سے ہوں وہ باطل گواہی دے سکتی ہیں۔ پھر آپ خفا ہوئی ہوئی
گھر کو لوٹ آئیں۔ اور اپنے باپ سے بچا کر کہتی تھیں کہ میرے باپ نے مجھ کو یہ خبر دی ہے کہ
سب سے اول میں اون سے ملوں گی۔ قسم ہے خدا کی کہ میں اسکی شکایت اون سے کرونگی۔ پھر وہ
مریض ہو گئیں اور علی کو وصیت کی کہ ابو بکر و عمر اونکی نماز پڑھیں اور آپ نے اون دونوں کو
چھوڑ دیا اور اون سے بات نہ کرتی تھیں حتیٰ کہ آپ کا انتقال ہوا۔ اور علی اور عباس نے آپ کو
رات میں دفن کیا پس مامون نے اوسی مجلس میں اوسی دن اولاد فاطمہ کو فدک دیدیا پھر
دوسرے روز ایک ہزار علما و فقہا کو بلایا اور اون سے صورت حال بیان کی اور اونکو اس
کا خوف دلایا اور اون سب نے آپس میں مناظرہ کیا پھر اونکے دو فریق بھے۔ ایک فریق
اونہیں یہ کہتا تھا کہ ہمارے نزدیک شوہر اپنا نفع چاہتا ہے تو اسکی شہادت قبول نہیں
ہو سکتی لیکن ہم خیال کرتے ہیں کہ حلف فاطمہ نے اونکے دعویٰ کو ثابت کر دیا تھا مع دعویٰ ہون
کی شہادت کے اور ایک فریق یہ کہتا تھا کہ ہم ہمیں وہ شہادت پر حکم لازم نہیں سمجھتے لیکن زوج کی
شہادت جائز ہے اور ہم اوسکو اپنا نفع چاہنے والا نہیں خیال کرتے اور اونکی شہادت
دو عورتوں کی شہادت پر فاطمہ کے دعویٰ کو ثابت کرتی ہے۔ غرض ان دونوں فریق کا باوجود
اختلاف کے اس امر پر اتفاق تھا کہ فدک و عوالی کا استحقاق فاطمہ کو تھا۔ اسکے بعد مامون نے
اون سے فضائل علی کو دریافت کیا۔ تو اونھوں نے یہاں طرفہ جلیل بیان کیا ہے جو سائل مامون
میں مذکور ہے۔ اور پھر اون سے فاطمہ کا حال دریافت کیا تو اونھوں نے اون کے باپ سے
اون کے بہت سے فضائل بیان کیے پھر ام ایمن اور اسماء بنت عمیس کا حال دریافت کیا تو
اونھوں نے اپنے نبی محمد سے روایت کی کہ یہ دونوں اہل جنت سے ہیں۔ مامون نے کہا

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے یا اعتقاد کیا جائے کہ علی بن ابی طالبؑ باوجود ورع و زہد کے فاطمہ کے لیے جھوٹی گواہی دین حالانکہ خدا و رسول اور نیکے فضائل بیان کرتے ہیں یا یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے علم و فضل کا اعتقاد رکھ کر یہ کہا جائے کہ وہ ایسی شہادت دینے کو تیار ہو جائیں جبکہ خود حکم نہ جانتے ہوں۔ اور کیا یہ جائز ہو سکتا ہے کہ فاطمہ باوجود عبادت و عصمت اور نسا و عالمین و نسا اہل جنت کے سیدہ ہونے کے جسکی تم روایت کرتے ہو ایسی شہد طلب کریں جو انکی نہوا اور تمام مسلمانوں پر ظلم پسند کریں اور اوپر اسد اللہ الاموی کی قسم کھا دیں۔ یا یہ جائز ہے کہ ام امین اور اسماء بنت عمیس جھوٹی گواہی دین حالانکہ وہ اہل جنت سے ہوں۔ بیشک فاطمہ پر طعن کرنا کتاب اسد پر طعن کرنا ہے اور دین میں الحاد ہے۔ کبھی ہونین سکتا کہ یہ بات اسطرح ہوتی ہو۔ پھر مامون نے اوسنے معارضہ اوس حدیث سے کیا جسکو انھوں نے روایت کیا ہے کہ علی بن ابی طالب نے بعد وفات آنحضرت صلعم کے منادی کرائی کہ جس کسی کا رسول اللہ پر قرضہ ہو یا کوئی وعدہ تو وہ میرے پاس آئے۔ تو بہت سے لوگ آپ کے پاس آئے اور انھوں نے جو بیان کیا آپ نے بے گواہ طلب کیے اور انکو دیدیا۔ اور ابو بکر نے بھی اس قسم کی منادی کرائی تو جریر بن عبداللہ نے آکر پیغمبر پر ایک وعدہ کا دعویٰ کیا اور ابو بکر نے بے گواہی کے او سکود دیدیا اور پھر جابر بن عبداللہ نے آکر دعویٰ کیا کہ اوسنے پیغمبر نے وعدہ کیا تھا کہ انکو مال بحرین میں سے ایک تہائی دین گے۔ جب مال بحرین کا آپ کی وفات کے بعد آیا تو انکو ابو بکر نے ایک تہائی مال دیدیا۔ ان دونوں نے دعویٰ بے گواہ کے کیا تھا۔ عبدالحمود کہتے ہیں کہ اس حدیث کو حمیدی نے اجماع میں اصحیحین افراد مسلم کی نوین حدیث مسند جابر میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ کہ جابو نے کہا کہ میں نے جواد کا شمار کیا تو پانچ سو تھے تو ابو بکر نے جابر سے کہا کہ اتنے ہی اور لے لو۔ عبدالحمود کہتے ہیں کہ رسالہ مامون میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے مامون نے نہایت تعجب کیا اور کہا کیا فاطمہ اور ان کے گواہ جریر اور جابر پسران عبداللہ کے برابر بھی نہ تھے۔

اوسکے پاس حضرت فاطمہ امین اور فرمایا کہ رسول اللہ نے مذک مجھے دیدیا ہے۔ ابو بکر نے کہا کیا اسپر تھما ہے پاس کوئی گواہ ہے۔ وہ علی کو لائین اونھون نے شہادت دی پھر امین اور اونھون نے پیش کیا اونھون نے اول تو یہ کہا کہ کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ میں اہل جنت سے ہوں۔ ابو بکر نے کہا بیشک۔ تب اونھون نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ مذک پیغمبر خدا نے فاطمہ کو عطا کیا تھا۔ اسپر ابو بکر نے کہا کیا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے دعویٰ ثابت ہو سکتا ہے الی آخر القصد۔ اسکے آگے کا پورا قصہ بیان نہیں کیا اور وہ یہ ہے کہ زید بن علی نے کہا کہ قسم ہے خدا کی کہ اگر یہ معاملہ میرے سامنے پیش ہوتا تو میں بھی اوسین وہی حکم دیتا جو ابو بکر نے دیا تھا۔ اور سواعق محرقہ کے باب اول کی پانچویں فصل میں یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ کا دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذک اونکو بخشہ یا تھا ثابت نہیں ہوا اسلئے کہ سوا علی اور امین کے وہ اسپر اور کوئی گواہ نہیں لائین۔ اور نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ سوا اسکے علمائین اختلاف ہے کہ زوج کی شہادت زوجہ کے لیے قبول ہو سکتی ہے یا نہیں اور یہ گمان اونکا کہ حسنین اور ام کلثوم نے بھی شہادت دی باطل ہے۔ سوا اسکے فرع کی شہادت اور نابالغ کی گواہی غیر مقبول ہے۔ اور شرح مواقف کے چوتھے مقصد میں یہ لکھا ہے کہ اگر یہ بات کہی جائے کہ فاطمہ نے پیہ مذک کا دعویٰ کیا اور علی و حسنین اور ام کلثوم نے اور صحیح یہ ہے ام امین نے شہادت دی اور ابو بکر نے اوسے رد کیا تو اوس کا جواب ہم یہ دین گے کہ شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوا۔ انتہی۔

جناب مولانا دلا علی صاحب نے اسکے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔ اور چونکہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ نے یہ دلیل بھی حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے پیش کی تھی کہ مذک میرے قبضے میں تھا۔ امید ہوتی تھی کہ اسکے متعلق جناب مدوح عماد الاسلام سے مسو ط اور مشہور کتاب میں کوئی سند ہائے یہاں سے پیش کریں گے مگر جو کچھ اونھون نے بیان فرمایا اوس سے ثابت ہو گیا کہ اس باب میں کوئی ضعیف اور غیر معتبر روایت نام کے واسطے بھی اونھون نے نہیں پائی۔

عماد الاسلام کے بعد طعن الرماح جناب سید محمد صاحب قبلہ کی ایک ایسی کتاب ہے جس کا کتب خیال گذر سکتا ہے کہ اوسین ضرور دعویٰ میہ فدک کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت درج ہوگی مگر افسوس ہے کہ یہ توقع بھی متوقعین کی اوسکے دیکھنے سے مبدل بیاس ہوتی ہے جناب مدوح نے سولے اعادہ اون تاریخی اخبار کے جواب کے متقدمین اور والد ماجد نے لکھے ہیں ما حوالہ دینے بعض اوسی قسم کی روایتوں اور اقوال کے کوئی ایک خبر ایک روایت بھی باسناد صحیح ایسی پیش نہیں فرمائی جس سے اس دعویٰ کا ثبوت ہوتا۔ اور جسکی وجہ سے یہ کتاب بقول اوسکے ہم مشربوں کے لاجواب سمجھی جاتی۔ بہر حال جناب مدوح نے طعن الرماح میں جن اقوال اور روایات کو اپنے متقدمین کی کتابوں سے نقل کیا ہے اور جو تازہ اعمال خود پیش کیے ہیں اونہیں سے ایک روایت تو نسیر بن حسان کی ہے جس میں حضرت زید سے فدک کے متعلق سوال کرنے کا ذکر ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ ابن حجر در باب ثانی صواعق محرقة و سید سمودی در جہاہ العقیدین از حافظ ابن شہبہ روایت کردہ واللفظ للآخر عن النسیر بن حسان قال قلت لزید بن علی وانا امرئان اہجن ابابکر الخ۔ اور بعد لکھنے اون الفاظ کے جو عماد الاسلام میں مذکور ہیں آپ فرماتے ہیں کہ این روایت میری مست درین کہ جناب سیدہ زہرا ابی بکر آمدہ دعویٰ ہبہ فرمودہ واوگواہ و شاہد طلب نمود و جناب بابیۃ العلم بنفس رسول و ام ایمن کہ بنا بر حدیث متفق علیہ نبوی مبشر بہشت بود ابو بکر نیز بان اقرار نمود ادا می شہادت کردہ نہیں او قبول کرد و گفت از گواہی یک مرد و یک زن ثبوت حق نمی شود۔ انتہی۔

دوسری روایت ابو بکر جوہری کی جناب مجتہد صاحب نے شرح بیح البلاغت ابن ابی الحدید سے نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ وایضا ابو بکر جوہری کہ کینت شریفین شاہد عدل نصب و تسنن اوست روایت کردہ قالت فاطمة فان ام ایمن تشہدان رسول اللہ اعطانی فدک فقال لہا یا بنت رسول اللہ واللہ ما خلق اللہ خلقا احب الی من رسول اللہ اییک ولو ددت ان السماء تقع علی الارض یوما مات ابو بکر الی ان قال لہذا اللہ

لم یکن للنبی ما کان مال من اموال المسلمین یحمل به الرجال وینفق فی سبیل اللہ فلما اتوا فی
رسول اللہ ولینتہما کما کان یلیہ قالت واللہ لا کلمتک ابد اقال لاجہرتک ابد قالت
واللہ لا دعون اللہ علیک قال اللہ لا دعون اللہ لاک فلما حضر تصالوا فاقا
اوصت ان لا یصل علیہا وقد فنت لیلہا لانتهی علی ما نقلہ ابن ابی الحداد یعنی ابو بکر
جو جبری نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ ام ایمن گو اہی دیتی ہیں کہ رسول اللہ نے
مجھے فدک دیا تھا۔ تو ابو بکر نے اوسے کہا کہ امی بنت رسول اللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کی کوئی
مخلوق میرے نزدیک تمھارے باپ رسول اللہ سے زیادہ محبوب نہیں۔ اور میں بہت چاہتا
رہا کہ جس روز تمھارے باپ نے انتقال فرمایا کہ آسمان زمین پر گر پڑے یہاں تک کہ ابو بکر نے
کہا کہ یہ مال خاص پیغمبر کا نہ تھا بلکہ مسلمانوں کا ہے۔ آپ اس مال سے لوگوں کو جہاد کا سامان
لیتے اور راہ خدا میں صرف فرماتے۔ اب رسول اللہ نے وفات فرمائی تو میں بھی اسمین
اوسی طرح کرونگا جس طرح آپ کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی میں تم سے کبھی ہاتھ
نکرونگی۔ ابو بکر نے کہا کہ میں کبھی تمکو نہ چھوڑونگا۔ فاطمہ نے کہا کہ میں اللہ سے تمھارے لیے
بد دعا کرونگی ابو بکر نے کہا کہ قسم ہے خدا کی کہ میں تمھارے لیے دعا کرونگا۔ جب حضرت فاطمہ
کی وفات قریب پہنچی تو انھوں نے وصیت فرمائی کہ ابو بکر انکی نماز نہ پڑھیں اس لیے
وہ شب میں دفن کر دی گئیں انتہی۔

تیسرے مجتہد صاحب نے عمر بن عبدالعزیز کے رد فدک کا ذکر ابو ہلال عسکری کی کتاب
انخبار الاوائل اور یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان اور ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے
کیا ہے اور اسمین اور نھین باتوں کو نقل فرمایا ہے جنکو اوسنے والد ماجد نے عماد الاسلام
میں اور قاضی نور اللہ شترسی نے بیان فرمایا ہے

چوتھے خلیفہ مامون کی مجلس قائم کرنے اور فدک واپس لینے کی روایت جو طرف
میں منقول ہے اور طرف سے عماد الاسلام میں نقل کی گئی پھر نقل و نقل کی ہے صرف یہ

صرف یہ ہے کہ بجائے عربی عبارت کے اسکا ترجمہ فارسی میں کر دیا ہے۔

پانچویں وہ روایت معارج النبوت کی جناب مجتہد صاحب نے نقل کی ہے جو عماد الاسلام میں بیان کی گئی ہے حسین ذکر ہے کہ پیغمبر خدا نے فدک کی سند حضرت فاطمہ کو لکھی تھی اور یہ وہی وثیقہ تھا کہ بعد وفات آنحضرت کے حضرت فاطمہ نے ابو بکر کے سامنے پیش کیا اور اسے یوں لکھا ہے کہ والیضاد روضۃ الصفا وہم در کتاب معارج النبوت کہ مشہور سیر ملاعین ہر وی است از مقصد تنسی نقل کردہ کہ بعضی میں کویند اخ (باقی عبارت وہی ہے جو عماد الاسلام سے آئے وات ذالقریب حق کی بحث میں ہم پہلے نقل کر چکے)۔

چھٹے مل وغل شہرستان کا بھی حوالہ ہے کہ شہرستانی در مل وغل گفتہ الخ لہ الثالث فی لہر فدک والتوارث عن النبی ودعوی فاطمہ علی نبینا وعلیہا السلام وراثۃ تارثہ و تملیک کا آخری حتی دفعت عن ذلک بالروایۃ المشہورۃ عن النبی نحن معاشر الانبیاء لانورث ما ترکنا صدقۃ کہ تیسرا ضلالت ام فدک میں ہے اور پیغمبر خدا کی وراثت میں اور فاطمہ کے دعویٰ کی نسبت کہ کبھی وراثت کیا اور کبھی ملکیت کا اور اس سے وہ محروم کی گئیں اس حدیث کی بنیاد پر کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ پیغمبروں کے ہیں ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔

ساتویں موافقت اور شرح موافقت کا اس دعویٰ کی تائید میں حوالہ دیا ہے اور جو کچھ عماد الاسلام میں لکھا تھا اسے نقل کر دیا ہے۔

آٹھویں امام رازی کی نہایت العقول کی سند پیش کی ہے اور عماد الاسلام سے جو کہ نہایت العقول کے جواب میں لکھی گئی ہے عبارت نقل کی ہے۔ وہو ہذہ۔ الفائدۃ الرابعۃ فیما یتعلق بخلاۃ النبی قال الرازی عجیباً ما ذکرہ من قبل الامامیۃ ثانیاً منہا فدک بانہ لو وجب علیہ تصدیقہا فی ہذہ الدعوی لکان ذلک امالیاً نہ لکن وہ من وجوب عصمتہ ہا وقد سبق الکلام علیہ اول البینۃ لکن البینۃ الشرعیۃ تھا کانت حاصلۃ

لا ینقال فیلزم ان تكون طالبة عن ذلك من غیر بدینة و ذلك لایلیق بها لان نقول
 لعلها كانت تذهب الی ان الحكم بالشاهد الواحد والیمن جائز كما ذهب الیه
 بعضهم وان ابابکر ما كان یذهب الی ذلك اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ
 فائدہ آنحضرت صلعم کے مہیہ کرنے کے بیان میں ہے۔ امام رازی جواب میں اس سوال کے
 جواباً مہیہ کی طاعت بیان کیا تھا کہتے ہیں کہ دوسری یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کو فداک سے روکا گیا اور یہ
 اسطرح ہے کہ اگر حضرت فاطمہ کی اس دعویٰ میں تصدیق ابو بکرؓ واجب ہوتی تو یا اس خیال
 سے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ آپ معصومہ تھیں اور عصمت کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے یا اس
 خیال سے کہ شہادت گذری لیکن شرعی شہادت حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا
 کہ آپ بغیر شہاد کے طلب کرتی تھیں کیونکہ یہ آپ کی شان کے مناسب نہیں ہے اسلئے کہ
 شاید آپ کی رسلے یہ ہو کہ ایک گواہ اور قسم پر حکم دینا کافی ہے جیسا کہ بعضوں کی رسلے
 ہے اور ابو بکرؓ کی یہ رسلے نہ تھی۔

تشہید المطاعن میں جناب مولانا سید محمد قلی صاحب تحفۃ اثنا عشریہ کے جواب میں
 پچیس لکھوں سے اس سند کے پیش کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ امام
 اچھے لگتے جواب ازین طعن آنکہ دعویٰ مہیہ از حضرت زہرا و شہادت دادن حضرت علی امین
 یا حسین علی اختلاف الروایات در کتب اہل سنت اصلاً موجود نیست محض از مفتریات شیعہ
 است در مقام الزام اہل سنت آوردن وجواب آن طلبیدن کمال سقاہت است۔ پس مردود
 است باینکہ انکار وجود این دعویٰ و شہادت در کتب اہل سنت ناشی از کمال عناد و عصبیت است
 زیرا کہ این دعویٰ در کتب کثیرہ از کتب معتبرہ و اسفار معتبرہ ایشان مذکور است مثل تصانیف
 عمر بن شعبہ۔ و مجد مؤرخ۔ و ابو بکر جوہری۔ و منہی تافضی القضاة۔ و دحل رخل شہرستانی۔ و
 کتاب الموافقة ابن سمان۔ و معجم البلدان یا قوت حموی۔ و محلی ابن حزم و نہایتہ بقول تفسیر
 مسنی بفتح الغیب۔ و ریاض النظرہ۔ و کتاب الاکتفا۔ و فصل الخطاب۔ و موافق۔ و شرح موا

وجواہر العقیدین - ووفاء الوفا - وخلاصۃ الوفا - ہر سہ از سید سمودی - وحاشیہ صلح الدین موسیٰ
 بر شرح عقائد السننی از نقض ازانی - وشتواعتی محرقہ - وبراہین قاطعہ - و مقصد قصی - و معارج لہبوت
 وصدیبات السیر - وروضۃ الصفا - ودر بسیاری ازین کتب وقوع این شہادت ہمہ پرین دعوی
 مذکورست - یہ لکھکر پھر اپنے دعوی کے ثبوت میں ہر ایک کتاب کی عبارت لکھی ہے -
 اگرچہ صاحب تشہید المطاعن نے پچیس کتابوں کے نام لکھ دیے مگر حقیقت میں انہیں سے
 کسی ایک کتاب میں بھی ایک روایت ایسی نہیں ہے جو صحیح ہو اور بسلسلہ اسناد پرین
 کی گئی ہو - اس میں اکثر کتابیں تو وہی ہیں جنکا ذکر عماد الاسلام اور طعن الریاح میں ہے -
 اور وہی عبارتیں ہیں جو انہیں نقل کی گئی ہیں اور بعض کتابیں جنکا ذکر انہیں نہیں ہے
 انہیں نے کسی روایت کا بیان ہے نہ سوائے نام گننے کے اس سے کچھ حاصل ہے چنانچہ
 عمر بن شبہ میں سے خود او انکی کسی تصنیف کا نام نہیں لکھا نہ اوسمیں سے کوئی عبارت نقل کی ہے
 بلکہ جواہر العقیدین میں جو روایت حافظ عمر بن شبہ سے منقول ہے اوسے کو آپ نے لکھا ہے -
 اور سید نور الدین سمودی کی کتاب وفاء الوفا بانجارہ المصطفیٰ سے اسے نقل کیا ہے - جیسا کہ
 تشہید المطاعن صفحہ ۲۳ اور ۲۴ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے - اور یہ وہ روایت ہے جس میں
 حضرت زید شہید سے مذکور کے متعلق سوال کرنے کا ذکر ہے - شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں
 ابو بکر جوہری سے بھی وہی روایت زید بن علی کی منقول ہے - اور مجد مورخ کی تصانیف کا جو
 ذکر ہے اوسکی کیفیت یہ ہے کہ او انکی کسی خاص کتاب کا نہ آپ نے نام لکھا ہے نہ اوس سے عبارت
 نقل کی ہے بلکہ کتاب وفاء الوفا بانجارہ المصطفیٰ میں جو سید نور الدین سمودی کی تصنیف ہے
 اوس سے یہ نقل کیا ہے ذکر المجدی فی ترجمۃ فداک ما یقتضی ان الذی دفعہ عمر الم علی
 وعباس ووقعت الخصومة فیہ ہو فداک فانہ قال فیہا وہی التی کانت فاطمہ ادعت
 ان رسول اللہ اعطاها فقال ابو بکر ارید بدک شہود افتہد لہا علی فطلب
 لہا شہاد الخرف شہدت لہا ام ایمن فقال علمت بابضعة

رسول اللہ انہ لا یجوز الا بشہادۃ رجل وامرأتین فانصرفتم شمس
ادی اجتہاد عمر الی رحہا لما ولی وفتح الفتوح وكان علی یقول ان النبی
جعلہ فی حیاتہ لفاطمہ وكان العباس یابی ذلک فكانا یختصمان الی
عمر فابی ان یحکم بینهما ویقول انتم اعرف بلسنا نکما یعنی مجہ نے ترجمہ مذک میں بیان کیا ہے
کہ مراد مذک سے وہی ہے جسکو حضرت عمر نے حضرت علی وعباس کو دیا تھا اور حسین ان دونو کا
جھگڑا ہوا تھا اسلئے کہ مجہ نے مذک کا حال یہ بیان کیا ہے کہ مذک وہ ہے جسکا دعویٰ فاطمہ نے
کیا تھا کہ رسول اللہ نے انکو دیا تھا اور ابو بکر نے کہا تھا کہ میرے سانسے اسکے گواہ پیش کرو۔
اول حضرت علی نے گواہی دی۔ پھر ابو بکر صدیق نے دو سرا گواہ طلب کیا تو ام المین نے
گواہی دی۔ ابو بکر صدیق نے کہا کہ اے حکمبارہ رسول تم جانتی ہو کہ ایک مرد اور ایک عورت
کی گواہی سے حق ثابت نہیں ہوتا اسکے لیے ایک مرد اور دو عورتیں ہونا چاہئیں حضرت فاطمہ
یہ سنکر چلی گئیں۔ جب حضرت عمر کا زمانہ آیا اور فتوحات بہت ہونے لگے تو اونکی رائے اسکے
لونا دینے کے لیے قرار پائی۔ حضرت علی تو یہ کہتے تھے کہ پیغمبر خدا صلعم نے اسکو اپنی حیات میں
فاطمہ کو دیا تھا اور حضرت عباس اس سے انکار کرتے تھے۔ پھر ان دونو حضرات نے اس
جھگڑے کو حضرت عمر کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اونہیں کچھ حکم کرنے سے انکار کیا
اور یہ کہا کہ تم دونو اپنے معاملات آپ ہی خوب جانتے ہو۔ اور کتاب الموافقة ابن السمان کا
اگرچہ نام لکھا ہے مگر اسکی عبارت خواجه محمد یارساکی فصل الخطاب سے نقل کی ہے اور وہ
یہ ہے وقال ای ابن السمان فی کتاب الموافقة فی ذکر فاطمہ وابی بکر جاءت
فاطمہ الی ابی بکر فقالت اعطنی فداک فان رسول اللہ وھبھالی فقتال
صدقت یا بنت رسول اللہ ولکنی رایت رسول اللہ یقسم ہا یعطی الفقراء
والمساکین و ابن السبیل بعد ان یعطیکم منھا قوتکم فما تصنعین بہا قالت
اضع فیہا کما کان یفعل فیہا ابی رسول اللہ یعنی ابن سمان کتاب الموافقة میں جہان ذکر فاطمہ

اور ابو بکر کا کیل ہے یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ نے ابو بکر صدیقؓ کے پاس آ کر یہ کہا کہ مجھ کو فدک دیدو رکھو مجھے رسول اللہؐ نے جبہ کر دیا تھا۔ ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ اے دختر رسول تم سچ کہتی ہو لیکن میں نے رسول اللہ کو اس میں سے تقسیم کرتے ہوئے اور فقرا اور مساکین اور مسافر کو دیتے ہوئے دیکھا ہے اور پہلے اس میں سے تمہاری قوت تکو دیدیا کرتے تھے تو تم اسکو کیا کرو گی فاطمہؑ نے کہا کہ میں بھی اس میں وہی کرونگی جو میرے باپ رسول اللہؐ کیا کرتے تھے۔

اور حاشیہ مسلح الدین رومی سے جو شرح عقائد پر ہے یہ عبارت نقل کی ہے
 ومن منع الارث وفدک بالخلاۃ وقع بین فاطمہ و ابی بکر بغض و تشاجر
 ولم تتعلم مع مدۃ حیاتھا اور تفسیر کبیر سے یہ پیش کیا ہے کہ امام فخر الدین
 رازی لکھتے ہیں فلما مات صلعم اذعت فاطمہ انہ صلعم کان نخلھا فدک
 فقال ابو بکر انت اعز الناس علی فقرا واجہم الی غنی لکنی لا اعرف
 صحۃ قولک ولا یجوز ان احکم بک فاشہد لھا ام ایمن ومولی رسول اللہ
 فطلب منہا ابو بکر الشاہد الذی یجوز قبول شہادتہ فی الشرع فلم یکن
 فاجری ابو بکر ذلک علی ما کان یحیر بہ رسول اللہ صلعم و ینفق منہ علی من
 کان ینفق علیہ رسول اللہ و یجعل ما ینفق فی السلاح والکراع یعنی جب
 آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا تو فاطمہ نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ نے فدک مجھے دیدیا تھا ابو بکرؓ نے
 کہا کہ فقر و سکت کو تمہارے لیے ب سے زیادہ ناپسند کرنا ہوں اور غنی و تو انگری کو تمہارے
 لیے ب سے زیادہ چاہتا ہوں لیکن آپ کے قول کی صحت کو میں نہیں جانتا اور نہ مجھے یہ
 جائز ہے کہ میں اس طرح کوئی حکم سے سکون پھرام امین اور ایک غلام رسول اللہؐ نے
 فاطمہؑ کے دعویٰ کی گواہی دی تو ابو بکر صدیقؓ نے اسے اور گواہ طلب کیا جسکی شہادت
 شرع میں قبول ہو سکے تو اور گواہ نکلا۔ تو انھوں نے فدک کے باب میں وہی حکم جاری
 رکھا جو رسول اللہؐ اس میں رکھا کرتے تھے اور انھیں لوگوں پر خرچ کرتے جنہر رسول اللہؐ

خرچ کیا کرتے تھے اور جو کچھ بچتا اور سکو سلاح و ہتھیار وغیرہ میں خرچ کرتے۔

اور ابراہیم بن عبدالمعین شافعی کی کتاب الاکتفا سے وہی روایت زید بن علی کی نقل کی ہے جو ابن شہبہ سے دوسری کتابوں میں نقل کی گئی ہے۔

اور ابن حزم اندلسی کی کتاب محلی سے یہ روایت نقل کی ہے۔ وے ان علی بن ابی طالب شہدا لفاطمۃ عند ابی بکر الصدیق ومعہ ام ایمن فق قال ابو بکر لو شہدا معا رجل او امرأة اخرى لفضیت بہا بذلک اور ریاض النضرہ سے محب طبری کی یہ روایت نقل کی ہے وعن عبد اللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم عن ابیہ قال جاءت فاطمة الی ابی بکر فقالت اعطنی فدک فان رسول اللہ وہبہ الی قال صدقت یا بنت رسول اللہ ولکنی رایت رسول اللہ یقسمہا فیعطی الفقراء والمساکین وابن السبیل بعد ان یعطیکم منها قوتکم فما تصنعین بہا لکم اور اسکے بعد اسی کتاب سے زید بن علی کا وہ قول نقل کیا ہے جسکا اوپر ذکر ہو چکا۔ اور طبقات کبریٰ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے اور وہ یہ ہے اخبارناصح بن عمر ثنا ہشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابیہ قالت (فاطمۃ) جاءتنی ام ایمن فاخبرتنی انه اعطانی فدک کہ حضرت فاطمہ نے ابو بکر صدیق سے کہا کہ ام ایمن میرے پاس آئیں اور انھوں نے کہا کہ آنحضرت نے مجھے فدک عطا کیا ہے۔

ان کتابوں کے سوا المعۃ البیضا اور مجراہ اور نسخ التواریخ اور کفایۃ الموحدین میں کوئی اور روایت منقول نہیں ہے جسکو ہم بیان کر رہے ہیں حالانکہ ان کتابوں میں مذکور کی بحث نہایت تفصیل سے لکھی ہے۔

الحاصل جو روایتیں اور اقوال ہم نے اوپر بیان کئے اور جن کے سوا ہم نے کوئی اور قول اس دعویٰ کے ثبوت میں نہیں پایا اگر تجزیہ کی جائے تو وہ میں قسم کی معلوم ہوتی ہیں

ایک وہ جن میں راویوں کے نام جیسا کہ روایت اور خبر کا قاعدہ ہے منقول ہیں دوسرے وہ کہ جن میں تاریخی واقعات کے طور پر جیسا کہ مورخین کا قاعدہ ہے بلا سند اس دعویٰ کا ذکر ہے تیسرے وہ کہ ضمناً کسی اعتراض کے جواب میں یا کسی بیان کے ذیل میں اس دعویٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم چوتھے مقدمہ میں اس کتاب کے بیان کر چکے ہیں ایسے معاملات کی شہادت میں وہی روایت پیش کیجا سکتی ہے جو بقاعدہ احادیث اور اخبار کے بیان کی گئی ہو اور جسکی صحت بعد تفتیح اور رعایت اون اصول کے جو اخبار کی صحت کے لیے فریقین میں قرار دیے گئے ہیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہو۔ مگر وہ اقوال اور تصے جو بغیر سند کسی روایت کے تاریخ کی کتابوں یا دوسری تصنیفات میں لکھے گئے ہوں جتنا نامزد معلوم ہو نہ جسکی سند بیان کی گئی ہو اس قابل نہیں ہوتے کہ ایسے مباحث میں اون پر کچھ بھی توجہ کیجا سے گو وہ کتاب میں کیسے ہی مشہور اور نامور شخص کی تصنیفات سے ہوں۔ ایسے کہ جو واقعہ تیرہ سو برس پہلے گذرا ہو اور اسکی صحت قیاس سے تو ہونہیں سکتی نہ کسی کا مجرد قول اور سپر یقین کر نیکے لیے کافی ہے۔ وہ تو از قلم اخبار ہے اور خبر میں جھوٹ اور سچ دونو کا احتمال ہوتا ہے۔ ایسے اسکے سچ ثابت کر نیکے لیے ضرور ہے کہ اسکے بیان کرنیوالوں کا سلسلہ موجود ہو یعنی اوس روایت کو سطح پر ایک اسی نے دوسرے شخص سے سنا ہے سلسلہ وار بیان کے اور وہ سلسلہ اوس حد تک پہنچ جاے جسپر وہ سلسلہ ختم ہوتا ہے اور جس سے رویت یا سماعت اپنی بیان کی ہو اور پھر یہ بھی شرط ہے کہ اور اسی بھی ایسے ہوں جنپر کچھ وسہ ہو اور جسکی سچائی اور دیانت داری پر اطمینان۔ اگر ایسا سلسلہ موجود بھی ہو مگر راوی ایسے ہوں کہ جنکے حالات سے کچھ اچھی طرح آگاہی نہو یا ایسے ہوں کہ جو مسائل مذہبی میں مختلف تھے اور جنپر یہ مشبہ ہو کہ اپنے مذہب کی حمایت میں اونھوں نے کوئی روایت پیش کر دی ہوگی یا ایسے راوی ہوں جنکی طبیعت نسکی اور وہی تھی یا حافظہ کے ضعیف یا بھول تو اونکی روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اور اگر اون میں کوئی راوی ایسا ہو جو جھوٹا یا حدیثوں کا بنانے والا بیان کیا گیا ہو تو اسکی روایت تو جھوٹی ہی سمجھی جائیگی۔

اور جس خبر میں روایت کا سلسلہ متصل ہو بلکہ منقطع ہو تو وہ روایت شہادت سے خارج کرنے کے لائق ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ مشہور اور نامور علماء امامیہ نے جو روایتیں اور اقوال دعویٰ ہبہ کے ثبوت میں پیش کئے ہیں اور جن سے اپنی تصنیفات کا حجم بڑھایا ہے اوسمیں ایک روایت بھی قسم اول کی نہیں ہے۔ اور اسلئے ایک بھی اونہیں سے ایسے نئے دعویٰ کی شہادت میں نہ پیش کرنے کے لائق ہے اور نہ سماعت اور قبول کے قابل۔

اب ہم اون روایتوں اور اقوال سے
جو اوپر بیان کیے گئے بحث کرتے ہیں

اون روایات اور اقوال میں سے وہ روایتیں جن میں کچھ بھی راویوں کے نام ہرین کیے گئے ہیں اور جنکو ہم نے قسم اول میں داخل کیا ہے چہ ہیں۔ ایک وہ روایت ہے جو شانی بن بیان کی گئی ہے اور جسکو ابراہیم بن محمد ثقفی نے ابراہیم بن میمون سے اور اونھوں نے عیسیٰ بن عبدالسدر بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب سے اور اونھوں نے اپنے باپ سے اور اونھوں نے اپنے دادا سے اور اونھوں نے اپنے پردادا سے نقل کی ہے جس میں یہ بیان ہے کہ حضرت فاطمہ نے ہبہ کا دعویٰ کیا اور ابو بکر صدیق نے اونہیں سند بھی لکھی مگر عمر فاروق نے اسے چاک کر دیا۔

دوسری جو شانی بن عمر بن عبدالعزیز کے رد مذک کے متعلق بیان کی ہے جسکو محمد بن زکریا غلابی نے اپنے شیوخ سے اور اونھوں نے ابوالمقداد ہشام بن زیاد سے روایت کیا ہے۔

تیسری وہ روایت ہے جو طائف میں واقعی اور بشر بن غیاث اور بشر بن ولید سے بیان کی گئی ہے جس میں خلیفہ مامون کے مجلس قائم کرنے اور مذک آل فاطمہ پر رد کر نیکیا بیان ہے جو تھکی۔ وہ روایت جو جواہر العقیدین سید سمودی اور صواعق محرقة کے باب دوم اور

۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

کتاب وقار الوفا بخبار و المصطفیٰ اور کتاب خلاصۃ الوفا اور کتاب ریاض النضرہ و محب طبری اور شرح
نیج البلاغت ابن ابی الحدید سے بیان کی گئی ہے اور جسکو حافظ ابن شبہ نے روایت کیا ہے
اور حسین زید بن علی سے فدک کے متعلق سوال کرنے اور اونکے جواب دینے کا ذکر ہے۔

پانچویں - روایت ریاض النضرہ کی ہے جو عبدالسد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم نے اپنے باپ سے
روایت کی ہے اور جسکو صاحب تشہید المطاعن نے نقل کیا ہے حسین زید بیان ہے کہ حضرت
سید نے ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ پیغمبر خدا نے اون کو فدک عطا کیا تھا۔

چھٹی - وہ روایت ہے جو تشہید المطاعن میں طبقات کبریٰ سے نقل کی ہے اور جسکو محمد بن
عمر نے ہشام بن سعد سے اور اونھوں نے زید بن اسلم سے اور اونھوں نے اپنے باپ سے
بیان کی ہے۔ اور جس میں یہ بیان ہے کہ جناب سید گ مع امیر المؤمنین کے ابو بکر کے پاس
آئین اور اول اپنے میراث کا اور آخر میں ہمہ کا دعویٰ کیا اور فرمایا کہ ام امین نے مجھے کہا تھا
کہ رسول خدا نے فدک مجھے عطا فرمایا ہے۔

یہ چہرہ روایتیں ہیں جو بعد حذف تکرار اور نقل در نقل کے شیعوں کی کتابوں میں بیان کی گئی
ہیں اور جن میں مسلسل یا منقطع سلسلہ راویوں کا بیان کیا گیا ہے۔ اب ہم ہر ایک روایت کی حقیقت کے دو
کہان تک اعتبار کے لائق ہے بیان کرتے اور اس بات کو دکھاتے ہیں کہ ان میں سے ایک
روایت بھی ایسی نہیں ہے جو ذرا بھی توجہ کے لائق ہو یا جسکے جھوٹ ہونے میں کچھ بھی شبہ ہو۔
پہلی روایت کی نسبت اول تو یہی معلوم نہیں کہ شامی میں کس کتاب سے نقل کیا ہے اور یہ روایت
سنیوں کی ہے یا شیعوں کی۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ یہ سنیوں کی کسی کتاب سے لی گئی ہے
تب بھی لمجاظ راویوں کے اعتبار کے لائق نہیں ہے بلکہ شیعوں کی روایت ہے۔ اس لیے کہ
ابراہیم بن محمد ثقفی مجہولین سے ہیں اور اونکی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے میزان الاعتدال
میں اونکی نسبت لکھا ہے ابو اہید بن محمد الثقفی قال بن ابی حاتم وہو مجهول قال البخاری یصححہ

۱۰۰ ایک شخص نے اس کتاب کا نام لیا اور اسے ۱۰۰ روپیہ فروخت کیا

اور انھوں نے ابراہیم بن میمون سے روایت کی ہے۔ اور ابراہیم بن میمون کا حال ہم ذکر مہذبہ فدک اور شان نزول آیہ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ مِّنْ جَہَانِ کَفَرِ الْعَمَالِ کی روایت سے جو عماد الاسلام میں ہے بحث کی ہے لکھ چکے ہیں کہ وہ اجلائے شیعہ سے ہیں اور منتہی المقال فی اسماء الرجال میں جو معتبر کتاب شیعوں کی ہے اونکی نسبت لکھا ہے کہ وہ امام جعفر صادق ؑ کے معتمد علیہ تھے اور ب متفق ہیں کہ وہ قابل اعتماد ہیں۔

اور ابراہیم بن میمون نے عیسیٰ بن عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے عیسیٰ بن عبد اللہ کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے قال الدارقطنی متروک الحدیث وقال ابن حبان بیرومی عن ابائہ اشیاء موضوعۃ کہ دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ اور ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ دادا سے احادیث موضوعہ روایت کرتا ہے۔ پس کیا اسمین مشبہ ہو سکتا ہے کہ یہ روایت شیعوں کی نہیں ہے یا کوئی کبھی اسے روایت سینوں کی کہ سکتا ہے۔ جسکے راوی باقر اعلائے امامیہ اجلائے شیعہ سے ہوں اور جنکی نسبت اونکی اسماء الرجال کی کتاب میں لکھا ہو وہو معتمد علیہ وفاقا للجمع دوسری روایت جو ثانی میں منقول ہے اسکے اول راوی محمد بن زکریا غلابی ہیں اور یہ ضعیف اور حدیث کے وضع کرنے والوں میں سے ہیں جیسا کہ میزان الاعتدال میں اونکی نسبت لکھا ہے وہو ضعیف وقال الدارقطنی یضع الحدیث۔

اور انھوں نے ابوالمہتمم ہشام بن زیاد سے روایت کی ہے جنکی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے ہشام بن زیاد ابو المقدم البصری ضعیفہ احمد وغیرہ قال النسائی متروک وقال ابن حبان بیرومی الموضوعات عن الثقات وقال ابوداؤد کان غیر ثقۃ وقال البخاری ینکلمون فیہ کہ امام احمد وغیرہ نے انکو ضعیفوں میں لکھا ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہیں۔ اور ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ موضوع حدیثین ثقات کے نام سے روایت کرتے ہیں اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ ثقہ

ما نقلت عن علي بن ابي طالب عن ابي عبد الله عليه السلام قال قلت لابي عبد الله عليه السلام ما منعتك من ان تكون من المشركين قال قلت لابي عبد الله عليه السلام ما منعتك من ان تكون من المشركين قال قلت لابي عبد الله عليه السلام ما منعتك من ان تكون من المشركين

نہیں ہیں۔ اور بخاری نے کہا کہ لوگ انکی نسبت کلام کرتے ہیں۔ انتہی جب ایسے ضعیف اور
 سترک الحدیث بلکہ حدیث بنا کے ثقات کی طرف منسوب کرنے والے راوی ہوں
 تو اس حدیث کے جھوٹ اور غیر صحیح ہونے کی بالفرض اگر کوئی تصریح نہ کرے تاہم اسکی صحت
 کیونکر مانی جاسکتی ہے اور اونکی خبر کس طرح شہادت میں پیش ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہ روایت ثابت
 بھی ہوتی اور صحیح بھی تب بھی اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ حضرت
 فاطمہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ کیا تھا البتہ یہ ضمننا منکنا ہے کہ جو کچھ شیخین نے کیا وہ ٹھیک نہ تھا۔
 اور اسی وجہ سے صاحب شانی نے اس روایت کو کچھ بہت قوی دلیلون میں سے ثبوت
 میں دعویٰ ہبہ فدک کے خیال نہیں کیا۔ اسلئے کہ قاضی عبد الجبار نے معنی میں لکھا تھا کہ عمر
 بن عبدالعزیز کا فعل یعنی فدک آل فاطمہ پر رد کرنا ہبہ فدک کے دعویٰ کو ثابت نہیں کرتا اسلئے
 کہ اوہکے فعل سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے علی سبیل النخل یعنی ہبہ کے
 طور پر رد کیا ہو بلکہ اوہنوں نے وہی عمل کیا جو عمر بن خطاب نے کیا تھا کہ حضرت امیر المومنین نے
 ہاتھ میں دیدیا تھا تاکہ وہ اسکے غلے کو اسی موقع پر صرف کرین جہاں پیغمبر خدا صلعم صرف فرمایا کرتے
 تھے چنانچہ ایسا ہی ایک شت تک جناب امیر المومنین نے کیا پھر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے
 اخیر سال میں واپس لے لیا۔ اسی طرح سے عمر بن عبدالعزیز نے بھی کیا اور اگر ثابت بھی ہو
 کہ عمر بن عبدالعزیز نے خلافت سلف کے کیا تو انکا فعل قابل سند نہوگا۔ اسکے جواب میں جناب
 علم الہدی شانی میں لکھتے ہیں کہ اول تو ہم عمر بن عبدالعزیز کے فعل پر کسی طرح سے بھی حجت
 نہیں کرتے کیونکہ اونکا فعل کچھ حجت نہیں ہے۔ اور اگر ہم اس قسم کی باتوں سے احتجاج کریں
 اور اسی طرح کی حجتیں اور دلیلیں لاویں تو ہم مامون کے فعل کو بھی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ
 خلیفہ مامون نے بھی ایک مجلس قائم کر کے اور مباحثہ کر کے فدک کو واپس کیا تھا۔ سولے
 اسکے صاحب معنی عمر بن عبدالعزیز کے اس فعل کا انکار کرتے ہیں جو کہ اہل نقل میں بلامغلا
 معروف و مشہور ہے فقط۔ اور اسپر اوہنوں نے روایت محمد بن زکریا مظاہبی کی پیش کی ہے۔

ما نقلت عن علي بن ابي طالب عن ابي عبد الله عليه السلام قال قلت لابي عبد الله عليه السلام ما منعتك من ان تكون من المشركين

فاطمہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ کیا تھا البتہ یہ ضمننا منکنا ہے کہ جو کچھ شیخین نے کیا وہ ٹھیک نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے صاحب شانی نے اس روایت کو کچھ بہت قوی دلیلون میں سے ثبوت میں دعویٰ ہبہ فدک کے خیال نہیں کیا۔ اسلئے کہ قاضی عبد الجبار نے معنی میں لکھا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کا فعل یعنی فدک آل فاطمہ پر رد کرنا ہبہ فدک کے دعویٰ کو ثابت نہیں کرتا اسلئے کہ اوہکے فعل سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے علی سبیل النخل یعنی ہبہ کے طور پر رد کیا ہو بلکہ اوہنوں نے وہی عمل کیا جو عمر بن خطاب نے کیا تھا کہ حضرت امیر المومنین نے ہاتھ میں دیدیا تھا تاکہ وہ اسکے غلے کو اسی موقع پر صرف کرین جہاں پیغمبر خدا صلعم صرف فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایسا ہی ایک شت تک جناب امیر المومنین نے کیا پھر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے اخیر سال میں واپس لے لیا۔ اسی طرح سے عمر بن عبدالعزیز نے بھی کیا اور اگر ثابت بھی ہو کہ عمر بن عبدالعزیز نے خلافت سلف کے کیا تو انکا فعل قابل سند نہوگا۔ اسکے جواب میں جناب علم الہدی شانی میں لکھتے ہیں کہ اول تو ہم عمر بن عبدالعزیز کے فعل پر کسی طرح سے بھی حجت نہیں کرتے کیونکہ اونکا فعل کچھ حجت نہیں ہے۔ اور اگر ہم اس قسم کی باتوں سے احتجاج کریں اور اسی طرح کی حجتیں اور دلیلیں لاویں تو ہم مامون کے فعل کو بھی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ خلیفہ مامون نے بھی ایک مجلس قائم کر کے اور مباحثہ کر کے فدک کو واپس کیا تھا۔ سولے اسکے صاحب معنی عمر بن عبدالعزیز کے اس فعل کا انکار کرتے ہیں جو کہ اہل نقل میں بلامغلا معروف و مشہور ہے فقط۔ اور اسپر اوہنوں نے روایت محمد بن زکریا مظاہبی کی پیش کی ہے۔

جس سے ہم بحث کر رہے ہیں۔

اسی قصے کو عمر بن عبدالعزیز کے ابوہلال عسکری کی کتاب اخبار الاوائل اور ایتھوپیائی کی معجم البلدان اور ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغت سے طعن الریح اور تشہید المطاعین میں بھی نقل کیا ہے اور ان تمام روایتوں کا ماہر حاصل بھی صرف یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے فدک آل فاطمہ کو رد کر دیا اور اس سے کہیں یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فدک کے مہبہ کا دعویٰ حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے کیا تھا ایسے یہ جتنی روایتیں پیش کی گئی ہیں وہ کچھ بھی مفید مطلب کے نہیں ہیں بلکہ برخلاف اسکے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے مشکوٰۃ سے بروایت ابو داؤد لکھا ہے عمر بن عبدالعزیز کا آل مروان کو جمع کر کے یہ کہنا ثابت ہوتا ہے کہ جس امر سے رسول اللہؐ نے فاطمہؑ کو منع کیا تھا میں کب اوسکا سکتی ہو سکتا ہوں ایسے میں ٹکڑا گواہ کرتا ہوں کہ میں اوسکو اوسی حال پر لوٹاتا ہوں جس حال پر کہ وہ رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ کے زمانے میں تھا بخیر ناچیز اصل روایت متعلق اسکے تحفہ میں منقول ہے من شاہ فیض المیہ۔

تیسری روایت جو طائف میں واقعی اور بشر بن عیاش اور بشر بن الولید سے نقل کی گئی ہے اور جس میں خلیفہ مامون کے مجلس قائم کرنے اور فدک کے مقدمہ میں بحث کرنے اور آخر کار ایک سال لکھنؤ موسم جم میں شائع کرنا ذکر ہے وہ بھی سراپا جھوٹی اور شیعوں کی بنائی ہوئی ہے۔ ایسے کہ اسکے راوی واقعی اور بشر بن عیاش ہیں جنہیں سے ہر ایک کا حال ہم اوپر آیا ہے و انت ذاللقربی حقه کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ واقعی کذابین اور واضعین حدیث میں سے ہیں۔ اور بشر بن عیاش زنا وقتہ میں سے۔ اور اسی روایت کو عماد الاسلام میں مولانا دلا علی صاحب نے طائف سے نقل کیا ہے اور مجتہد سید محمد صاحب نے طعن الریح میں اوسکا ترجمہ لکھا ہے اور ان دونوں مجتہدوں سے افسوس ہے کہ ایسے کاذبین اور واضعین حدیث اور زندقین کی روایتیں پیش کر کے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور انکی روایتوں کو اہل سنت کے اخبار صحاح میں سے بیان کرتے ہیں۔ اور اسکا سبب صرف یہ ہے کہ کوئی روایت صحیح تو دعویٰ ہے

متعلق ہے نہیں اس لیے اس قسم کی جھوٹی اور بنائی ہوئی باتوں کو جو جھوٹوں اور حدیث کے بنائے ہوئے
اور زندقوں نے اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیے مشہور کر رکھی تھیں طبع سے پیش کرتے ہیں
کبھی کبھی سند کا حوالہ دیکر کبھی کسی کتاب کا نام لیکر کبھی کسی تاریخ سے نقل فرما کر۔ مگر ان کا جھوٹ
کسی طرح چھپ نہیں سکتا اور جس رنگ میں وہ اسے دکھائیں صلی جلوہ نظر آجاتا ہے
بہرہے کہ خواہی جامہ می پوش کہ من آن جلوہ قدمی شنا سم
چوتھی روایت وہ ہے جو جواہر العقدرین سید سمودی وغیرہ سے نقل کی گئی ہے اور جس کو
حافظ عمر بن شبہ نے فیروز حسن سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت پوری عماد الاسلام سے ہم
اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اسمین دور ایون کے نام لکھے ہیں ایک عمر بن شبہ دوسرے فیروز حسن
بانی راویون کے نام مذکور نہیں ہیں۔ دیگر راویون کے نام یا سید سمودی نے چھوڑ دیے ہوں یا
حضرت مجتہدین نے نقل کرنے میں تخفیف فرمائی ہو۔ مگر تباہلانے سے معلوم ہوا کہ اس روایت
کا اصلی ماخذ شرح بیح البلاغت ابن ابی الحدید کی ہے۔ اور ابن ابی الحدید نے اسے ابو بکر احمد
بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سفینہ وفدک سے نقل کیا ہے اور وہ اصلی روایت یہ ہے کہ ابن
ابی الحدید فرماتے ہیں قال ابوبکر اخبرنا ابو زید قال ثنا محمد بن عبد اللہ بن الزبیر
قال ثنا فضیل بن مرزوق قال ثنا البختری (غالباً فیروز موگا) بن حسن قال
قلت لزیید بن علی وانا ارید ان اھجن امرابی بکر ان اباجکر انترخ
فداک من فاطمة فقتل ان ابابکر الخ بانی عبارت وہ ہے جو عماد الاسلام میں نقل
کی گئی ہے اور جس کے آخر الفاظ جوا ونھوں نے چھوڑ دیے تھے اسے ہم نے اس کے بعد مفصل
کریے ہیں۔ اس روایت میں اتنی باتیں غور طلب ہیں اول تو ابن ابی الحدید اسکے نقل ہیں
اور وہ خود معتزلی اور شعیبی ہیں گو شیعوں نے انکو علمائے اہل سنت سے بیان کیا ہے۔ اور غرض
اوس سے یہ ہے کہ لوگوں کو دھوکا ہوا اور انھیں علمائے اہل سنت سے سمجھکر انکی بیان کی ہوئی
روایتوں سے لوگ شبہ میں پڑیں مگر معتزلی ہونا انکا تو ایسا کھلا ہوا ہے کہ اسے کوئی انکار ہی

نہیں کر سکتا اور انکے شیعہ ہونے یا کم سے کم شیعوں کے سے عقائد رکھنے پر انکی کتاب شرح صحیح البلاغ
 شاہ ہے۔ دوسرے اس روایت کو ابن ابی الحدید نے ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری کی کتاب
 سفیہ وفدک سے نقل کیا ہے۔ اور یہ کتاب کہ آیا ابو بکر جوہری کی ہے یا نہیں یا کوئی کتاب اس نام کی
 ہے بھی یا نہیں خود معرض بحث میں ہے اور سولے ابن ابی الحدید کے کسی اور مشہور عالم نے
 نہ اسکا ذکر کیا ہے نہ کسی مشہور کتاب میں اس سے کچھ لیا گیا ہے اسلئے ایسی گناہ کتاب کی
 روایت کب قابل اعتنا اور لائق توجہ ہے۔ ہلکو اس روایت کے پیش کرنے پر نہایت تعجب آتا ہے
 کیونکہ مولانا دار علی صاحب نے معراج السالکین کی روایت پیش کرنے سے مولانا شاہ عبد العزیز
 صاحب مرحوم پر نہایت غصہ ظاہر فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ تا حال نام این کتاب بگویش کسی از شیعیان نیست
 و کتاب مجهول کہ مصنف آن نیز مجهول است احتجاج و استدلال نتوان نمود چہ مستبعد است کہ نام کتاب
 را خودش بدروغ ساختہ باشد پس در مقابلہ آن اگر کسی بگوید کہ در اعوجاج المالکین شخصے از مردم
 بخارا نوشته کہ ابو بکر اعتران بکفر خود کردی تو اندگفت و بالفرض اگر کتابی مسمی باین اسم از کتب شیعہ
 بودہ باشد و این روایت دران مندرج پس از کجا معلوم شد کہ نقل از کتب اہل سنت نکرده باشد
 و این نام صب و خواجہ او نہ دیدہ یا دیدہ و دانستہ غدرو فریب تا سیا بامیہ العادین نمودہ باشند
 انتہی۔ صفحہ ۵۲ صوارم۔ اور سید محمد صاحب نے طعن الرماح میں خطبہ نبی جمل کی روایت
 کی نسبت سید مرتضیٰ علم الہدی کے کلام کو نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہذا الخبر باطل
 موضوع غیر معروف و لا ثابت عند اهل النقل و انما ذکرہ الکریمی طاعناً
 بہ علی امیر المومنین و معارضاً بذاکرہ لبعض شیعۃ من الاخبار فی
 اعدائہ و ہبہات ان لیشتبہ الحق بالباطل بعد از ان کلامی کہ فرمودہ است
 محصل آن این است کہ اگر امیری دیگر درین روایت نمودہ باشد پس ہمیں کہ راوی آن کر ایسی است او
 معطن بعد اوت اہل بیت و نا صبی شقی بودہ کافی است در توہین و تکذیب آن صفحہ ۳۰ طعن الرماح۔
 ہم امید کرتے ہیں کہ حضرات شیعہ جو کچھ ان دو مجتہدوں نے فرمایا اوسی کو ہماری طرف سے سمجھیں گے

اور بتبدیل الفاظ ہمارے اس کلمے کو گوشہ سے شکر اور سے تسلیم کریں گے۔ اور ایسی روایتوں کے جھوٹے ہونے میں شبہ نہ فرمائیں گے۔ تیسرا ابو بکر جوہری نے بیان کیا ہے کہ اونھوں نے یہ روایت ابو زید سے لی ہے۔ اور ابو زید کفایت ہے عمر بن شبہ کی جیسا کہ تقریب میں بیان کیا گیا ہے۔ عمر بن شبہ بن عبیدہ بن زید النمیری ابو زید، اور گو عمر بن شبہ معتبرین سے ہیں مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ حقیقت میں ابو بکر جوہری نے جو روایت لکھنے بیان کی ہے اور ابو بکر جوہری کے نام سے جو کچھ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے وہ جعل سے خالی ہے تذکرۃ الحفاظ: یہی میں جہان عمر بن شبہ بن عبیدہ سے روایت سننے والو کا نام ہے وہاں ابو بکر جوہری کا نام ہم اور ان مشاہیر میں سے نہیں پاتے جنھوں نے عمر بن شبہ سے سنا تھا جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی لکھتے ہیں عمر بن شبہ بن عبیدہ قال فی حفظ العلامة الاخبار ابو زید القمیری البصری صاحب التصانیف عن یوسف بن عطیة الی قوله وعنه ابن ماجة وابن صاعد والمحاملی و محمد بن احمد الاثرم و محمد بن حنظل خلق تخط اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر جوہری نے گو حافظ عمر بن شبہ سے سنا ہو مگر وہ مشاہیر میں سے نہیں ہیں اور اسی لیے ابو بکر جوہری کا مستقل ترجمہ اور اونکا حال ہمنے کسی کتاب میں نہیں لکھا البتہ ابو الفرج اصفہانی مصنف کتاب الاغانی نے جوہری سے روایتیں کیں ہیں اور اس میں جوہری کی روایتیں عمر بن شبہ بلکہ صرف اونھیں سے پائی جاتی ہیں مگر اونکو مشاہیر محدثین اور ائمہ میں سے کہنا سراسر غلط ہے۔ اور ابو الفرج اصفہانی شیعہ تھا اور علمائے شیعہ نے باوجود زہد ہونے کے ان سے علمائے شیعہ میں شمار کیا ہے جیسا کہ مرزا محمد باقر بن حاجی زین العابدین موسوی نے جنگوزبذۃ المجتہدین اور حجة الاسلام والمسلمین لکھا ہے اپنی کتاب روایات الجنات فی احوال العلماء والسادات کے صفحہ ۲۷۷ مطبوع ایران مشتملہ بجمہری میں اس طور پر لکھا ہے۔ علی بن الحسین ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی۔ ذکرہ مولانا العلامة اعلیٰ فی خلاصۃ فی القسم الثانی فقال انہ شیعہ زیدی واورد و صاحب الآمل ایضاً فی عدا و علمائے الشیعۃ

وكان عالما روى عن كثير من العلماء وكان شيعيا خيرا بالانصاف والاعتدال المشهور والمفكر
انتہی وكان اشتہار تشیع میں جماعت من صحابنا من جہت مدانہ مذہب الشیعۃ مع الزیدۃ و مشارکتہ
فی القول بان الامامۃ غیر خارجۃ عن الفاطمیۃ۔ چوتھے ابو زید نے اسکو محمد بن عبد اللہ بن
الزبیر سے روایت کیا ہے اور یہ حضرت شیعہ تھے جیسا کہ میزان الاعتدال میں لکھا ہے عہد
بن عبد اللہ بن الزبیر قال العجلی کوفی ثقہ یتشبع وقال ابو حاتم لہ اوہام اور
اونہوں نے فضیل بن مرزوق سے روایت کی ہے۔ اور فضیل بن مرزوق کا حال ہم بحث آیہ
وانت ذ القربی حقہ میں مفصل لکھ چکے ہیں کہ وہ بکے شیعہ تھے۔ اور انہوں نے فیہ بن حسان
سے روایت کی ہے۔ مگر سہم غلطی معلوم ہوتی ہے خواہ وہ چھاپے کی ہوا نقل کی۔ اسلئے کہ
عماد الاسلام اور طعن الملاح میں احکام فیہ بن حسان لکھا ہے اور شرح نبج البلاغ ابن ابی الحدید
میں البختری بن حسان۔ مگر مہکوان دونوں ناموں میں سے کوئی نام تقریب اور تہذیب اور تہذیب
اور میزان الاعتدال میں نہیں ملا۔ بہر حال اگر اور تمام راوی ثقہ اور صدوق بھی ہوتے مگر جیسا
روایت میں فضیل بن مرزوق داخل میں تو یہ روایت بجز اسکے کہ یہ روایت شیعہ کی سمجھی جلیے
اور کچھ نہیں خیال کیجا سکتی۔ اگر سارے سلسلہ میں ایک اوی بھی جھوٹا اور متہم اور مخالف عقیدہ
ہو تو ساری روایت باطل اور جھوٹی سمجھی جاتی ہے۔ اور علاوہ اسکے اخیر راوی اسکے خواہ فیہ
بن حسان ہوں یا بختری بن حسان خود اونکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب نئے کئے
شیعہ اور دشمن صحابہ تھے اسلئے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن علی سے پوچھا کہ میری
خامش یہ تھی کہ اس سے ابو بکر کے فعل پر عیب لگاؤں۔ اور اوسکی برائی کروں۔ اسلئے کہ اسنے
اجن کا لفظ استعمال کیا ہے اور تبعین کے معنی منشی الارب میں ہیں زرتشت و عیب ناک گردانیدن
اور قاموس میں ہے الحجۃ من الکلام ما یعیبہ والهجین اللثم والتجہین التقبیم
پانچویں روایت جو تشدید المطاعن میں ریاض النضرہ سے نقل کی ہے اسکے اوی عبد
بن ابو بکر بن عمرو بن حزم میں اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ میں اس روایت کا

نہ سر ہے نہ دم ایسے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ عبد اللہ بن ابی بکر سے کس نے یہ روایت کی ہے
 اور نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بکر کے باپ نے کس سے اس روایت کو سنا ہے جیسا کہ
 کہ پوری روایت اور تمام راوی بیان نیکیے جائیں اس قسم کی روایتوں پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔
 چھٹھی وہ روایت ہے جو تثنیہ المطاعن میں طبقات کبریٰ نقل کی ہے اس کے راوی محمد بن
 عمر بن اور اونھون نے ہشام بن سعد سے اور ہشام بن سعد نے زید بن اسلم سے اور اونھون
 نے اپنے باپ سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ اسمین راوی اول محمد بن عمر بن اور یہ وہ ہیں
 جو واقدی کے نام سے مشہور ہیں ایسے کہ یہی ہشام بن سعد بن اور ہشام بن سعد زید بن اسلم سے
 روایت کرتے ہیں جیسا کہ میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔ اور واقدی کا حال اور ان کے تمام صفات
 ہم اوپر آئیے آت ذوالقربیٰ حقیقہ کی بحث میں مفصل لکھ چکے ہیں کہ وہ حدیثوں کے بنانے والوں میں سے
 ہیں۔ اور کسی بات میں ان کی کوئی روایت حدیث یا انساب یا کسی چیز میں بھی قابل اعتبار نہیں
 ہے۔ اور ایسے متروک الحدیث ہیں کہ تذکرۃ الصحاف میں ذمہ ہی نے ان کی نسبت لہو اسوت
 ترجمتہ ہنکلا نفاقہم علی ترک حدیثہ لکھا اور کاتب ترجمہ نہیں لکھا۔ دوسرے راوی ہشام
 بن سعد میں ان کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کان یحیی بن القطان لایجد
 عنہ وقال النسائی ضعیف اور تقریب میں لکھا ہے لہ اوہام وری بالتشیع
 اور تہذیب میں ہے قال ابو حاتم یکتب حدیثہ ولا یحتمج بہ
 قسم اول کی روایتوں کا حال اب ہم بیان کر چکے اور ان کے راویوں کا غیر معتبر اور چھوٹا
 ہونا ثابت کر دیا۔ اور ایسے ان روایتوں پر وہ مقولہ صادق آتا ہے جو مولانا شاہ عبدالغفر صاحب
 نے فرمایا ہے کہ خبر غیر صحیح چون گوز شترت۔ اب باقی رہیں اور اقسام کی روایتیں ان کی نسبت
 اگرچہ ہکو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے ایسے کہ ہم تفصیل چوتھے مقدمہ میں اس کتاب کے
 بیان کر چکے ہیں کہ ایسے واقعات کے متعلق کسی کی رے یا کسی کا قیاس یا کسی کا بیان و س واقعہ
 کی صحت اور تصدیق کے لیے کافی نہیں ہے گواہوں کا بیان کرنے والا کسی فن کا امام ہوا اور

گو وہ بڑا مشہور عالم اور کسی خاص علم میں بڑا ماہر اور نامی ہو۔ ان واقعات کی تصدیق کے لیے روایت متصل السناد و صحیح السند ہونی چاہیے۔ اگر ہزار عالم غلطی یا بی خبری یا ناواقفیت یا بے خیالی سے کسی واقعہ کا اس طور پر ذکر کریں کہ اس سے اس واقعہ کی تصدیق بظاہر ہوتی جاتی ہو تو واقعہ کی تصدیق کے لیے کچھ مفید نہیں ہے۔ بیش ازین نیت کہ یہ خیال کیا جائے کہ اس عالم نے اس خبر کی تحقیق اور تفتیح نہیں کی اور بغیر غورا و تحقیق کے اسے لکھ دیا۔ خصوصاً متکلمین کہ جو اعتراضوں کے جواب دینے میں بہت کچھ لے لے اور قیاس کو دخل دیتے ہیں اور جواب دینے میں خیال میں پڑ جاتے ہیں اور علی سبیل التسلیم والفرض جواب دینے لگتے ہیں جس سے مخالفین کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ روایت صحیح ہے اور ایسے شبہ کو دھوکا دینے کے لیے پر زور تقریروں میں ظاہر کرتے ہیں یہی حال ان اقوال کا ہے جو علمائے امامیہ نے اس باب میں نقل کیے ہیں۔ اور نہ تو مسلسل روایت کا اس کے عدم صحت کے ثبوت میں کافی ہے۔ مگر ہم اپنی کتاب کے ناظرین کے اطمینان کے لیے ان اقوال سے بھی بحث کرتے ہیں تاکہ یا ناقصین کی بے اعتباری یا اونکی عدم واقفیت یا اونکا فن حدیث سے ماہر نہ ہونا معلوم ہو جائے کہ یہی وجہ ہیں جن سے اس قسم کی روایتیں کتابوں میں درج ہو گئیں اور علمائے امامیہ کو عوام کے مفاسد میں ڈالنے کا موقع ملا۔

اس قسم کی روایتیں ثانی سے لیکر طعن الرماح کے زمانے تک جو کچھ بیان کی گئی ہیں وہ اوپر ہم نقل کر چکے۔ اب ہم اونکا مختصر حال لکھتے ہیں وہ روایتیں یہ ہیں۔

(۱) واقعہ کی روایت جو علامہ علی نے کتاب کشف الحق میں نقل کی ہے اور جسکا یہ خلاصہ ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ پر انھیں سند لکھ دینے کا ارادہ کیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مانع ہوئے۔

(۲) معجم البلدان کی روایت جسکو احقاق الحق میں بیان کیا ہے۔ اور جس میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز اور مامون کے رد نمک کا حال ہے۔

چونکہ تاریخ الخلفاء میں سوا اس ایک روایت کے اور کوئی روایت متعلق فذک نہیں ہے۔ اور یہ روایت صریح بتا رہی ہے کہ فاطمہؑ نے فذک مانگا تھا آنحضرت صلعم نے نہیں دیا۔ اور فذک کی مدنی آنحضرت صلعم جس مصرف میں صرف فرماتے تھے شیخین رض بھی اوسی مصرف میں اوسے خرچ کرتے تھے جس سے ہیبتہ فذک وہ دعویٰ ہیبتہ فذک بیخ و بن سے منہدم ہو گیا۔ لہذا ہیبتہ فذک یا دعویٰ ہیبتہ فذک پر تاریخ الخلفاء سے سند پیش کرنے کی نسبت سولے اسکے کیا کہا جائے کہ یہ ارباب علم بلکہ صحاب جیا کی شان سے بعید ہے۔ علاوہ اسکے تاریخ الخلفاء میں بیان حال یا غیر صحیح روایت نہ لکھنے کا التزام نہیں ہے لہذا بجز ناقہ بصیر اہل حق کے دوسرا کوئی اوس سے استدلال نہیں کر سکتا ہے۔

ابوبکر جوہری کی روایت جو شرح نہج البلاغت سے طعن الرماح میں نقل کی ہے اوس میں جناب مجتہد صاحب نے راوی کا نام چھوڑ دیا ہے تاکہ دیکھنے والے کو کوئی موقع روایت کی اصلیت دریافت کرنے کا نکلے مگر اصل کتاب یعنی شرح نہج البلاغت پر رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ اوسکے راوی ہشام بن محمد کلبی ہیں اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے جیسا کہ شرح نہج البلاغت جلد دوم مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۹ میں اصل روایت یوں لکھی ہے قال ابو بکر وروی ہشام بن محمد عن ابیہ قال قلت لفاطمۃ لابن بکر ان ام ایمن تثنی علی ائمتہ (باقی عبارت وہ ہے جو طعن الرماح سے اوپر ہم نقل کر چکے) اور ہشام بن محمد کلبی کے خطاب سے مشہور ہیں اور انکے باپ بھی اسی لقب سے معروف۔ اور یہ باپ بیٹے نہایت کٹے شیعہ اور جھوٹے اور غیر مستند تھے چنانچہ انکے باپ کا حال جو ابو ہشام کلبی سے بھی مشہور ہیں بحث آیر و آت ذالقرنیٰ حقہ میں اوپر ہم لکھ چکے ہیں انکی روایت کا پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ حضرت نزارہ اور ارحول اور مومن الطاق کی روایتوں کا پیش کرنا۔ اگر نزارہ اور ارحول کی روایتیں سینوں پر حجت ہو سکتی ہوں تو ہشام بن محمد کلبی اور ابو ہشام محمد بن السائب کلبی یعنی ان باپ بیٹوں کی روایتیں بھی ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

صواعقِ محرقہ کی ایک روایت تو وہ بیان کی گئی ہے جس میں زید بن علی سے سوال کرنے اور اس کے جواب دینے کا ذکر ہے اور اس کی حقیقت ہم اوپر بیان کر چکے۔ دوسرے ایک مقام پر انھوں نے یہ کہہ کے دعویٰ کیا یہ جواب یہ ہے کہ نصاب شہادت نہیں تھا۔ اس میں صاحبِ صواعقِ محرقہ نے یہ کہہ کے دعویٰ کی روایت سے بحث نہیں کی صرف علی سبیلِ تسلیم والفرض اس کا جواب دیا ہے۔ اور یہ حدیث مستحکمین کی ہے۔ اس میں انھوں نے یہ نہیں بیان کیا کہ یہ روایت صحیح ہے جس طرح کہ انھوں نے اس کی تخریب بھی نہیں کی غایت مافی الباب یہ ہے کہ انھوں نے اس روایت کی اصلیت نہیں تحقیق کی اور اس طور پر جواب دیا ہے جس سے ظننا اس دعویٰ کے پیش کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ امر اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ وہ روایت فی نفسہ صحیح ہو۔ روایت کی تصحیح تو روایت کے بیان اور راویوں کی تحقیق پر منحصر ہے۔ اور ہم اوپر نہایت مدلل طور پر اصل روایت کی تخریب ثابت کر چکے۔

مل و نخل شہرستانی اور موافق اور شرح موافق کے قولوں کو نقل کرنے سے سولے کتاب کے حجم بڑھانے کے اور کچھ فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ مل و نخل میں شہرستانی نے کسی روایت کا بیان نہیں کیا صرف یہ دو لفظ لکھے ہیں کہ تیسرا خلاتِ امزدک میں ہے اور یہ غیر خلدِ صلعم کے ارث میں اور فاطمہ کے دعویٰ کی نسبت کہ کبھی وراثت کیا اور کبھی ملکیت کا پس یہ دو لفظ کا تارہ وراثت و تملیک کا آخری کچھ اصل روایت کو ثابت نہیں کرتے۔ بلکہ غور کرنے سے تملیک کا آخری کے الفاظ بھی شبہ معلوم ہوتے ہیں اس لیے کہ اگر خلات تھا تو توریث میں یعنی اس مسئلہ میں کہ آیا غیر خلدِ صلعم کے متروکہ میں میراث جاری ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ نہیں تھا کہ کوئی شخص اپنی ملکیت پر قابض ہو سکتا ہے یا نہیں اس لیے اس موقع پر الفاظِ دعویٰ فاطمہ وراثت و تملیک کا آخری مہمل اور بے معنی ہیں۔ سوائے اسکے جو دلیل بیان کی ہے حتیٰ دفت عن ذلک بالروایۃ المشہورۃ اوس سے بھی معلوم ہو جائے کہ وہ دعویٰ کے نشے جائز کی حدیث سخن معاشر الانیاء ہے۔ اور یہ متعلق میراث ہے نہ متعلق بہ تملیک۔ تملیک کا آخری کے دعویٰ کے ثابت کرنے کے لیے یہ بھی لکھنا ضرور تھا کہ اس وجہ سے یہ دعویٰ نہ سنا گیا کہ شہادت پوری نہیں ہوئی۔ بہر حال ہر ایک غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ

الفاظ ہی مہمل اور بے معنی ہیں۔ علاوہ برین مل و نخل کے لکھنے والے شہرستانی اور بزرگوں میں سے ہیں جو خود عقائد میں متہم ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے بل یسبیل الشہرستانی کثیر الی اشیاء من امور ہمہ بل یدکر احیاناً اشیاء من کلام الاسلام عیلیۃ الباطنیۃ منہم ویوجہہ ولہذا اتہمہ بعض الناس بانہ من الاسماعیلیۃ.... وقد یقال ہو مع الشیعۃ بوجہ ومع اصحاب الاسعری بوجہ... وبالجملة فالشہرستانی ینظر المیل الی الشیعۃ.... ولا یحتج بہ الامن ہو جاہل وان ہذا الرجل یعنی الشہرستانی کان لہ بالشیعۃ المام و اتصال وان دخل فی ہواہم بما ذکرہ فی ہذا الکتاب یعنی الملل والنحل یعنی شہرستانی اکثر شیعوں کی باتوں کی طرف میل کیا کرتا ہے بلکہ کبھی شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ باطنیہ کا کلام ذکر کرتا ہے پھر اویسکی توجیہ بیان کرتا ہے اس سے بعض لوگوں نے اسکو اسماعیلیوں میں متہم کیا ہے۔ اور کبھی لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ وہ ایک طح سے شیعوں کے ساتھ ہے اور ایک طح سے اہل سنت کے ہم خیال ہے۔ غرض کہ شہرستانی کا میل شیعوں کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس سے جاہل شخص ہی احتجاج کر سکتا ہے۔ اس شہرستانی کو شیعوں کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور ان کے خیالات فاسدہ میں مندرجہ۔

مواقف اور شرح مواقف کے قول جو نقل کیے گئے ہیں وہ خود اس قول کی تضعیف کرتے ہیں اسلئے کہ اسنے فان قیل کے لفظوں سے شروع کیا ہے۔ اور طالب علم تک اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ لفظ قول ضعیف کے ذکر میں استعمال کیا جاتا ہے اور بالفرض التقدير اور علی سبیل تسلیم جواب دینے کے مقام میں۔ علاوہ برین صاحب مواقف اور اسکے شاخ بلاشبہ علمائے مسلمین اہل سنت سے ہیں۔ مگر حدیث و خبر میں مجرمانہ کا قول قابل سند نہیں ہے غایۃ مافی الباب ان عالمون کا درجہ شیعوں میں ایسا سمجھ لینا چاہیے جیسا کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کا شیعوں میں ہے صرف خواجہ نصیر الدین طوسی کی روایتوں اور حدیثوں کو کوئی عالم علمائے

شیعہ سے مستند اور قابل استدلال نہیں مانا گیا۔ جیسا کہ وہ حدیث نقل کرے یا کسی حدیث صحیح پر
 انکا قول مبنی ہو۔ گو وہ کیسے ہی فلسفی اور عقول اور متکلم تھے۔ اور شاہ معارف کا یہ کہنا کہ صحیح
 ام امین اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس بات پر دال ہے
 کہ صحیح یہ ہے کہ اس مجہولی روایت کے بنائے والے لفظ ام کلثوم نہیں ہے بلکہ اس ذات الاوصاف
 کا لفظ بجائے ام کلثوم کے ام امین ہے۔ نام کلثوم اس لیے انھوں نے ام کلثوم کے بعد لکھا کہ
 صحیح ام امین۔ اور اس سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے جس سے ہمارے قول کی تائید
 ہوتی ہے کہ صاحب موافق کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ علمائے شیعہ نے ام امین کا نام لکھا ہے
 یا ام کلثوم کا اور غلطی سے وہ ام کلثوم لکھ گئے اور چونکہ شاہ معارف اول شیعہ تھے اور بعد اسکے
 سنی ہوئے اس لیے انکو ان روایات پر خراب اطلاع تھی انکو یہ غلطی بادی النظر میں معلوم ہو گئی
 اور اسکی اصلاح کر دی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انھوں نے کل روایت کی صحت ثابت
 کی اور اگر وہ اپنے نزدیک اس روایت کو صحیح سمجھ کر بھی بیان کرتے اور تسلیم کیا جائے کہ انھوں
 نے اسی لیے بیان کیا ہے تو وہ انکا خیال ہے اور اس کا جواب صاف ہے کہ وہ خیال انکا
 غلط تھا اس لیے کہ یہ چیز میں قیاسی نہیں ہیں بلکہ خبر سے متعلق ہیں اور خبر کے لیے اسکی تصدیق
 ضرور ہے۔ واذلیس فلیس۔

امام رازی کی نہایت العقول اور تفسیر کبیر سے بھی روایت کی صحت ثابت نہیں ہوتی اس لیے
 کہ اس میں بھی امام رازی نے جواب اعتراض کا دیا ہے اور تنقیح اصل دعویٰ کی نہیں کی اور نہ صحیح
 اس بات کی کہ روایت جس میں ذکر مہربہ کا ہے شیعوں کی ہے یا سنیوں کی اور اس طرح کے جواب
 دینے سے کسی عالم کے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ روایت فی نفسہ صحیح اور ثابت ہو اور یہی سبب ہے
 کہ انھوں نے اپنی تفسیر میں بھی جس کا حوالہ طعن الریح اور تشہید المطاعن میں دیا ہے بحث نمبر ۱
 سے نہیں کی اور اسکی تصحیح و تنقیح کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اور اسکا سبب یہ ہے کہ وہ عقول
 اور فلسفی تھے اور ایسے مباحث میں عقول متکلمین کسی طرح نفس مطلب پر رجوع کرتے اور عرض

کو مانا ہوا تسلیم کر کے اوس کا جواب دیتے ہیں وہ اون محدثین اور محققین میں سے نہیں ہیں جن کا قول اخبار اور احادیث میں سند ہو اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ضمناً اون کے جواب دینے سے صرف آفات ثابت ہوتا ہو کہ وہ اوس روایت کی تکذیب پر متوجہ نہیں ہوں۔ اور ہمارے اس اصول مقررہ فریقین کے یہ بات اور بیان کر چکے ہیں کہ اخبار و احادیث میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے گو وہ کیسا ہی مشہور عالم اور مصنف اور محدث ہی کیوں نہ ہو بلکہ اصل خبر اور نفس روایت دیکھنے کے لائق ہے اور جن راویوں سے وہ بیان کی گئی ہے اون کے حالات کی تفتیح لازم ہے اگر راوی ثقہ معتبر ہوں اور اون پر کوئی الزام لگایا گیا ہو وہ البتہ لائق لحاظ کے ہے۔ اور پھر اہل حدیث میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ اخبار احاد میں سے ہے یا مشہور۔ اور دوسرے صحیح اخبار اور مستند روایتوں کے متناقض ہے کہ نہیں اور یہ کام محققین اور اہل فن کا ہے۔ اسلئے چند عالموں کی کتابوں میں سے چند عبارتیں نقل کر دینے سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

اگر کوئی حضرات امامیہ میں سے یہ کہے کہ ایسے مشہور عالموں کی روایتوں کے ماننے سے جو کہ اہل سنت سمجھے جاتے ہیں باب مناظرہ ہی بند ہو جاتا ہے اور حضرت یہ جواب کہ وہ حدیث میں ماہر اور کفایت مند تھا یا باوجود محدث ہونے کے اون نے خطا ہو گئی یا اونھوں نے غلط اور ضعیف روایت کو تسلیم کر لیا اور سے چاہتے کہ اس کتاب کا چونکا مقدمہ غور سے پڑھے کہ اوس سے اوسکو اس قسم کے خیالات کا کافی اور تہا بخش جواب ملیگا۔

جو شہادت ہمارے یہاں کی کتابوں سے حضرات امامیہ نے اس بات کے ثابت کر دیے کہ حضرت مناظرہ زہرا نے فدک کے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا پیش کی تھی اوسکی حقیقت کہ وہ نہ ان تک قابل ماننے کے ہے تفصیل ہمنے بیان کر دی۔ اب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ جو شیعوں کی روایتیں متعلق اس دعویٰ کے ایسی متناقض اور مختلف ہیں

فاطمہ زہرا علیہا السلام اور ابوبکر نے کہا کہ جو چیز میرے ہاتھ میں ہو اور مسلمان اور سپر
 دعویٰ کریں تو تم مجھے گواہ مانو گے۔ ابوبکر یہ سن کر چپ ہوئے عمر نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا
 ہے اور ہم تمہارے جھگڑے کی باتیں نہیں سنتے۔ پھر سپر اور باتیں اونٹنے آپس میں ہوئیں
 جسے سن کر لوگ رونے لگے اور بصلاح عمر کے ابوبکر نے علی کے قتل کا ارادہ کیا جسکی تفصیل اس
 روایت میں ہے اور اسکو ہم اپنے موقع پر بیان کریں گے۔

(۳) روایت یہ کہ حضرت فاطمہ ابوبکر کے پاس گئیں اور ان سے فدک کا مطالبہ کیا اور بعد بت
 سنی حجتوں کے ابوبکر قائل ہوئے اور فدک کی سند فاطمہ کے لیے لکھی اور حضرت علی اور ام ایمن
 کی اور سپر گواہی ہوئی حضرت فاطمہ اس سند کو لیکر باہر نکلیں عمر انکو ملے اور پوچھا کہ آپ کہاں سے
 آتی ہیں حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ ابوبکر کے پاس سے اور سند لکھ دینے کا بھی ذکر کیا۔ عمر نے کہا
 تو اٹھو مجھے دکھائیے آپ نے وہ کاغذ عمر کو دیا عمر نے اس پر تھوک دیا اور اسکو مٹا دیا پھر علی فاطمہ
 کو ملے اور پوچھا کہ امی بنت رسول لہو کیوں تیرے غصے میں جو فاطمہ نے بیان کیا جو کچھ عمر نے کیا تھا۔
 تب حضرت علی نے فرمایا ہمارا کبواصتی ومن ابیہا اعظم من ہذا کہ ان لوگوں نے
 میرے حق میں اور تمہارے باپ کے حق میں اس سے بڑھ کر دوسری بات نہیں کی۔ اسی آخر
 القصة۔ بحار الانوار صفحہ ۹۶۔ از مصباح الانوار۔

(۴) بحار الانوار کتاب الفتن مطبوعہ ایران صفحہ ۱۱۰ میں کتاب الاختصاص سے بسند عبدالبر بن
 سنان کے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب پیغمبر خدا نے وفات پائی اور ابوبکر خلیفہ مجھے
 تو انھوں نے فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تب حضرت فاطمہ آمین اور کہا کہ تم دعویٰ
 کرتے ہو کہ میرے باپ کے خلیفہ ہو اور ان کے مقام پر بیٹھے ہو تھے باوجود اس بات کے
 جاننے کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فدک دیکھے ہیں میرے وکیل کو نکال دیا حالانکہ
 اس کے لیے میرے پاس گواہ موجود ہیں۔ ابوبکر نے کہا کہ پیغمبر خدا کا کوئی وارث نہیں ہوتا یہ سن کر
 حضرت فاطمہ علی کے پاس گئیں اور ان سے یہ سب حال کہا حضرت علی نے انکو صلاح فرمائی

(۴) بحار الانوار کتاب الفتن مطبوعہ ایران صفحہ ۱۱۰ میں کتاب الاختصاص سے بسند عبدالبر بن
 سنان کے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب پیغمبر خدا نے وفات پائی اور ابوبکر خلیفہ مجھے
 تو انھوں نے فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تب حضرت فاطمہ آمین اور کہا کہ تم دعویٰ
 کرتے ہو کہ میرے باپ کے خلیفہ ہو اور ان کے مقام پر بیٹھے ہو تھے باوجود اس بات کے
 جاننے کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فدک دیکھے ہیں میرے وکیل کو نکال دیا حالانکہ
 اس کے لیے میرے پاس گواہ موجود ہیں۔ ابوبکر نے کہا کہ پیغمبر خدا کا کوئی وارث نہیں ہوتا یہ سن کر
 حضرت فاطمہ علی کے پاس گئیں اور ان سے یہ سب حال کہا حضرت علی نے انکو صلاح فرمائی

ابن ابی عمیر نے کہا کہ ابوبکر نے فدک کو اپنے پاس لے لیا اور حضرت علی نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور ہم تمہارے جھگڑے کی باتیں نہیں سنتے۔ پھر سپر اور باتیں اونٹنے آپس میں ہوئیں جسے سن کر لوگ رونے لگے اور بصلاح عمر کے ابوبکر نے علی کے قتل کا ارادہ کیا جسکی تفصیل اس روایت میں ہے اور اسکو ہم اپنے موقع پر بیان کریں گے۔

بحار الانوار کتاب الفتن مطبوعہ ایران صفحہ ۱۱۰ میں کتاب الاختصاص سے بسند عبدالبر بن سنان کے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب پیغمبر خدا نے وفات پائی اور ابوبکر خلیفہ مجھے تو انھوں نے فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تب حضرت فاطمہ آمین اور کہا کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ میرے باپ کے خلیفہ ہو اور ان کے مقام پر بیٹھے ہو تھے باوجود اس بات کے جاننے کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فدک دیکھے ہیں میرے وکیل کو نکال دیا حالانکہ اس کے لیے میرے پاس گواہ موجود ہیں۔ ابوبکر نے کہا کہ پیغمبر خدا کا کوئی وارث نہیں ہوتا یہ سن کر حضرت فاطمہ علی کے پاس گئیں اور ان سے یہ سب حال کہا حضرت علی نے انکو صلاح فرمائی

انصار کے گھر پھرے اور کسی نے ہمدردی کی اور پھر معاذ بن جبل کے پاس آئین اور اون سے
 مدد چاہی اونھوں نے بھی انکار کیا اور کہا کہ میں تمہا ہوں پس فاطمہ اون سے خفت ہو کر
 چلی آئین۔ الی آخر القصہ۔

(۵) ملا باقر مجلسی نے کتاب بحار الانوار میں ایک روایت بحوالہ الشکول علامہ کے مفضل بن
 عمر سے نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے آقا امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جب ابو بکرؓ خلیفہ ہوے
 تو عمرؓ نے کہا کہ آدمی دنیا کے دل دادہ ہیں ایسے علیؓ اور اہل بیت سے شمس اور فتنے اور فک
 کو روک دو کیونکہ جب اونکے یاریہ ام جان جائیں گے تو علیؓ کو چھوڑ دین گے اور دنیا لینے کی
 غرض سے ہماری طرف جمع کریں گے۔ ابو بکرؓ نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب ابو بکرؓ نے یہ منادی کرانی
 کہ جس کسی کا رسول اللہؐ پر قرض ہو یا کوئی وعدہ ہو تو وہ میرے پاس آے کہ میں اوسکو ادا کرونگا۔ اور
 جابرؓ اور جریرؓ بنی کا وعدہ پورا بھی کیا۔ تو علیؓ نے فاطمہؓ سے کہا کہ ابو بکرؓ کے پاس جا کر فک کا ذکر
 کرو۔ فاطمہؓ نے اونسے فک اور فتنے اور شمس کا ذکر کیا۔ ابو بکرؓ نے کہا کہ گواہ لاؤ۔ فاطمہؓ نے کہا
 کہ فک کو تو خداوند تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ اوسکو مجھے اور میری اولاد کو دیدو یعنی یہ آیت
 وات ذا القربی حقہ میں اور میری اولاد رسول اللہؐ کی سب سے زیادہ اقرب تھے تو آپ نے
 مجھے اور میری اولاد کو فک عطا کر دیا تھا۔ جب اہل نے پھر اسکے بعد مسکین اور ابن سبیل کو بھی بڑھا
 تو آپ نے پوچھا کہ مسکین اور ابن سبیل کا کیا حق سے تراشد تعالیٰ نے آیہ واعلموا ان مساکین
 علیٰ رسولہم من شئیء فان لله خمسۃ وللرسول ولذی القربی والیتامی
 والمساکین واثن التبتیل نازل کی پھر خمس کے پانچ حصہ کیے اور یہ فرمایا ما افاء الله
 علیٰ رسولہم من اھل القربى الخ جو اسد کے لیے ہے وہ اس کے رسول کا ہے اور جو
 رسول کے لیے ہے وہ ہم قربت والوں کے لیے ہے۔ اسد تعالیٰ فرماتا ہے قل لا استغفرکم
 علیہ اجر الا المودة فی القربی ابو بکرؓ نے عمرؓ کو طعن کیا اور کہا کہ تم کیا کہتے ہو عمرؓ نے
 پوچھا کہ تم یہ اور مسکین اور ابن سبیل کون لوگ ہیں۔ فاطمہؓ نے کہا کہ تم یہ وہ ہیں جو اسد اور رسول

اگر آپ کو معلوم ہو کہ اس حدیث میں جو اسد کے لیے ہے وہ اس کے رسول کا ہے اور جو رسول کے لیے ہے وہ ہم قربت والوں کے لیے ہے۔ اسد تعالیٰ فرماتا ہے قل لا استغفرکم علیہ اجر الا المودة فی القربی ابو بکرؓ نے عمرؓ کو طعن کیا اور کہا کہ تم کیا کہتے ہو عمرؓ نے پوچھا کہ تم یہ وہ ہیں جو اسد اور رسول

اس حدیث میں جو اسد کے لیے ہے وہ اس کے رسول کا ہے اور جو رسول کے لیے ہے وہ ہم قربت والوں کے لیے ہے۔ اسد تعالیٰ فرماتا ہے قل لا استغفرکم علیہ اجر الا المودة فی القربی ابو بکرؓ نے عمرؓ کو طعن کیا اور کہا کہ تم کیا کہتے ہو عمرؓ نے پوچھا کہ تم یہ وہ ہیں جو اسد اور رسول

اور ذمی القربے سے یتیم بچوں اور مساکین وہ ہیں جو اونکے ساتھ دنیا اور آخرت میں ہے ہون
 اور ابن سبیل وہ ہے جو اسکا طریق چلتا ہو۔ عمر نے کہا تو حمل اور نئے کسب تمہارا اور تمہارا
 احباب اور شیعوں کا ہوا۔ فاطمہ نے کہا کہ فدک تو اللہ نے میرے اور میرے بچوں کے لیے کر دیا ہے
 اور میں احباب اور شیعوں کا کچھ حق نہیں۔ اور خمس کو ہم میں اور ہمارے احباب میں تقسیم کیا ہے۔
 عمر نے کہا کہ اور تمام مہاجرین و انصار و تابعین باحسان کے لیے کیا ہوگا۔ فاطمہ نے کہا کہ اگر وہ
 ہمارے احباب میں سے ہیں تو اونکے لیے وہ صدقات ہیں جنکی خدا نے تقسیم کی ہے یعنی اس
 آیت میں **أَيُّهَا الْمُتَّقَاتُ الْفُقَرَاءُ وَالْمَسْكِينُ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَاللَّيْلِ لَكُمْ وَنِي اللَّيْلِ لَكُمْ وَنِي اللَّيْلِ لَكُمْ**
 اور تمہارے احباب کا ہوا میں نہیں سمجھتا کہ صحاب محمد مصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے رضی ہو جائیگا
 فاطمہ نے کہا کہ اللہ و رسول تو اسپر رضی ہو چکے اور محبت اور متابعت ہی پر اسکی تقسیم کی ہے نہ عداوت
 اور مخالفت پر۔ جو جسے عداوت کرتا ہے وہ خدا سے عداوت کرتا ہے اور جو ہمارا مخالف ہے وہ
 خدا کا مخالف ہے اور جو خدا کا مخالف ہے تو وہ خدا کی طرف سے عذاب الیم کا دنیا اور آخرت
 میں مستحق ہے۔ عمر نے کہا کہ تم جس کا دعویٰ کرتی ہو اسے گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے کہا کہ تمہنے جاہل اور
 جریر کی تصدیق کی اور اونسے گواہ نہ طلب کیے۔ اور میرا گواہ کتاب اللہ ہے۔ عمر نے کہا کہ جاہل اور جریر نے
 تو تمھو میں سہی شہی کا ذکر کیا تھا اور تم تو بہت بڑا دعویٰ پیش کرتی ہو جس سے مہاجرین و انصار مرتزق
 ہو جائیں گے۔ فاطمہ نے کہا کہ جو مہاجرین رسول اللہ و آپ کے اہل بیت کے ساتھ ہیں تو
 انھوں نے تو اونکے دین کی طرف ہجرت کی ہے۔ اور انصار وہ ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان
 رکھتے ہیں اور ذوالقرنی کے ساتھ احسان کریں۔ تو ہجرت بھی ہمارے لیے ہوئی اور نصرت بھی۔
 اور اجماع باحسان بھی بے ہمارے نہیں ہو سکتا۔ اور جو جسے مرتزق ہوجاے تو وہ جاہلیت میں جاے۔
 عمر نے کہا کہ یہ فضل بائین چھوڑو اور گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے علی و حسنین و ام المین و اساکو بلوا بھیجا
 ان سب نے آپ کے دعویٰ کی پوری پوری گواہی دی۔ عمر نے کہا کہ علی تو فاطمہ کے دو چہرے ہیں اور

عمر نے کہا کہ اللہ و رسول تو اسپر رضی ہو چکے اور محبت اور متابعت ہی پر اسکی تقسیم کی ہے نہ عداوت اور مخالفت پر۔ جو جسے عداوت کرتا ہے وہ خدا سے عداوت کرتا ہے اور جو ہمارا مخالف ہے وہ خدا کا مخالف ہے اور جو جو خدا کا مخالف ہے تو وہ خدا کی طرف سے عذاب الیم کا دنیا اور آخرت میں مستحق ہے۔ عمر نے کہا کہ تم جس کا دعویٰ کرتی ہو اسے گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے کہا کہ تمہنے جاہل اور جریر کی تصدیق کی اور اونسے گواہ نہ طلب کیے۔ اور میرا گواہ کتاب اللہ ہے۔ عمر نے کہا کہ جاہل اور جریر نے تو تمھو میں سہی شہی کا ذکر کیا تھا اور تم تو بہت بڑا دعویٰ پیش کرتی ہو جس سے مہاجرین و انصار مرتزق ہو جائیں گے۔ فاطمہ نے کہا کہ جو مہاجرین رسول اللہ و آپ کے اہل بیت کے ساتھ ہیں تو انھوں نے تو اونکے دین کی طرف ہجرت کی ہے۔ اور انصار وہ ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور ذوالقرنی کے ساتھ احسان کریں۔ تو ہجرت بھی ہمارے لیے ہوئی اور نصرت بھی۔ اور اجماع باحسان بھی بے ہمارے نہیں ہو سکتا۔ اور جو جسے مرتزق ہوجاے تو وہ جاہلیت میں جاے۔ عمر نے کہا کہ یہ فضل بائین چھوڑو اور گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے علی و حسنین و ام المین و اساکو بلوا بھیجا ان سب نے آپ کے دعویٰ کی پوری پوری گواہی دی۔ عمر نے کہا کہ علی تو فاطمہ کے دو چہرے ہیں اور

عمر نے کہا کہ اللہ و رسول تو اسپر رضی ہو چکے اور محبت اور متابعت ہی پر اسکی تقسیم کی ہے نہ عداوت اور مخالفت پر۔ جو جسے عداوت کرتا ہے وہ خدا سے عداوت کرتا ہے اور جو ہمارا مخالف ہے وہ خدا کا مخالف ہے اور جو جو خدا کا مخالف ہے تو وہ خدا کی طرف سے عذاب الیم کا دنیا اور آخرت میں مستحق ہے۔ عمر نے کہا کہ تم جس کا دعویٰ کرتی ہو اسے گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے کہا کہ تمہنے جاہل اور جریر کی تصدیق کی اور اونسے گواہ نہ طلب کیے۔ اور میرا گواہ کتاب اللہ ہے۔ عمر نے کہا کہ جاہل اور جریر نے تو تمھو میں سہی شہی کا ذکر کیا تھا اور تم تو بہت بڑا دعویٰ پیش کرتی ہو جس سے مہاجرین و انصار مرتزق ہو جائیں گے۔ فاطمہ نے کہا کہ جو مہاجرین رسول اللہ و آپ کے اہل بیت کے ساتھ ہیں تو انھوں نے تو اونکے دین کی طرف ہجرت کی ہے۔ اور انصار وہ ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور ذوالقرنی کے ساتھ احسان کریں۔ تو ہجرت بھی ہمارے لیے ہوئی اور نصرت بھی۔ اور اجماع باحسان بھی بے ہمارے نہیں ہو سکتا۔ اور جو جسے مرتزق ہوجاے تو وہ جاہلیت میں جاے۔ عمر نے کہا کہ یہ فضل بائین چھوڑو اور گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے علی و حسنین و ام المین و اساکو بلوا بھیجا ان سب نے آپ کے دعویٰ کی پوری پوری گواہی دی۔ عمر نے کہا کہ علی تو فاطمہ کے دو چہرے ہیں اور

عمر نے کہا کہ اللہ و رسول تو اسپر رضی ہو چکے اور محبت اور متابعت ہی پر اسکی تقسیم کی ہے نہ عداوت اور مخالفت پر۔ جو جسے عداوت کرتا ہے وہ خدا سے عداوت کرتا ہے اور جو ہمارا مخالف ہے وہ خدا کا مخالف ہے اور جو جو خدا کا مخالف ہے تو وہ خدا کی طرف سے عذاب الیم کا دنیا اور آخرت میں مستحق ہے۔ عمر نے کہا کہ تم جس کا دعویٰ کرتی ہو اسے گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے کہا کہ تمہنے جاہل اور جریر کی تصدیق کی اور اونسے گواہ نہ طلب کیے۔ اور میرا گواہ کتاب اللہ ہے۔ عمر نے کہا کہ جاہل اور جریر نے تو تمھو میں سہی شہی کا ذکر کیا تھا اور تم تو بہت بڑا دعویٰ پیش کرتی ہو جس سے مہاجرین و انصار مرتزق ہو جائیں گے۔ فاطمہ نے کہا کہ جو مہاجرین رسول اللہ و آپ کے اہل بیت کے ساتھ ہیں تو انھوں نے تو اونکے دین کی طرف ہجرت کی ہے۔ اور انصار وہ ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور ذوالقرنی کے ساتھ احسان کریں۔ تو ہجرت بھی ہمارے لیے ہوئی اور نصرت بھی۔ اور اجماع باحسان بھی بے ہمارے نہیں ہو سکتا۔ اور جو جسے مرتزق ہوجاے تو وہ جاہلیت میں جاے۔ عمر نے کہا کہ یہ فضل بائین چھوڑو اور گواہ لاؤ۔ فاطمہ نے علی و حسنین و ام المین و اساکو بلوا بھیجا ان سب نے آپ کے دعویٰ کی پوری پوری گواہی دی۔ عمر نے کہا کہ علی تو فاطمہ کے دو چہرے ہیں اور

حسنین بیٹے ہیں اور ام ایمن اولیٰ محب ہیں اور اسما پہلے جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھی تو وہ تو بنی ہاشم ہی کی گواہی دینی اور اب فاطمہ کی خدمت کرتی ہے اور یہ سب اپنا نفع چاہتے ہیں۔ علی نے کہا کہ فاطمہ تو ایک جزو رسول اللہ ہیں جو اذکوا ید اذیکوا وہ رسول اللہ کو اذوا یتا ہے اور جو اولیٰ تکذیب کرتا ہے وہ رسول اللہ کی تکذیب کرتا ہے۔ اور حسنین رسول اللہ کے نواسے ہیں اور جو انان جنت کے سردار ہیں جو اولیٰ تکذیب کرتا ہے وہ رسول اللہ کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اہل جنت صادق ہوتے ہیں۔ اور میری شان میں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تو مجھے ہے اور میں تجھے۔ اور تومیرا دینا اور آخرت میں بھائی ہے۔ جو تجھ پر رو کرتا ہے وہ مجھ پر رو کرتا ہے اور جو تیری اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو تیری نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ اور ام ایمن کے بارہ میں رسول اللہ صلعم نے جنت کی گواہی دی ہے اور اسما اور اسکی اولاد کے لیے آپ نے دعا دی ہے۔ عمر نے کہا کہ جو تعریف تم کرتے ہو تم ویسے ہی ہو لیکن جار کی شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ علی نے کہا کہ جب ہم ایسے ہیں جیسا تم جانتے ہو اور انکار نہیں کرتے اور پھر ہماری شہادت ہمارے لیے مقبول نہیں اور نہ رسول اللہ صلعم کی شہادت مقبول ہے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ہننے اپنے لیے دعویٰ کیا تو تم ہم سے گواہ مانگتے ہو۔ اور ہمارا کوئی معین نہیں کہ وہ گواہی دے۔ اور تم لوگوں نے اللہ کے سلطان پر جہت کی اور اسکو اس کے گھر سے غیر کے گھر کی طرف بے گواہ و محبت کے نکالا۔ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيُّ مَنَقَلَبٍ يَّبْتَلِقُوْنَ۔ پھر فاطمہ سے کہا کہ چلو خدا ہی ہمارا فیصلہ کرے گا وَ هُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ۔ بحار الانوار صفحہ ۱۰۲۔

(۶) احتجاج طبرسی اور دوسری کتابوں میں شیعوں کی ایک خطبہ لکھا ہے جو خطبہ فاطمہ زہرا سے نام سے مشہور ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ کو جب خبر ہوئی کہ ابو بکر نے فدک سے محروم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ مسجد نبوی میں ابو بکر کے پاس آئیں اور بہت بڑا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد کیا جس میں ان کے ظلم کی شکایت کی اور آیات قرآنی اور دیگر جہتوں سے ابو بکر کو ملامت کی اور اپنے حق ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ سعی کا اٹھا نہ رکھا۔ اس خطبہ کو چونکہ بہت بڑا ہے

ہم آئندہ موقع پر بیان کریں گے۔ مگر اس میں کچھ ذکر یہیہ مذکور کیا اپنے قبضہ کا اور سپریمین فرمایا۔ جو کچھ فرمایا وہ میراث کے متعلق ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اوس تقریر میں آپ نے فرمایا انتم الا ان تو تعلمون ان الارث لنا فحکم الجاہلیۃ تبغون... یا ابن ابی قحافة فی کتاب اللہ تراث اباک ولا ارث ابی لقا حدث شیثا فریبا۔ افعلی عمدا ترکتم کتاب اللہ ونبذتموه وراء ظهورکم اذ یقول وورث سلیمان داؤد الخ کہ تم گناہ کرتے ہو کہ حکم میراث نہیں مل سکتی کیا جاہلیت کا حکم چلانے ہو سہی ابو بکر کیا خدا کی کتاب میں یہ ہے کہ تم اپنے باپ کے وارث ہو اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ ملے۔ کیا جان بوجھ کر تم نے خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا اور اسے پس پشت پھینک دیا۔ خدا تو صاف فرماتا ہے کہ سلیمان وارث ہوے اپنے باپ ولود کے۔ اور ذکر کیا ہے خدا سے دعا کی کہ اسی مجھے اولاد دے جو میری اور اولاد کے حق کی وارث ہو۔ باوجود اسکے تم سمجھتے ہو کہ میرا کچھ حق ہے نہ مجھے باپ کی میراث مل سکتی ہے... خیر خدا تم سے سمجھے اور قیامت کے دن تمکو معلوم ہو جائے گا۔

(۷) بحار الانوار کے صفحہ ۱۰۰ میں یہ لکھا ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ فاطمہ ابو بکر کے پاس آئین اور پوچھا کہ تمہارا کون وارث ہوگا۔ اونھوں نے کہا میری اہل اور اولاد۔ آپ نے فرمایا کہ پھر میں کیوں اپنے باپ کی وارث نہیں بنوں۔ تب اونھوں نے جواب دیا کہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا لیکن میں اس سے اوسی کام میں صرف کروں گا جس میں پیغمبر خدا خرچ کرتے تھے اور اونھیں کو دوں گا جسکو پیغمبر خدا دیا کرتے تھے۔ تب آپ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا کی میں جب تک زندہ رہوں گی ایک بات بھی تم سے نہ کروں گی اور پھر جب تک زندہ رہیں اونھوں نے ابو بکر سے بات چیت نہ کی۔

(۸) بحار الانوار میں لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاطمہ ابو بکر کے پاس آئین اور میراث کا مطالبہ کیا۔ ابو بکر نے کہا کہ پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ تو آپ علی کے پاس واپس تشریف لائیں۔ علی نے کہا کہ پھر لوٹ کر جاؤ اور کہو کہ پھر سلیمان داؤد کے کیوں وارث ہوے ذکر کرنے کیوں کہ خدا یا مجھے ایک ولی دے کہ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔

دردی جلد ۱۵۳
 ۱۵۳
 بحار الانوار
 صفحہ ۱۰۰
 روایت کی گئی ہے
 کہ فاطمہ ابو بکر کے
 پاس آئین اور پوچھا
 کہ تمہارا کون وارث
 ہوگا۔ اونھوں نے کہا
 میری اہل اور اولاد۔
 آپ نے فرمایا کہ پھر
 میں کیوں اپنے باپ
 کی وارث نہیں بنوں۔
 تب اونھوں نے جواب
 دیا کہ پیغمبر کا
 کوئی وارث نہیں ہوتا
 لیکن میں اس سے اوسی
 کام میں صرف کروں
 گا جس میں پیغمبر
 خدا خرچ کرتے تھے
 اور اونھیں کو دوں
 گا جسکو پیغمبر
 خدا دیا کرتے تھے۔
 تب آپ نے فرمایا کہ
 قسم ہے خدا کی میں
 جب تک زندہ رہوں
 گی ایک بات بھی
 تم سے نہ کروں گی
 اور پھر جب تک
 زندہ رہیں اونھوں
 نے ابو بکر سے بات
 چیت نہ کی۔

مردی العساکر ومقنی الحافل ومبید خضراء کم ومحمد صو ضاء کم
 وجرم اللذابین اذ انتم فی بیوتکم معتکفون وانی لصاحبکم یاکس
 العمر ائی لن تجبوا ان تكون فینا الخرافة والنبوثة وانتم تذکرون احقاد بدیر
 وثاربت احدا اما والله لو قلت ما سبق من الله فیکم لتدا اخلت اضلاعکم
 فی اجوافکم لتدا اخل استنان دواراة الریحی فان تطقت نقولون حسدا وان
 سکت فیقال جزع ابن ابی طالب من الموت هیهات هیهات انا الساعة
 یقال لی هذا وانا الموت الممیت خواص المنیات جوف لیل
 خلمد حامل السیفین الثقیلین والرؤفحین الطویلین ومکسر الریات
 فی غطاط العمرات ومقریح الکربات عن وجه خیر البریات اهنوا
 قول الله لابن ابی طالب انس بالموت من الطفل الی محالب امه هبلتکم
 الهوا بل لو تجت بما انزل الله فیکم فی کتابه لا اضطر بکم اضطراب
 الا شیشه فی الطوی البعیدة ولخرجتکم من بیوتکم هاربین وعلی وجوهکم
 هارمین ولکئی اهنون وجدی حتی القی ربی سید جراء صفراء
 من لذاتکم خلوا من طعناتکم فما مثل دنیاکم عندی الا کمثل
 غلم عارفا استعل ثم استغلظ فاستوی لکم تمروق فانجل رویدا فعن
 قلیل یجلی بکم القسطل فتجدون شمر فیکم مرامم تحصد وغرس
 ایدیکم دعا فامر بفا وسماقا تیل وکفی بالله حکیم اور رسول الله خصیما
 وبالفیامة موقفا ولا ابعد الله فیها سوالکم ولا انعس فیها غیرکم والسلام
 علی من اتبع الهدی یعنی پہلے تو تم فتنوں سے بچے اور فخر وغرور کو چھوڑ دیا اور نوزہت
 کی روشنی میں آئے لیکن بالآخر تنے اہل بیت پاک کی میراث لوٹ لی اور رسول اسکا عطیہ میں کر
 بارگناہ سر پر لیا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم گمراہی میں اسلحہ مگراتے پھرتے ہو بسطح اونٹ چل میں

بھتر ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھ کو اجازت ہوئی تو میں تم لو اسے تمھارے سراسر طرح اور ڈاڑھیاں جسطرح کھینتی
کاٹ کر ڈھیر کر دیتے ہیں۔ اور تمھارے بہادروں کو اس قدر قتل کرنا کہ تمھاری آنکھیں پھوٹ جائیں۔
اور تمھارے گھر و خشتناک ہو جائے۔ تم ابتداء سے مجھ کو جانتے ہو کہ میں نے فوجیں غارت کر دی
ہیں لشکروں کو تباہ کر دیا ہے تمھاری سرسبز زمینیں تباہ کر دی ہیں تمھارے ہنگاموں کو دبا دیا ہے۔
تمھارے بہادروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ اور سو وقت تم اپنے گھروں میں بکے بیٹھے تھے۔
کل تم نے مجھ کو اپنا سردار مان لیا تھا۔ لیکن قسم ہے کہ تنہ دل سے کبھی نہیں جا ہا کہ تمھارے گھر میں
خلافت اور نبوت دونوں ہونے پائیں۔ کیونکہ مکو بدر کے کینے اور احد کے خون بہا کبھی نہیں بھولے۔
خدا اگر میں خدا کے فیصلے کو جو تمھارے متعلق وہ ذکر چکا ہے ظاہر کروں تو تمھاری ہڈیاں پھیلیں
اس طرح آپس میں مگر اجا میں جسطرح چکی کے دونوں پاؤں گرنے ل جاتے ہیں۔ میں کچھ کہتا ہوں تو تم
کہتے ہو کہ حسد سے کہتا ہوں اور چپ رہتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالب کا بیٹا موت سے ڈر گیا
افسوس افسوس میں خود موت ہوں اور میری نسبت یہ کہا جاتا ہے۔ میں مرگ کشندہ ہوں۔ میں
اندھیری راتوں میں معرکوں میں گھس جانے والا ہوں میں تیغ و نشان کا حامل ہوں۔ میں لڑائی کے
ہنگامے میں نیزوں کو مگر کر توڑ دیتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ کے سامنے سے شکنجے بنا دی
ہیں۔ ذرا ٹھہرو۔ خدا کی قسم ابوطالب کا بیٹا موت سے اس قدر مانوس ہے جتنا بچہ مان کی چھاتی
سے۔ تمہرے موت آئے خدا نے جو کچھ تمھاری شان میں کہا ہے اگر میں ظاہر کروں تو تم کسی طرح
بل کھاؤ اور گھر چھوڑ کر بھاگو اور ہراؤدھر مگر لے پھرو۔ لیکن میں اپنے جوش کو دبا تا ہوں اور سوقت
تک کہ اپنے خدا سے اس حال میں ملوں کہ میرے ہاتھ دنیا کی لذتوں سے جسکو تم محبوب کہتے
(ہو) خالی ہوں۔ کیونکہ تمھاری دنیا میرے نزدیک گویا ایک برہے جو بلند ہوا پھر دلدرا ہو کر
ہر طرف چھا گیا پھر بھیت کر محل گیا۔ ذرا ٹھہرو اور تمھاری دیر میں غبار صلیف ہو جائے گا
اور تم اپنے کیے کا پھل پاؤ گے جو تلخ ہوگا۔ یا اپنے ہاتھوں کی بونی ہوئی کھینتی کا ٹوٹے
جو سہ قاتل ہوگی۔ اور کافی ہے اللہ کا حاکم ہونا اور رسول اللہ کا دعویٰ ہونا اور میدان نبیاست کا

حضرت فاطمہ کا وکیل فدک سے نکال دیا گیا تو وہ خود ابو بکر صدیق کے پاس آئیں اور اون سے سوال کیا کہ کیوں میرے باپ کی میراث سے مجھے محروم کرتے ہو۔ اور دوسری روایت میں جو علل الشرائع سے ہم نے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابو بکر نے فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تو حضرت علیؑ نے اسے اور ابو بکر صدیق سے پوچھا کہ کیوں تم نے فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا علل الشرائع کی روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد نکالے جانے وکیل فدک کے حضرت علیؑ ابو بکر کے پاس آئے۔ اور احتجاج طبری کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ ان کے پاس آئیں۔ شاید حضرت امامیہ اس کا یہ جواب دین کے ایک دفعہ حضرت علیؑ نے اور دوسری مرتبہ خود حضرت فاطمہ آئیں۔ مگر چھٹی روایت سے جو احتجاج طبری سے ہم نے نقل کی ہے حسین حضرت فاطمہ کے مشہور خطبہ کا ذکر ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت فاطمہ ابو بکر کے پاس سے لوٹیں اور گھر پہنچیں تو وہاں حضرت علیؑ بیٹھے ہوئے دکھا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت فاطمہ نے پوچھتے ہی اون پر غصہ کرنا شروع کیا اور نہایت درد انگیز اور خندہ لب آمیز الفاظ میں فرمایا کہ اے خداوند جنین در رحم پرہ نشین شدہ و مثل خائبان یا خائفان رخا نہ اگر نجات نہ لے لو بعد از انکہ شجاعان دہر ابرضاک ہلاک اکلندی و مقرب این نامردان گردیدہ۔ پیر ابو جعفر عیشت فرزند نامرامی گیر دو تراز جامی خود حرکت نمی کنی وغیرہ وغیرہ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ نے گھر میں سے قدم بھی باہر نہ نکالا تھا اور اس معاملہ میں ابو بکر کے پاس جانا اور اون سے مطالبہ کرنا اور ان کو ملامت کرنا ایک طرف فاطمہ کی کچھ بھی بددلی تھی۔ اگر حضرت علیؑ تشریف لے گئے ہوتے اور مہاجرین و انصار کے سامنے ابو بکر صدیق سے مطالبہ کیا ہوتا اور فدک سے وکیل نکال دینے پر انھیں قائل مقبول کیا ہوتا تو حضرت فاطمہ باوجود عصمت و طہارت کے اپنے خاوند سے اور خاوند بھی کیسے جو سید الاولیاء سند الہیہ قائل الکفرہ دافع الفجرہ تھے کیوں ایسے درشت اور سخت کلمے فرماتیں اور ان کے گھر میں بچھپ رہنے اور باہر نہ نکلنے پر ملامت کرتیں۔

جو تھی روایت جو بحوالہ کتاب الاختصاص بحوالہ انرا سے ہننے نقل کی ہے اس میں ایک ایسی بات لکھی ہے جو دو نوروایات مذکورہ بالا کی تردید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دعویٰ کی نسبت یہ کہا کہ پیغمبر خدا کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو اسے سنکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے یہ سب حال کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکو صلاح دی کہ تم پھر ابو بکر کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ پیغمبر خدا کا کوئی وارث نہیں ہوتا حالانکہ سلیمان داؤد کے اور یحییٰ زکریا کے وارث ہوئے پھر میں کیوں اپنے باپ کی وارث نہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سکھائی ہوئی بات ہے اسپر آپ نے جواب دیا کہ گو میں سکھائی گئی ہوں مگر کس نے مجھے سکھایا ہے میرے ابن عم علی رضی اللہ عنہ نے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے خود اس معاملے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ اور مقابلہ کرنے کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ اور نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خیال میں یہ حجت آئی تھی کہ سلیمان داؤد کے اور یحییٰ زکریا کے وارث ہوئے۔ اور نہ اپنی طرف سے یہ دلیل اونھوں نے پیش کی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے اور بتانے اور سکھانے سے حضرت فاطمہ دوبارہ دعویٰ کرنے کے لیے ابو بکر صدیق کے پاس تشریف لیگئی تھیں۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لیگئے ہوتے یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی طرف سے یہ حجت پیش کی ہوتی جیسا کہ آپ کے اوس مشہور خطبہ سے پایا جاتا ہے جسکو ہننے چوتھی روایت میں احتجاج طبرسی سے نقل کیا ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نہ بھیجنے اور اس حجت کے سکھانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اس اختلاف کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جانا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کا اس باب میں حجت کرنا کوئی مان سکتا ہے۔

گیارہویں روایت جو ہننے احتجاج طبرسی سے نقل کی ہے اوس میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ کو فدک سے محروم کر دیا تو آپ بہت غصہ میں آئے اور ایک بہت سخت خط ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لکھا جسکے آغاز ان الفاظ سے ہے۔ شقوا متلاطمت امواج الفتن اور حسین کوئی دقیقہ اپنی مردانگی اور شجاعت کے اظہار

اور ماجرین و انصاری گمراہی و ضلال کا باقی نہیں رکھا اور اس عذاب سے جو اس کے لیے
خدا نے مقرر کیا ہے بیان کرنے سے بھی تامل نہیں فرمایا۔ اگر حقیقت حضرت علی بذات خود ابو بکر
کے پاس تشریف لگئے ہوتے اور جو کتنا تھا وہ اون سے کہ آئے ہوتے تو پھر اس خط لکھنے کی کیا
ضرورت تھی۔ ہاں شاید یہ کہا جائے کہ آپ نے اول بالمشافہ گفتگو کی پھر یہ خط لکھا تاکہ رکاوٹ یعنی
و فترتین ایک تحریری سند صحابہ کے ملامت کی موجود رہے۔ یا اول یہ خط لکھا ہو اور بعد اسکے
جا کر بالمشافہ گفتگو فرمائی ہو۔ مگر پہلی بات تو اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ اس روایت
میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ کو اس بات کی اطلاع ہوئی کہ ابو بکرؓ نے فاطمہ کو فدک سے محروم کر دیا
تو آپ نے یہ خط لکھا۔ اور دوسری بات کہ اس خط کے لکھنے کے بعد تشریف لے گئے ہوں حضرت
فاطمہ کے اس غصہ سے جو آپ کے گھر میں بیٹھ رہتے اور مدد کرنے پر فرمایا صحیح نہیں معلوم ہوتی
اس لیے کہ جب حضرت علیؓ ایسا سخت خط لکھ چکے تھے اور غاصبین کو فاطمہ اور مفسد ٹھہرا چکے تھے
اور جو سزا خدا نے ان کے لیے رکھی ہے اسے بھی ایک طرح سے بیان کر دیا تھا اور اگر وصیت
پیغمبر مانع نہ ہوتی تو ان کے سراوڑاٹینے کی بھی دھکی دیدی تھی تو کیوں کر ممکن تھا کہ حضرت فاطمہؓ
آپ کی مدد کرنے اور مثل جنین کے خانہ نشین ہو جانے پر غصہ فرمائیں اور ایسے کلمات سخت
سے آپ کو خطاب کریں۔

پھر جو تھی روایت کے دیکھنے سے ایک اور تناقض اور مخالفت پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے
کہ اس روایت میں یہ لکھا ہے کہ علی کے فرمانے سے حضرت فاطمہ آیہ ورثہ سلیمان داؤد
سے حجت کرنے کے لیے ابو بکرؓ کے پاس آئیں اور اسپر بھی جب ابو بکرؓ نے شہادت طلب کی
تو فاطمہ ام ایمن اور علی کو لگائیں اور گو علی کی شہادت کا کہ کیا انھوں نے دی کچھ ذکر نہیں ہے مگر
ام ایمن کی شہادت رد کی گئی۔ اور عمرؓ نے ام ایمن سے یہ کہا کہ تم ایک عورت ہو اور ایک عورت کی
گواہی کافی نہیں اور علیؓ اپنا فائدہ چاہتے ہیں اسپر فاطمہ کھڑی ہو گئیں اور خفا ہو کر ابو بکرؓ کو

برو غامینے لگین اور چلی گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ابو بکرؓ کے سامنے شہادت دینے کے لیے آئے تھے۔ اگرچہ سچ ہے تو اس کا سبب نہیں معلوم ہوتا کہ اسی وقت جو نہایت موقع اور وقت بخت و گفتگو کا تھا علیؓ نے ابو بکرؓ سے جو کہنا تھا کیوں نہ کہا اور فاطمہؓ کو خدا دیکھ کر بھی کچھ ہاشمی جلال نہ لکھایا۔ اور گھر جا کر خط لکھا یا دوسرے وقت آکر ابو بکرؓ سے بخت کی۔ اتنا تو بہ حال اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت پیش کرنے کے وقت تک حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا تھا۔ اور نہایت صبر و تحمل سے واقعات کے دیکھنے اور سکوت کرنے کو اختیار کیا تھا۔ مگر اسی روایت میں پھر یہ ہے کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے دن تک حضرت فاطمہؓ کو سوار کر کے مہاجرین و انصار کے گھر گھر لیے پھرے اور فاطمہؓ ایک ایک سے فریاد اور استغاثہ کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ عاذ بن جبلؓ سے دوبارہ گفتگو ہوئی اور اون سے خفا ہو کر فاطمہؓ جلی آمین۔ اس واقعہ کے بعد جس میں اس روایت کے موافق کم سے کم چالیس روز گذرے ہوں گے پھر حضرت علیؓ نے فاطمہؓ سے کہا کہ تمہارا ابو بکرؓ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ دوسرے کی نسبت زیادہ نرم دل ہیں اور یوں کہو کہ اگر فدک تمہارا ہی ہوتا تب بھی اسکا دینا میرے مانگنے پر تیرا واجب ہے چنانچہ اسکے موافق فاطمہؓ آمین اور یہی بات کہی اور پھر ابو بکرؓ نے کہا کہ آپ سچ فرماتی ہیں کاغذ منگوا کر فدک کی سند لکھ دی اور جسکو راہ میں لے چھین کر چاک کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دفعہ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کی تعلیم سے ابو بکرؓ کے پاس نہیں گئی تھیں بلکہ دو مرتبہ پہلے وراثت سلیتیمانؓ کا وراثت کی حجت پیش کرنے کے لیے دوسرے فدک کو۔ نرمی ابو بکرؓ سے مانگنے کے لیے۔ اور دوسری مرتبہ جہان تک کہ ابو بکرؓ سے تعلق تھا اس روایت کے موافق وہ کامیاب بھی ہوئیں۔ پس یہ روایت صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے کبھی خود ابو بکرؓ کے پاس جانے اور اون سے بخت کرنے یا انکو طاعت فرمانے کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ حضرت فاطمہؓ کو سکھا کر بھیج دینے ہی پر کفایت فرمائی اور اگر شہادت کے لیے وہ فاطمہؓ کے ساتھ تشریف بھی لے گئے تو اسوقت کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ اور سکوت ہی اختیار کیا۔

پھر اسی جو تھی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے رہونے کے بعد چالیس دن تک فاطمہ کو مہاجرین و انصار کے یہاں لیے لیے پھرے۔ اس زمانہ میں کوئی اور دوسری کارروائی آپ نے نہیں فرمائی۔ اور جب معاذ بن جبل سے گفتگو کر کے اور اون سے خطا ہو کر فاطمہ علیہ السلام تپ پھر آپ نے اونھیں ابو بکر کے پاس بھیجا اور وہاں فاطمہ کی یہ حالت ہوئی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر کی لکھی ہوئی سند چاک کر دی اور فاطمہ کے شکم مبارک پر نغزہ باندھنے لگا ماری جس سے عین خطا ہو گئے اور اوس کے بعد پچھتر دن تک فاطمہ بیمار رہیں اور بعد اوس کے وفات فرما گئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعد معاذ بن جبل کی گفتگو کے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دوبارہ تعلیم پا کر ابو بکر کے پاس جایگا کوئی موقع باقی نہ رہا تھا کہ فاطمہ کے وکیل کو فدک سے نکالے جائیگی خبر سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور اون سے سوال وجواب کرتے کیونکہ اس وقت تو حالت پہلے سے بدتر ہو گئی تھی اور ایک تازہ مصیبت پیش آگئی تھی جس کے سامنے فدک کا غضب کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر عیش کے ہاتھ سے وہ ظلم و ستم ہونا کہ جسے دیکھ کر کسی آدمی کی غیرت و حمیت گوارا نہیں کر سکتی کہ اوسے برداشت کرے اور ایسے دردناک اور نفرت انگیز اور ذلیل کن ظلم کو دیکھتا ہے اور اوس کا بدلہ لے۔ یہ وقت وہ تھا کہ شیر خدا جس میں آتے اور ذوالفقار علی نیام سے نکالتے اور بنت رسول پر جو ظلم و ستم ہوا تھا اوس کا بدلہ لے لیتے۔ تعجب ہے کہ ایسے سخت واقعہ پر شیر خدا صبر فرماوین اور بنت رسول کی یہ ذلت اپنی آنکھ سے دیکھیں اور کوئی بات تک زبان سے نہ نکالیں۔ تو اوس کے صبر و استقلال سے جس کا ثبوت شیعوں کے خیال کے موافق اس سے زیادہ نہ ہو گا کون امید اور خیال کر سکتا ہے کہ وہ ایک وکیل کے نکال لینے پر غصہ میں آتے اور سوال وجواب کرنے کے لیے مہاجرین و انصار کے مجمع میں جاتے اور ابو بکر سے مقابلہ کرتے یا اذکوارا یا ساخت خطا لکھتے اور اون کو ظالم اور غاصب بتاتے۔

اس روایت کو بارہویں روایت سے ملا کر دیکھنے سے ظاہر شخص کو ایک حیرت ہوگی اور سوائے اسکے کہ اماموں کے اسرار اور اون کے بھید ہم لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں کوئی بات

زبان سے نہ کھل سکی۔ نہ کوئی وجہ سمجھ میں آئیگی کہ کبھی تو شیر خدا ذرا سی بات پر ایسے غضب ناک ہو جائیں کہ سراوڑ اسے مین بھی دریغ نکرین اور کبھی ایسا سکوت اختیار کریں کہ کٹے سے کٹے صدمہ پر بھی جس کا بدلہ لینا شرعاً و عقلاً جائز بلکہ واجب ہو زبان تک نہ بلائیں۔ شاید منظر العجائب و الغرائب کی شان یہی ہے کہ ایسی عجیب باتیں سرزد ہوں جو انسانی فہم سے باہر اور طاقت بشری سے خارج ہوں۔ اس چوتھی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت فاطمہ سے سند لیکر عمر نے چاک کر دی اور طمانچہ لگائے اور لاتین ماری یہاں تک کہ محل سا قہ ہو گیا مگر حضرت علیؑ نے ات تک نہ کی۔ اور بارہویں روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت علیؑ کو اطلاع ہوئی کہ اشجع بن مراحم نے جسے ابو بکر نے فدک کے انتظام کے لیے مقرر کیا تھا رعایا پر ظلم شروع کیا ہے تو آپ کو تاب نہ رہی اس خبر کے سنتے ہی عزیز و اقارب و خدام و ملازمین کو لیکر موقع پر پہنچے اور اشجع کو کھوکھو بولایا اور گھر کی ان سناہن اور اسی پر کفایت کی بلکہ اوسکا سراوڑا دیا اور اوسوقت آپ ایسے جوش میں تھے اور آپ کی آنکھیں ایسی چمکتی اور آپ کی ذوالفقار ایسی دکھتی تھی کہ سب تھر تھرانے لگے اور اشجع کے ہمراہی سب ہتھیار پھینک کر بھاگ گئے۔ اور پھر جب اشجع کے قتل کے بعد خالد اوسکے پاس آئے تو آپ نے اون سے غصہ میں فرمایا کہ کیا تم مجھے بھی مالک بن زبیرہ جانتے ہو اور اسپر جب خالد غصہ میں آئے تو آپ نے ذوالفقار نکالی جسکی جھک دیکھ کر وہ گرو گرنے لگے اور آپ نے تلوار کے قبضہ کو خالد کی پشت پر مارا کہ وہ زمین پر گر گئے۔ اس روایت سے نشانہ حیدری ثابت ہوتی ہے اور اسد اللہی کا جلوہ نظر آتا ہے اور زمین و آسمان سے آپ کی نجات و حمیت پر مرجح اور تحسین کی آوازیں آتی ہیں اور لافنی الاعلیٰ ملا یسف الاذوالفقار کا غلغلہ ہر شجر و جھرکی دبان سے سنائی پڑتا ہے۔ مگر یہ تمام حالت حیرت اور تعجب سے بدل جاتی ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اسد اللہی شان اوسوقت کیوں نہ کھائی گئی جبکہ عمر نے جو بقول شیعون کے ایک نامور و ذلیل اور کم رتبہ آدمی تھے بنت رسول کو صدمہ پہنچایا۔ اونکو طمانچہ لگائے اونکو لاتین ماریں اونکا محل گرا دیا۔ اس موقع پر کیوں ذوالفقار علی نیام میں رکھ لیگی اور کیوں

حیدری صولت اور غفٹنفری ہیبت پر صبر و سکینا کی غالب آگئی۔ حالانکہ شرعاً و عقلاً یہ موقع
 زہر کا تھانہ تحمل کا بلکہ وَاللَّيْنِ بِاللَّيْنِ وَالْحُجْرُ وَحِ قِصَاصِ کے موافق کم سے کم
 اسکا بدلائم کو دینا تھا تاکہ بنت رسول کی ذلت کا مزہ وہ چکھتے اور اس ظلم و ستم کی سزا خدا کے
 شیر کے ہاتھ سے پاتے۔ افسوس ہے کہ ان روایتوں سے حضرت شیعہ کا یہ طلب تو حاصل ہوا
 کہ جو الزام اپنے غلط خیال اور فساد عقیدت کے موافق صحابہ پر اور حضرت شیخین پر لگانا چاہتے
 تھے وہ ثابت ہو بلکہ ان جمہونی اور وضعی روایتوں سے اہل بیت کرام اور خاندان نبوت پر ایسے
 جمہونی دلغ لگائیے گئے اور وہ باتیں جس سے او کی شان ارفع و اعلیٰ تھی بلکہ جنکے خدام اور
 نام لیوا بھی اوس سے سزا اور سزہ تھے او کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ اور مخالفین اسلام کے
 لیے ایک ایسا مجموعہ تیار کر دیا گیا کہ جسکے دیکھنے سے نہ صرف انکو تعجب اور حیرت ہو بلکہ نفس اسلام
 پر وہ شک اور بائی اسلام اور اوسکے خاندان کے چلن پر شبہ کرنے لگیں۔ افسوس ایسی ہیبت پر
 تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَنْقَطَرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا۔
 چوتھی روایت میں جو کتاب الاختصاص سے بیان کی گئی ہے یہ لکھاتے کہ بعد اس کے
 کہ علی مرتضیٰ فاطمہ کو چالیس دن تک مہاجرین و انصار کے گھر گھر لیکر پھرے اور کسی نے مدد کی
 معاذ بن جبل سے دو برد فاطمہ سے گفتگو ہوئی وہ اذن سے خفا ہو کر علی امین تو علی مرتضیٰ بنے
 فاطمہ سے کہا کہ ابو بکر نرم دل ہیں اون سے جا کر فدک مانگو کہ وہ اپنا ہی سمجھ کر دین چنانچہ وہ گئیں اور
 اون کے سطر جبر مانگنے سے ابو بکر نے فدک کی سند لکھ دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع
 پر کچھ سوال و جواب ہوا تھا بلکہ ہنسی خوشی سے صرف حضرت فاطمہ کے مانگنے پر ابو بکر نے انہیں
 سند لکھ دی تھی لیکن تیسری روایت میں جو بجا المصباح الانوار بحار الانوار سے نقل کی گئی ہے
 او میں فدک کے سند لکھ دینے کا بیان دوسرا ہے اور اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابو بکر
 و رَيْتَ سَلِيمَانَ دَاوُدَ كِي حِجْتِ يَشِ هُونِے پَر قَائِلِ هُوَے اور فاطمہ کے دلائل منکر مجبور تب
 فدک کی سند فاطمہ کو لکھ دی اور ابو بکر علی اور ام امین کی گواہی بھی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ سند لکھنے کا سبب ابو بکر کا فاطمہ کی حجتوں سے قائل ہو جانا تھا۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ تنہا تشریف لے لیگیں تھیں بلکہ علی اور امین بھی اونکے ساتھ تھے ورنہ اونکی گواہی اور اس سند پر جو ابو بکر نے لکھی کیونکر ہوتی اور پھر اس وایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راہ میں عمر رضی فاطمہ کو ملے اور اون سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں اونھوں نے کہا ابو بکر کے پاس سے آئی ہوں اور اونھوں نے مجھے سند بھی فدک کی لکھی ہے۔ عمر نے کہا اس سے ذرا مجھے تو دکھائیے آپ نے دیدی۔ عمر نے اس پر تھوکا اور اس سے مٹا دیا جب آگے برہین تو علی ملے تو اونھوں نے فاطمہ سے پوچھا کہ آپ اس وقت اتنی خفا کیوں ہیں تب اونھوں نے بیان کیا کہ عمر نے اونکے ساتھ کیا کیا اور پھر حضرت علی رضی فرمایا ماکہ کو امینی ومن ابیہ اعظم من ہذا اقرضت کہ ان لوگوں نے اس سے بڑھ کر میرے اور تمہارے باپ کے حق میں اور دوسری بات نہیں کی۔ اور پھر آپ بیمار ہو گئیں۔ اس میں ایک تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ سند لکھنے کے وقت تو علی اور امین موجود تھے پھر وہ فاطمہ کے ساتھ گھر تک کیوں نہیں آئے کیا وہ وہاں رہ گئے یا اور کہیں چلے گئے اور فاطمہ کو تنہا رہنا نہ کر دیا۔ دوسری اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عمر نے فاطمہ کو ظالمیہ مارے اور لائین لگائیں اور محسن سقظ ہو گئے کیونکہ علی نے صرف اون کو غصہ میں پایا اور ماکہ کو امینی ومن ابیہ اعظم من ہذا لکھ کر چپ ہو گئے۔ اس سے تکذیب اس ظلم و ستم کی ہوتی ہے جو فاطمہ کی نسبت عمر کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔

چھٹی روایت جو احتجاج طبری سے ہمنے نقل کی وہ سب سے زیادہ اہم اور قابل غور ہے اور اس سے مہذبہ فدک کے دعویٰ کی تکذیب ایسی ثابت ہوتی ہے کہ بغیر اسکے کہ خود اس روایت کو جو ہوا کہا جائے اور یہ خطبہ وضعی قرار دیا جائے۔ و نیز جواب کوئی بن نہیں پڑتا۔ اور اسی واسطے علمائے امامیہ کو اس میں بہت دقت پیش آئی ہے اور نہایت حیران و ششدر ہو کر اس کے متعلق ایسی باتیں بنائی ہیں کہ جنکو کوئی شخص مان نہیں سکتا۔ اس روایت کی تکذیب تو علمائے امامیہ کر نہیں سکتے اسلئے کہ اول تو وہ نہایت صحیح روایت نہیں

سے ہے۔ دوسرے اس روایت کی بنیاد پر بہت بڑی عمارت صحابہ کے ظلم و ستم کی کھڑی کی ہے وہ اس روایت کے غیر معتبر کھنڈے سے سب ڈھل جاتی ہے۔

خطبہ کی صحت اور عظمت جو شیعوں کے نزدیک ہے وہ اس سے ثابت ہوتی ہے کہ علماء امامیہ نے اس کی صحت کی نسبت بہت بڑے دعوئی کیے ہیں اور نہ صرف اپنی روایتوں سے اسے بیان کیا ہے بلکہ سینوں کی کتابوں سے بھی اس کے ثابت ہونے کی بہت کوشش کی ہے۔ ملا باقر مجلسی اس کی نسبت فرماتے ہیں اعلم ان هذه الخطبة من الخطب المشهورة التي روتها الخاصة والعامة باسناد متظافرة كما سمعته لوزير خطبة مشهورين خطبون من سبہ جسکو شیعہ اور سنی دونوں نے معتبر اسناد سے بیان کیا ہے۔ اور کتاب لمعة البیضا فی شرح خطبة الزہراء میں جو خاص اسی خطبہ کی شرح کے لیے لکھی گئی ہے اور ایران میں چھپی ہے اس کے صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے والا احتجاج المشہور کا نور علی الطول المسطور فی کتاب مسطور فی رق منشور المعروف بخطبة تظلم الزهراء التي مقصودتا من هذا الكتاب شرحها وكل ما ذكر الى هنا كان مقدما بالنسبة اليها ونحن نشرع الان في ايراد تلك الخطبة الشريفة المشتملة على الايات البينات والبراهين السلطعات والحجج الواضحات والدلائل القاطعات... الى قوله بالجملة الاشكال الاشبهة في كون الخطبة من فاطمة الزهراء وان مشائخ آل بطالب كانوا يرونهم عزبا انهم يعلمونها انبا انهم ومشائخ الشيعة كانوا يتداولونها بينهم ويتداولونها بايديهم والسننهم اور پھر اس کی فصاحت کی نسبت لکھتے ہیں تلك الخطبة الغراء السلطعة عن سيدة النساء التي تحيرون العجب عنوا والاعجاب بها احلام الفصحاء والبلغاء فلا صداس كاذب ہے کہ نجمادان حجتون کے جو حضرت فاطمہ نے ابو بکر سے کہیں لیا کہ وہ مشہور حجت ہے کہ گویا وہ طور کی روشنی ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہے یعنی وہ خطبہ جو تظلم زہرا کے نام سے مشہور ہے اور جسکی

شرح ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ خطبہ شتمل سے کھلی نشانیوں اور روشن دلیلوں اور واضح حجتوں اور قطعی برہانوں پر۔ اور جسکی صحت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے اور بزرگان آل ابی طالب ہمیشہ اسے اپنے آبا و اجداد سے روایت کرتے اور اپنی اولاد کو سکھاتے چلے آئے ہیں اور مشائخ شیعہ کے درس میں وہ رہا ہے اور وہ ہمیشہ اسے اپنے ہاتھوں اور زبانوں میں رکھتے چلے آئے ہیں۔

جبکہ یہ خطبہ شیعوں کے نزدیک ایسا صحیح ہے اور کالنور علی الطور سمجھا جاتا ہے تو جو کچھ اس سے ثابت ہو کہ فاطمہ نے اسمین پر بیان کیا اور ظنان چیز کا دعویٰ فرمایا اوسی کو موافق شیعوں کے عقیدے کے صحیح سمجھنا اور جس کا اسمین ذکر نہوا و سکو غلط جانا چاہیے۔ ایسے ہم اس کتاب کے ناظرین سے خصوصاً علماء امامیہ سے امید کرتے ہیں کہ اسپر غور فرمائیں کہ سائے خطبہ میں اسمین اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ نے فرمایا ہو کہ تم نے ذک مجھے چھین لیا۔ یا میرے باپ نے مجھے وہ ہبہ کیا تھا۔ یا وہ میرے قبضہ میں تھا نہ صراحتہ نہ اشارتہ ہبہ کا نام اسمین آیا ہے جو کچھ اسمین بیان کیا گیا ہے وہ صرف متعلق میراث کے ہے اور جو کچھ ظلم و ستم کا استغاثہ کیا ہے وہ سنیت پر ہے کہ ترکہ نبوی نہیں دیا گیا۔ اور جو حجتیں اور دلیلیں اسمین حضرت سیدۃ النساء نے بیان کی ہیں مثل وراثت سلیکیمان داؤد وغیرہ کے وہ سب متعلق میراث کے ہیں۔ اگر ذک و حقیقت پیغمبر خدا صلعم نے آپ کو ہبہ کیا ہوتا اور وہ آپ کے قبضہ میں ہوتا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا قبضہ اٹھا کر اوپر اپنا قبضہ کر لیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ اسمین اسکا کچھ بھی ذکر نہ کیا جاتا اور ایسی برہمی بات جو صراحتہ شریع اور عقل اور قانون اور عام برتاؤ کے خلاف تھی یعنی کسی چیز کو کسی کے قبضہ سے لے لینا خلیفہ وقت سے واقع ہوتی اسکا اظہار مہاجرین و انصار اور اصحاب نبوی کے ساتھ کیا جاتا۔

یہ خطبہ جو حضرت فاطمہ نے بیان فرمایا طول میں دو جزو سے کم نہیں ہے اور فصاحت اور بلاغت میں ہم پلہ قرآن سمجھا گیا ہے اور صحابہ کے ظلم و ستم کا گویا وہ پورا نقشہ ہے اور

اوس وقت یہ فرمایا گیا ہے جبکہ تمام مہاجرین و انصار اور صحابہ نبوی ابو بکر کے پاس موجود تھے۔ اور ایسے درد انگیز لفظوں میں بیان کیا گیا کہ سننے والے رونے اور چیخنے لگے تھے تو کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے موقع اور محل پر حضرت فاطمہؑ اسی چیز کو بیان فرمائیں جو سب سے زیادہ ضروری اور سب سے بڑھکر ان کی مطلوبیت اور خلیفہ وقت کے ظلم کو ثابت کرے تو ایسی تھی۔

چونکہ یہ ایک بہت بڑی بات تھی کہ ایسے موقع پر اس خطبہ میں سبہ کا ذکر کیا گیا اسلئے عطا سے امامیہ کی توجہ اس طرت مائل ہوئی اور انہوں نے بھی اس امر کو ضروری سمجھا کہ اس کے جواب کی فکر کی اور لفظوں سے الغریق بے تشبہت بکل حشیش جو کچھ اس کے جواب میں کہا وہ سراسر لغو اور بالکل بیہودہ ہے جسے کوئی بھی نہیں مان سکتا۔ بلا باقر مجلسی بحار الانوار میں اسی خطبہ کی شرح میں ایک مقام پر فرماتے ہیں اعلم ان قد ورجت الروایات المتظافرة کما استعرف فی انحاء اعدت قد کانت نحلة لها من رسول الله فعل عمل عدم تعرضها فی هذه الخطبة لتسلك الدعوی لیا سها عن قبولهم اياها اذ کانت الخطبة بعد ما رد ابو بکر شهادة امیر المؤمنین ومن شهد معه وقد کانت المنافقون الحاضرون معتقدین بصدقه فتمسک بمجدی المیراث الکوثر من ضروریات الدین یعنی روایات مستندہ جیسا کہ مکرعقریب معلوم ہوگا اس باب میں وارد ہوئی ہیں کہ حضرت فاطمہ نے فذک کے سبب ہونے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعویٰ کیا تھا۔ پس آپ کا اس خطبہ میں دعویٰ سبب فذک سے تقرض کرنا شاید اس خیال سے ہوگا کہ آپ اوس دعویٰ کے قبول ہونے سے مایوس ہو گئی ہو تھی۔ اسلئے کہ یہ خطبہ بعد رد کرنے ابو بکر کی شہادت امیر المؤمنین کو مع اور شاہدوں کے ہوا تھا۔ اور جو منافق اور سوقت موجود تھے وہ ابو بکر کے صدق کے معتقد تھے اسلئے حضرت فاطمہ نے صریح شہادت سے تمسک کیا کیونکہ یہ ضروریات دین سے ہے۔

یہ جواب جیسا کہ اس کے لفظوں سے ظاہر ہے ایسا ہے کہ خود جواب لکھنے والے اور

اون کے ہم مذہب دل سے اسے قبول نہ کرتے ہوں گے اور جو روایتیں ہم اوپر نقل کر چکے اکثر اونہیں سے اس جواب کی غلطی ظاہر کرتے ہیں۔ اس جواب میں جو یہ لکھا ہے کہ خطبہ حضرت سیدہ نے اس وقت بیان کیا جبکہ امیر المؤمنین اور دیگر گروہوں کی شہادت ابو بکر نے رد کر دی تھی یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس خطبہ کی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بعد از شہادت کے یہ خطبہ بیان کیا گیا ہو۔ بلکہ جو روایت احتجاج طبرسی سے ہے بیان کی اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں رضی عبد اللہ الحسن یا سئلہ عن ابائنا انہ لما جمع ابو بکر علی منع فاطمہ فذک وبلغنا ذلک کانت خما کھا الخ کہ جب ابو بکر نے ارادہ کر لیا کہ فدک سے فاطمہ کو محروم کریں اور یہ خبر حضرت فاطمہ کو پہنچی تو انہوں نے اور مہنی اور مہنی اور چادریٹی اور اپنے نوکروں اور قوم کی عورتوں کو ساتھ لیکر ابو بکر کے پاس آئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا ابو بکر کے پاس یہ تشریف لانا اول ہی مرتبہ تھا اور اس کا باعث صرف اس خبر کا پہنچنا تھا جو ان کو ابو بکر رض کے ارادہ کی پہنچی کہ وہ فدک نہیں دینا چاہتے۔ یا اوپر تصرف کرنے سے مانع آتے ہیں۔ اور چونکہ اس روایت میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ خبر کیونکر پہنچی اس لیے ظاہر ہے کہ جواب میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ بعد از شہادت کے حضرت فاطمہ تشریف لیکن صرف قیاسی ہے۔ مگر یہ قیاس صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ الفاظ بلغنا ذلک یعنی جب یہ خبر فاطمہ کو پہنچی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر حضرت فاطمہ کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ شہادت علی اور امین وغیرہ کی بغیر انکی اطلاع کے بلکہ بغیر انکی طلب کے نہیں ہوئی۔ جیسا کہ دوسری روایت میں جو بتنے احتجاج طبرسی سے نقل کی ہے بیان کیا گیا ہے کہ بعد بغیر کی وفاکت فاطمہ فدک مانگنے کے لیے ابو بکر کے پاس آئیں انہوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم سولے سچ کے کچھ کو کوگی لیکن گواہ لاؤ۔ اوپر وہ علی کو لیکن اور بھرام امین کو۔ اور جو تھی روایت سے جو ہم نے کتاب الاختصاص سے بحوالہ البخاری الاوار نقل کی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول حضرت فاطمہ نے

ابوبکرؓ کے پاس آئین اور میراث کا مطالبہ کیا اور جب ابوبکرؓ نے یہ جواب دیا کہ پیغمبرؐ و ن کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو آپ علیؓ کے پاس واپس تشریف لائیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ پھر لوٹ کر جاؤ اور کہو سلیمانؑ و او د کے کیوں وارث ہو ساد اور اسی کتاب لاختصاص کی روایت میں یہ بھی بیان ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ کو خبر ہوئی کہ اوس کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تب وہ ابوبکرؓ کے پاس آئیں اور اون سے کہا کہ تم نے میرے وکیل کو نکال دیا حالانکہ او سپر میرے گواہ موجود ہیں۔ پس یہ سب روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کا جائز ایک مرتبہ بلکہ دو مرتبہ اس کے پہلے ہوا ہو گا اور اس میں تو کچھ شبہ ہی نہیں کہ شہادت خود اونھوں نے پیش کی اور اوس کے سامنے ابوبکرؓ نے اوسے رو کیا اور اسپر وہ خفا ہوئیں۔ تو یہی وقت تھا کہ جو کچھ حضرت فاطمہؓ کو فرمایا تھا فرماتیں اور جو کچھ ملاست کرنی تھی وہ شیخین اور صحاب پر کرتیں۔ اوس واقعہ کی نسبت جو اوس کے سامنے ہوا ہو کر ان کہہ سکتا ہے کہ اوسکی خیر فاطمہؓ کو پہنچی اور وہ ابوبکرؓ کے پاس گئیں اور یہ خطبہ بیان فرمایا۔ یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ شہادت بغیر اوسکی اطلاع کے یا اوسنے پیچھے ہوتی اور اولیٰ غلبت میں ابوبکرؓ نے اوسے رو کیا ہوتا۔ اور پھر اوسکی خیر کسی نے حضرت فاطمہؓ کو دی ہوتی اور اوسے سنا کر اونھیں جوش آیا ہوتا اور وہ ابوبکرؓ کے پاس تشریف لیگئی ہوئیں اور یہ خطبہ بیان کیا ہوتا۔

واذلیس فلیس۔

علاوہ اسکے تیسری روایت جو مصباح الانوار سے ہمنے بیان کی اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ ابوبکرؓ کے پاس گئیں اور اون سے فدک کا مطالبہ کیا اور بعد بت ہی حجتوں کے ابوبکرؓ نے قائل ہو کر فدک کی سند لکھ دی اور حضرت علیؓ اور ام ایمن کی او سپر گواہی بھی ہوئی۔ مگر جب حضرت فاطمہؓ باہر تشریف لائیں تو عمرؓ نے لیکر اوسے چاک کر دیا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہان تک معاملہ کا تعلق حضرت ابوبکرؓ سے تھا وہ حسب مرضی جناب سیدہؓ کے طے ہو گیا تھا اور اونھوں نے سند بھی لکھ کر آپ کے حوالہ کر دی تھی جو کچھ ظلم ہوا وہ عمرؓ کی طرف سے ہوا۔ ایسی حالت میں قیاس تقضی اس کا ہے کہ اگر حضرت فاطمہؓ کو شکایت ہوتی تو وہ ابوبکرؓ کے پاس نہیں

تشریف لاتین اور فرماتین کہ تنے سیری جعتین سکر سیر و عوسی کو تسلیم کیا اور مجھے سنبھی لکھدی مگر
 تمھارے رفیق نے اسے چاک کر دیا۔ غرض کہ جو کچھ شکایت کرتین وہ عمر کی کرتین اور اگر ابو بکر نہ سنتے
 تو صحابہ سے شکایت کرتین اور اون سے فرماتین کہ دیکھو جنکو تنے خلیفہ کیا ہے اور جو مسلمانوں
 کے سردار بنے ہیں انکی یہ حالت ہے کہ ابھی مجھے سند فک کی لکھدی اور اون کے رفیق نے
 اسے پھاڑ ڈالا اور اب یہ اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کے کیے کو تسلیم کر لیا یہ کیسا ظلم ہے اور یہ
 کیسے خلیفہ ہیں۔ اگر ایسا فرماتین تو ضرور اصحاب نبی کو جوش آتا اور ابو بکر پر اعتراض کرتے اور
 عمر مذکورہ بھلا کتے۔ اور اگر سب ایسا کرتے تو کم سے کم وہ لوگ جو رقاصے علی مین سے تھے
 اور ظاہر ایسا باطن اہل بیت کے طرف دار اور کوموقع ملتا اور فاطمہ کی تائید مین بہت کچھ کتے اور
 ابو بکر عمر رضی اللہ عنہما پر ملامت کرتے۔ یہ باتین جو قرین قیاس ہیں وہ تو چھوڑ دو سی گئین اور ہوا تو یہ ہوا
 کہ حضرت فاطمہ پھر ابو بکر کے پاس گئین اور ان سے حجت کی تو صرف میراث کی اور دلیل پیش
 کی تو صرف ترکہ کے متعلق۔ ان واقعات مین سے کسی واقعہ کا ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ حضرت فاطمہ کا جانا ابو بکر کے پاس بعد تر و بد شہادت یا بعد تھریر سندی بعد کسی قسم کی اطلاع
 کے جواز کو اول سے ملی ہونہ تھا۔ بلکہ پہلی ہی خبر جب انکو ملی تو وہ غصہ مین آئین اور نہایت غمناک
 و غضب کی حالت مین مع خدام اور زنان نبی ہاشم کے تشریف لیگئین اور صرف میراث
 کے مذینے پر فرمایا جو کچھ کہ فرمایا۔

علاوہ اسکے پانچویں روایت جو مفضل ابن عمر نے امام جعفر صادق سے بیان کی ہے
 اور جسے ہم بجا الانوار سے نقل کر چکے ہیں ملا باقر مجلسی کے جواب کو بالکل باطل کرتی ہے
 ایسے اوس مین فاطمہ کا ابو بکر کے پاس جانا اپنی مرضی سے بیان نہیں کیا گیا بلکہ حضرت علیؑ کے
 فرمانے سے کیونکہ اوس روایت مین لکھا ہے کہ جب ابو بکر نے یہ منادی کرانی کہ جس کسی کا رسول اللہ
 پر قرض ہو یا کوئی وعدہ تو وہ میرے پاس آئے کہ مین اوسکو ادا کر دوں گا اور جابر اور جریر رضی اللہ عنہما
 وعدہ پورا بھی کیا تو علیؑ نے فاطمہؑ سے کہا کہ ابو بکر کے پاس جا کر فک کا ذکر کرو فاطمہؑ نے اوسے

فدک اور خمس اور فتنے کا ذکر کیا ابو بکر نے کہا کہ گواہ لاؤ۔ اسپر اول تو فاطمہ نے بہت کچھ دلیلیں پیش
 کیں اور قرآن کی آیتیں اپنے دعویٰ کی تصدیق میں بیان فرمائیں مگر جب عمر نے کہا کہ یہ فضول باتیں
 چھوڑو اور گواہ لاؤ۔ اسپر آپ نے علی اور حسنین اور امین اور اسما کو بلوایا اور ان سب نے
 آپ کے دعویٰ کی پوری پوری گواہی دی جب وہ شہادتیں رد کی گئیں تو اس وقت علی نے فرمایا
 کہ فاطمہ ایک جزو رسول کی ہیں جو انکو ایذا دیکھا وہ رسول اللہ صلعم کو ایذا دیتا ہے اور جو انکی
 مکذیب کرتا ہے وہ رسول اللہ صلعم کی مکذیب کرتا ہے۔ اسپر عمر نے کہا کہ جو تم اپنی تعریف کرتے
 ہو تم ویسے ہی ہو لیکن اون لوگوں کی شہادت جس میں اونکا فائدہ ہو مقبول نہیں تو علی نے کہا
 کہ جب ہم ایسے میں جیسا تم جانتے ہو اور انکار نہیں کرتے اور پھر ہماری شہادت ہمارے لیے
 مقبول نہیں تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ اور پھر اسی پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ جناب میر نے
 اونکو برا بھلا بھی کہا اور یہ فرمایا کہ تم لوگوں نے خدا اور اس کے رسول کی سلطنت پر جسٹ کی اور اسے
 اس کے گھر سے غیر کے گھر کی طرف بنے گواہ و حجت کے نکال دیا۔ قریب ہے کہ ظالموں کو اپنے ظلم کا
 بدلہ معلوم ہو جاے اور یہ آیت پڑھی وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مَقْلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ
 پھر فاطمہ سے کہا کہ چلو خدا ہی ہمارا فیصلہ کرے چاہے وہو خیر اِنْحَا كَيْدِيْنَ اس روایت سے معلوم ہوتا
 ہے کہ جو کچھ واقعہ گذرا وہ جناب امیر اور حضرت سیدہ کے سامنے گذرا اور دونوں سے جتین ہوئیں
 اور دونوں نے قرآنی دلائل پیش کیے اور دونوں نے جو کچھ کہنا تھا کہا اور جبکہ اونکا دعویٰ نہ سنا گیا اور انکی
 دلیلیں رد کر دی گئیں اور انکی شہادتیں جھٹلائی گئیں تو خود جناب امیر نے جناب سیدہ سے کہا
 کہ چلو خدا ہی ہمارا فیصلہ کرے گا۔ وہ خیر رہا کہیں۔ تو اسکے بعد کونسا موقع باقی رہا تھا کہ حضرت فاطمہ
 دوبارہ یا سہ بارہ تشریف لائیں اور میرا شک کے دعویٰ پر دلائل پیش کرتیں اور صحابہ کو برا بھلا
 کہتیں۔ اور کیونکر یہ بات سچ ہو سکتی ہے کہ جب اونکو خبر ہوئی کہ ابو بکر نے فدک سے اون کو محروم
 کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تب وہ تشریف لائیں اور خطبہ میں بیان کیا جو کچھ بیان کرنا تھا وہ روایت
 مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جناب سیدہ کے مواجد میں حضرت علی کرچکے تھے اور ابو بکر و عمر کو

میٹی پر ظلم کیا اور اس کا حق چھین لیا تو ان پر اپنا سخت عذاب نازل کر۔ اور پھر حاجی گئین سا خطبہ تو مانے کے لیے اسے بعد تشریف لانا بیان کیا جاے تو وہ ہونہیں سکتا اسلئے کہ اسی روایت میں یہ لکھا ہے کہ اسکے بعد حضرت علیؑ چالیس روز تک مہاجرین و انصار کے گھر گھر فاطمہؑ کو ایسے پھرے اور معاذ بن جبلؓ سے گفتگو بھی ہوئی اور جب کسی نے مدد کی تب علیؑ نے فاطمہؑ سے کہا کہ تم ابو بکر کے پاس جاؤ جیکہ وہ تمہا ہوں۔ اور یہ گویا تیسرا موقع تھا جبکہ فاطمہؑ ابو بکر کے پاس گئیں۔ اسمین اس فصیح و بلیغ خطبہ کے بیان کر نیکا کوئی محل ہی نہ تھا اسلئے کہ اس موقع پر ابو بکر نے حضرت فاطمہؑ کی مرضی کے موافق سند لکھ دی تھی۔ اور اسکے بعد چوتھا موقع جانے کا اور اس فصیح خطبہ کے پڑھنے کا باقی ہی نہ رہا تھا۔ اسلئے کہ جناب سیدہ رضہؑ اس ضرب شدید کی وجہ سے کہ عمر نے ناری اور جس سے حمل ساقط ہو گیا ایسی بیمار ہو گئیں کہ اوسی میں انتقال فرمایا۔

غرض کہ جو شخص ذرا بھی غور سے ان روایتوں کو دیکھے اور ایک کو دوسری سے ملائے اور اس بات کے تصفیہ کرنے میں کچھ شبہ نہیں رہ سکتا کہ ہبہ کا دعویٰ چونکہ اسی خطبہ میں بیان نہیں کیا گیا اسلئے وہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ اسلئے کہ حضرات امامیہ اس خطبہ کے جھوٹا ہونیکا اقرار کریں گے اور جب اس خطبہ کو جھوٹا ماننا میں تو ہبہ کے دعویٰ کے غلط ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

ملا باقر مجلسی اس اشکال کے جواب میں کہ ہبہ کا ذکر اس خطبہ میں کیوں نہیں ہوا یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو منافق حاضر تھے وہ ابو بکر کے صدق کے معتقد تھے اسلئے فاطمہؑ نے حدیث میراث سے تسک کیا کیونکہ یہ ضروریات دین سے تھا۔ یہ جواب بھی حیرت انگیز ہے اسلئے کہ اگر حدیث میراث سے تسک کرنا صرف اسلئے تھا کہ وہ ضروریات دین سے تھا اور سامعین پر اسکا اثر ہوتا تو ہبہ کا دعویٰ اوس سے زیادہ اہم اور القبض دلیل الملک کی دلیل حدیث میراث سے کچھ کم ضروریات دین سے نہ تھی۔ بلکہ میراث کے دعویٰ پر تو ابو بکر کو موقع بھی ملا کہ پیغمبر صلعم کے قول کی سند پر میراث کے عام حکم سے ترکہ نبوی کو مستثنیٰ کر دیا اور جو منافق حاضر تھے اور ابو بکر کے صدق کے معتقد اور خون نے اس روایت میں اونہیں سچا جانکر اونکی کارروائی کو جائز قرار دیا لیکن اگر حضرت فاطمہؑ

ہبہ کا دعویٰ فرمائیں اور قبضہ دلیل الملک کے موافق اپنے قبضہ سے فدک کی ملکیت پر دلیل پیش کرتیں تو اسکا کوئی جواب ابو بکر کے پاس نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا اور سامعین اونکے ظلم و ستم کے قائل ہو جاتے۔ اور حضرت سیدہ کے دعویٰ کی تصدیق کرتے۔ اور سب چلا اوتھتے اور بکارنے لگتے کہ قبضہ دلیل الملک ضروریات دین سے ہے۔ اور فاطمہ کا قبضہ اوٹھ دینا اور اونکے وکیل کو نکال دینا صحیح ظلم ہے۔ اور اگر وہ اپنے نفاق اور ابو بکر کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے بظاہر ایسا کرتے تو ابو بکر کے ظلم و ستم کی حجت تو پوری ہو جاتی۔

وہ واقعہ جو بعد اس خطبہ کے ارشاد اور گھر میں واپس جانے کے واقع ہوا وہ ایسا عجیب اور حیرت انگیز ہے جسکا اثر نہ صرف فدک کے دعویٰ پر پڑتا ہے بلکہ اصل اصول شیعوں کے ہبہ کا درہم و برہم ہو جاتا ہے۔ یعنی جناب امیر اور حضرت فاطمہ کی عصمت کے دعویٰ پر بہت کچھ موثر ہوتا ہے۔ اور اسی سبب سے حضرات شیعہ اوسین ایسے حیران ہیں کہ نہ کچھ اس کا جواب بن سکتا ہے نہ کوئی بات اپنے اصول کے قائم رکھنے کے لیے اونکے خیال میں آتی ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ یہ خطبہ ارشاد فرما کر ایوس ہوئیں تو اون پر ایسا رنج و غم طاری ہوا کہ وہ سیدہ ہی اپنے باپ کی قبر پر نشتر لگائیں اور وہاں جا کر بہت کچھ بنیں کیا اور در ذرا گھنیز اشعار پڑھے اور بہت روئیں۔ اور پھر وہاں سے گھر کو لوئیں حضرت امیر المومنین علی اون کے انتظار میں بیٹھے تھے آتے ہی آپ نے جناب امیر سے یہ خطاب کیا کہ جس طرح بچہ مان کے پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے اسی طرح تم پردہ نشین ہو گئے ہو اور مثل ڈرے ٹکے تممت زدوں کے گھر میں تھپ ہے ہو۔ اور بعد اسکے کہ زمانہ کے شجاعوں کو ہلاک کیا اور اون کے کثرت کی پروا نہ کی اور اون کی شوکت کو خاک میں ملایا اب ان نامردوں اور ذلیلوں سے مغلوب ہو گئے ہو۔ ابو قحافہ کا بیٹا ظلم و جبر سے میرے باپ کی بخشی ہوئی چیز اور میرے بیٹوں کی معاش مجھے چھیننے لیتا ہے۔ اور باؤا ز بلند مجھے جھگڑا کرتا ہے۔ انصار میری مدد نہیں کرتے اور مہاجرین نے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا ہے۔ اور تمام آدمیوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں نہ اونکا کوئی دفع کرے نہ والا ہے نہ میرا مددگار

خستناک میں باہر گئی اور غمناک واپس آئی۔ سنے اپنے آپ کو ذلیل کیا۔ بھڑے پھاتے میں اور تم اپنی جگہ سے ہٹے نہیں۔ کاش اس نلت و خواری سے پہلے میں مر گئی ہوتی۔ افسوس میرے حال پر جسیر مجھے بھروسہ تھا وہ دنیا سے چل بسا اور میرا دگار سست ہو گیا اسکا شکوہ اپنے باپ سے کرتی ہوں اور میری فریاد خدا سے ہے فقط۔

اس بیان سے آپ کے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر المومنین نے کچھ بھی آپ کی مدد نہیں فرمائی اور اس تمام مصیبت کے وقت میں آپ گھر میں پھینے بیٹھے تھے جو کچھ کیا وہ حضرت سیدہ نے خود ہی کیا وہی دعویٰ کرنے کے لیے تشریف لیکئیں اور انھیں نے سوال و جواب کیے اور انھیں نے جو کچھ سنا نا تھا سنا یا اور جو کچھ کہنا تھا کہا۔ اور جیسا کہ فرماتی ہیں خستناک باہر گئی اور غمگین واپس آئی۔ اور جناب امیر نے اپنے آپ کو مثل جنین پر وہ نشین کر لیا اور اپنے آپ کو ذلیل بنا لیا۔ بھیر یون نے پھارا اور شیر خدا اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور حضرت علیؑ کے اس طرح پر علیحدہ رہنے سے جناب سیدہ کو وہ صدمہ پہونچا کہ جس پر فرمائے لگئیں کہ کاش اس ذلت و خواری سے پہلے میں مر گئی ہوتی اور اس حالت پر اپنے باپ کو یاد کرنے لگیں اور اپنا رنج اس طور پر ظاہر کیا کہ جسیر مجھے بھروسہ تھا وہ دنیا سے چل بسا اور جناب امیر کی مدد کرنے اور اس کا روانہ میں کچھ حصہ نہ لینے پر یہ صدمہ ہوا کہ آخر اون سے نہ رہا گیا اور حضرت علیؑ کی نسبت یہ کلمہ زبان سے نکل ہی گیا کہ میرا دگار سست ہو گیا میں اسکا شکوہ اپنے باپ سے کرتی ہوں۔

جناب سیدہ کی اس درد انگیز تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ روایتیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب امیر فدک کے معاملہ میں ابو بکرؓ کے پاس گئے اور اون سے مباحثہ کیا اور فاطمہؑ کے وکیل کے کمال میں نے برا ابو بکر صدیقؓ کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور نہایت قومی دلیلون سے اونکا ظلم و ستم ثابت کیا وہ سب جھوٹی ہیں۔ خصوصاً وہ روایتیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے مواجہہ میں جناب امیر نے شخصین سے مباحثہ کیا اور طاعت کی۔ اور جب اونھوں نے کچھ نہ سنا تو یہ لکھ کر خدا تمھیں اسکا بدلہ دیگا اور آری سبب علم الذین ظلموا آئی منقلب ینقلبون ساگر

ریج اور غصہ میں اونٹھ کر چلنے کے جھوٹی اور بے بنیاد ہیں۔ ایسے کہ اگر حضرت علی نے ایسا کیا ہوتا اور ابو بکر
 و عمر سے جھٹلین کی ہوتی تو کیوں حضرت فاطمہؓ ابو بکرؓ کی مجلس سے واپس آکر حضرت علیؓ پر اپنا ریح و غصہ ظاہر
 کرتی اور باوجود صمت و مہار کے وہ کلمات ارشاد فرماتیں جبکہ معمولی آدمیوں کی زبان سے کلنا بھی
 ستاوت اور ادب اور صبر کے خلاف ہے۔ کیا حضرت علیؓ کی اون کو مشفق بنانا اور انھوں نے مذک کے
 معاملہ میں کہیں اور اون مرل تقریرون کا اور اون لاجواب مباحثوں کا جواب انھوں نے ابو بکرؓ سے کیے
 اگر سچ مابین جانیں یہی نتیجہ ہوتا کہ حضرت سیدہ گھمبیرین اگر ایسے وقت میں جبکہ کوئی سولے علیؓ کے
 سننے والا نہ ہوتا تو یہ فرمایا کہ "مانند جنین در رحم پرده نشین شدہ و مثل خالبان در خانه گریختہ او بعد
 ازان کہ شجاعان و ہر ابر بر خاک ہلاک اقلندی مغلوب این نامردان گردیدہ اینک سپہ ابوقافہ بظلم جو سبر
 بخشیدہ کا پر راہو حیث فرزند نام را از من می گرد و انصار مرا یاری نمی کنند و ما جران خود را بہ پناہ کشیدہ اند
 نہ دفعی دارم و نہ یادوری و نہ شافعی بخشنناک بیرون زقم و غمناک برگشتہ خود را ذلیل کردی اگر کان میدہ
 می برزد و تو از جای خود حرکت نمیکنی کاش پیش ازین مذلت و خواری مرده بودم"

اگرچہ در صورت اسکے کہ جناب امیر فدک کے معاملہ میں سوال و جواب کرنے کے لیے تشریف لیگئے
 ہوتے یہ خطاب اور ارشاد حضرت سیدہ کا تعجب انگیز ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپسے غصہ
 اور ریح میں حضرت علیؓ سے وہ فرمایا صحیح نہیں تھا یا جناب امیر کی کوششیں آپ کے نزدیک کافی تھیں
 مگر جناب امیر کا جواب اس سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے۔ ایسے کہ در صورت صحیح ہونے اور روایتوں کے
 جنہیں حضرت علیؓ کے جائیگا ذکر ہے آپ کو سطح سے جناب سیدہ کو تسلی دینی تھی کہ تم اس وقت غصہ
 اور ریح میں واقعات کا خیال نہیں کرتیں اور میری کوششوں کی کافی قدر نہیں کرتیں میں نے کو سنا
 و تبقہ اوٹھا رکھا ہے اور کونسی کوشش جو مجھے کرنی تھی وہ باقی ہے تمہارے وکیل کے کمال دینے
 کی خبر سنتے ہی میں ابو بکرؓ و عمرؓ کے پاس گیا اور بین المہاجرین و الانصار اور ان سے لڑا اور تمام جھٹلین اونٹھ
 سامنے پیش کیں اور ہر طرح سے اونھیں قائل کیا۔ اور پھر کیا یہ بات تم بھول گئیں کہ آپ کے سامنے
 شہادت دینے کے بعد میں نے اون سے کیسی مرل گفتگو کی اور جب انھوں نے نہ سنا تو میں نے

اسکی حضرت موسیٰ کا نفل ہے کہ جب وہ اپنے قوم کی طرف غصہ میں لوٹے اور تختیان پھیکا میں اور اپنے
 بھائی کی ڈاڑھی کی بڑکے اپنی طرف کھینچی اس سے کچھ غرض اونکی ہارون پر عتاب ظاہر کرنا نہیں تھا
 بلکہ لوگوں کو بتانا کہ وہ سمجھ جائیں کہ اونکی خطا کیسی عظیم ہے۔ اور اونکا جرم کیسا شدید ہے۔ آپ کا
 غصہ اور بیخ کی شدت میں جناب امیر سے اس قسم کی باتیں کرنا باوجودیکہ آپ جناب امیر کی کارروائی کی حقیقت
 سے خوب واقف تھیں کچھ آپکی عصمت اور عظمت کے خلاف نہیں ہے جسکے ادراک سے بندوں کے ذہن عاجز ہیں۔

اسی جواب کو حق لبتین میں ان لفظوں سے بیان کیا ہے مؤلف گوید کہ درین مقام تحقیق بعضی از
 امور ضرورت۔ اول دفع شبہ چند کہ ممکن است در خاطر باخطور کند۔ اگر کسی گوید کہ عمر ارض فاطمہ بر حضرت امیر باوجود
 عصمت ہر دو چو صورت اور جواب گوئیم کہ این معاوضہ معمول بر مصلحت است از برای آنکہ مردم بدانند کہ حضرت امیر
 ترک خلاف برضامی خود کردہ و بجنب نیک از حق نبوہ و در آن بسیاری از معاملات با حضرت سول شدہ غرض
 تمدید و تاویب دیگران است ازین قبل است انچاز حضرت موسیٰ صا شدہ و وقتیکہ سبوی قوم برگشت ایشان
 عبادت گو سال کردہ بود نماز اذنا حقن الواح و سروریش ہارون اگر گفتند پیش کشیدند با آنکہ می دہست کہ
 ہارون تقصیر ندارد تا آنکہ بر قوم ظاہر شود شاعت عمل ایشان۔ و مانند عتانی کہ حق تعالیٰ یہ حضرت عیسیٰ خواہر کرد
 کہ آیا تو گفتی بچہ مردم ادا مراد و خدا برانید با آنکہ میداند کہ او مگفتہ است و مثل این بسیار است۔

اور صاحب لمتہ لبتین بھی قریب قریب ایسی تاویل کرتے ہیں لکھا بقول و ما فعلت بالنسبۃ
 الی علی ثلاث الحجرات و الحجرات مع علمہا بانہ امام مقرر فی الطاعة و لا یلیق
 بمثلہ ہذا المتخاطبة من مثلہا الا لابداء شناعة ما فعلہ ابو بکر من تلك
 الفعلة القطیعة علی الامة و اثبات کفر العمیرین کما فعل موسیٰ باخیر من الاخذ بالحیثہ
 الضر علی اسحتم یعلل القوم شناعة عبادة العجل صفحہ ۳۹۳۔

اور صاحب ناسخ التواریخ اس سوال و جواب کے متعلق یہ فرماتے ہیں۔ کشفوت باو کہ اسرار
 اہل بیت مستور است از مذکرات امثال ہر دم۔ بلکہ قداؤ و ابوزر و سلمان با منزلت السلمان منا اهل البیت
 بیرون اب کام نزنند و در عبادت اس خاطر تناسی این طلب نہ کنند۔ وقتی نمیدانم کجا دیدہ ام کہ سلمان و فرخست

امیر المؤمنین از غضب خلافت و تقاعد آنحضرت انظار صغیر فرمود۔ علی فرمود یان ای سلمان میخوای از اسرار
 اہل بیت آگاہی بدستی بزیدی است کہ بیرون اہل بیت بیچ آفریدہ را تو انامی حمل این باگران میت ہما نام
 کہ نہ شود۔ و بکہ احدی دیش صحیحہ بعد ہکان و مایکون عالم بود لاجرم از ان پیش کہ رسول خدا در جہان گوید جزا
 ہا نہ از اہل کردہ از من انت امت۔ اور خلافت و ضبط فدک عموالی آگاہی دہشت و حکم عصمت کہ تشریف سو بود
 یزدانی است جو حکم خدا و بنیامی علی رضی سخی نمی فرمود سخن او سخن عمل عمران بود و کلمہ او دودیلعہ خدا در زمین
 و مناعت شناع و انکسوت و ملک رفیع تر بود تا بعوالی و فدک چہ رسد۔ و چہ بسیار وقت حسین را اگر سنی می خما بنید
 و ابغدی یک شبہ ایشان اہل سائل می سائید ملکات دنیا در چشم او با پردہ بانی بر میزان نمی رفت ذک و حوالی حدیث و حاصل
 عموالی است۔ اگر کوئی این خطاب و خطبہ چہ بود و این ہمہ فروع و شکوہ چہ واجب می نمود پس حضرت را بر امیر المؤمنین
 انما جبارت کردن حضرت جستن با جلباب عصمت مینونت است۔ پاسخ این سخن را بدین گونہ سخانی گنیم
 کہ اسرار اہل بیت ستوست بشرحی کہ مسطور افتاد و الا انکم گویم حکم بر کات عقول انما خود آنحضرت ہی خوبست
 کہ ظاہر از خصال متقی را از باطل بازنمایند تا آنکہ خمیر با نفط ایشان از ترسحات زلال لایات بہرہ یافتہ از طریق
 ضلالت و غوایت باز شوند و بر شاہراہ شریعت و ہدایت وزد۔ انتہی صفحہ ۹۱۔

ہم اگرچہ ان جوابات کی نسبت ضرورت کچھ بیان کر چکی نہیں دیکھتے ایسے کہ ہر ایک سمجھ دے اور آدمی خود
 ان جوابات سے اسکی وقعت کا اندازہ کر سکے گا۔ اور اسے یقین ہو جائیگا کہ بجز اسکے کہ یہ معاملات اسرار ہات
 سے سمجھے جائیں انسانی فہم سے خارج ہیں مگر مختصر اچھ کہنا مناسب سمجھتے ہیں۔

بجای الانوار میں جو جواب ملاحظہ فرمائیے کہ اصل تھا حضرت سید نے حضرت امیر المؤمنین سے
 ایسی باتیں فرمائی ہیں۔ اور غرض آپ کی صرف یہ تھی کہ لوگوں کو صحاح کے اعمال کی قباحت اور انکے افعال کی
 نشانت ظاہر ہو جائے۔ غالباً ہر شخص اس جواب کو تعجب اور اسف کی نظر سے دیکھے گا۔ اور سمجھ لیگا کہ جب کچھ
 جواب نہ بنا تو مجبور ہی بفقولہ الفرین یثبث بکل حشیش یہ سمجھا کہ کچھ کچھ تو کہنا ہی چاہیے ملاحظہ
 جودلین آیا و کھد یا اگر آئنا خیال فرمایا کہ یہ باتیں جو حضرت سید نے جناب امیر سے فرمائی ہیں وہ گھر میں کہیں تھیں
 جہاں سولے آپ کے یا گھر کے لوگوں کے کوئی غیر نہ تھا جنکو سنا منظر ہو۔ اور غیروں کے سنانے کے لیے

کوئی موقع بھی باقی نہ تھا۔ اسیلئے کہ جناب امیر نے کوئی دقیقہ غلامت اور الزام کا صحابہ پر اٹھا رکھا تھا۔ اور نہ
 بین المہاجرین الانصار ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے ظلم و ستم کی کوئی بات باقی رکھی تھی۔ اور نہ جناب فاطمہؓ
 نے اپنے فصیح و بلیغ خطبہ میں اونکی نسبت جو کچھ کہنا تھا او میں سے کچھ اٹھا رکھا تھا کافراؤ فریاد و جہنمی
 ہونا تک تو اونکا علی رؤس الاشہاد بیان فرمایا تھا۔ وہ کونسی بات باقی رہ گئی تھی جسے حضرت علیؓ پر لکھنا تین
 ہاں ملا صاحب اگر یہ فرماتے تو ممکن تھا کہ آسمان کے فرشتہ ہمدردی کرنے اور نسل مینے کے لیے آپ کی وراثت سرا
 میں لائے تھے او کو صحابہ کا کفر و نفاق اور اونکے جو رقعہ می سنانی منظور ہوگی۔ اونکے سنانے کے لیے غالباً
 حضرت معصومہ نے حضرت امیر کو مخاطب کر کے یہ خطاب فرمایا ہوگا اور حضرت ہارونؓ اور حضرت موسیٰؓ کی مثال
 جو ملا صاحب نے وہی ہے وہ بھی اپنے دل کے خوش کرنے کے لیے بیان فرمائی۔ ورنہ او سکوا اس سے کیا نسبت
 اول تو یہ بات تسلیم نہیں کی گئی کہ حضرت ہارونؓ پر عقاب لوگوں کے لکھانے کے لیے کیا گیا تھا۔ سو اسکے جو
 کچھ حضرت موسیٰ نے کیا وہ علی رؤس الاشہاد تھا۔ نہ آنگہ گھر میں بیٹھکر اور نہ ہمانی میں جہاں کوئی دیکھنے والا
 سوئے فرشتوں کے نہو۔ علاوہ برین جناب امیر نے اس خطاب کو جو حضرت سیدہ نے کیا اپنے ہی نسبت
 خیال کیا تھا جیسا کہ ملا صاحب سمجھتے ہیں اسی مصلحت پر مبنی خیال فرمایا تھا۔ اسیلئے کہ اسکے جواب میں
 جو آپ نے فرمایا او سکے الفاظ یہ ہیں فقال لها امیر المؤمنین لا یبل لك بل الوہیل لسانك
 ثم ھضنی عن وجدك یا بنت الصفوۃ وبقیة النبوة فما غنیت عن دینی ولا اخطأت
 مقدا ورفان كنت تریدین البلغة فوزقك مضمون وكفیلك مضمون وما اعد لك
 افضل مما قطع عنك فاحتسب الله فقالت حسب الله وما سكنت اسكا ترجمہ فارسی میں منہل مجلسی
 حق یقین میں اس طرح پکارتے ہیں۔ کہ جناب امیر و جواب ارشاد فرموند کہ صبر کرن آتش خود را فروشان ای دست
 برگزیدہ عالمیان اسی باقی نامہ ذریت پیغمبر۔ میں سستی در امر دین خود مکر دم و آنچه از جانب خدا ما مورد بعمل
 آوردم و آنچه مقدر بود از طلب حق خود دران تقصیر مکر دم۔ و روزی تیر او اولاد ترا خدا ضامن ست۔ اس جواب
 سے کون شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس خطاب کو حضرت فاطمہؓ کے اپنی ذات پر معمول نہیں فرمایا تھا۔
 اور ان کے غصہ کو اپنی نسبت نہیں خیال کیا تھا۔ ورنہ آپ کیوں یہ فرماتے کہ میں نے کچھ تو ما ہی نہیں کی

اور جہاں تک مجھ سے ہو سکتا تھا اوس میں دریغ نہیں کیا۔ بلا اس جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ کو
 ان کی غلطی پر کجاہ کرنا منظور تھا۔ اور یہ کہنا کہ آپ غلطی پر ہیں کیوں آپ مجھ پر خفا ہوتی ہیں اور کیوں مجھے ایسی
 سخت سزا بتائیں کہ میں اور کیوں مجھے مثل جنین کے پرورش نہیں ٹھہراتی ہیں میں نے آپ کی مدد
 میں کو تو نہیں نہیں کی میں نے آپ کے دوسوی کی نائید کی آپ کے سامنے صحابہ سے جگاہ کیا۔ اور جہاں تک
 ممکن تھا ان کو ملامت کی۔ اور کا ظلم و ستم ثابت کیا اور چونکہ یہ سب باتیں میں نے آپ کے سامنے کہیں چڑھیں آپ مجھے
 خفا ہوتی ہیں اور مجھے بزدل اور مخالف ٹھہراتی ہیں یہ آپ کی شان سے بعید ہے۔ اور چونکہ یہ وہ باتیں ہیں
 جو شیعوں کی روایتوں میں تفصیل منقول ہیں اس سے وہ حضرت سیدہ کی عصمت میں غلط پیدا کرتے اور بتفقنا
 بشرت آپ کو جیغہ کرنا اقرار دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ حضرات شیعوں میں اور بے بنیاد اور غلط بات کے
 ثابت کرنے میں قس اہل فریٹ ہیں۔ ہر موقع کے لیے انھوں نے ایک روایت بنائی۔ اور ہر اعتراض کے
 لیے حضرات اپنے نزدیک ایک جواب گڑھا اور جھوٹ کو سچ کرنا چاہا۔ کاش کہ ایک ہی روایت اور ایک بات
 پر قائم رہتے تو اتنی وقت پیش نہ آتی۔ اور ایسی فصیح نہ ہوتی۔ مگر کثرت روایات اور اختلاف اقوال نے ہر جواب
 دینے کی محنت بچالیا۔ اور اس تناقض اور اختلاف کے باوجود روایتوں اور بیانات میں ہے اور نہ کوئی ایسا باطل دیکھتا
 کسی اللہ میں ان کے دعوے کی کوئی ہو سکتی ہے۔ نہ غلط بیانی اور جھوٹی شہادت پیش کرنے کے الزام سے بچ سکتے ہیں

تقریظ و پذیر و تحریر بی نظیر از تازہ افکار طبع نازک خیال نکتہ فہم جاد و مقال ناشر
 عدیم البدل ناظم اکمل مولوی محمد مجیب صاحب و کلیل رسد اول حیدرآباد کوئٹہ

حادثہ و معلیٰ خاکیا سے انام محمد مجیب صاحب کے نام۔ ناظرین کی خدمت میں عرض پیرا ہے کہ میں نے
 آیات بنیات کا دو سراسر حصہ سمیٹ کر کا بیان ہر اول سے آخر تک کی مصنف نے برمی محنت و ذہانت
 و طمانیت کے پیرا میں پہلے مذکر کی حقیقت میں بعد اسکی پیداوار اور صدور اور بعد از یہ امر کہ زمانہ رسوخ اصل اللہ علیہ السلام
 میں اسکی مدنی کس صرف میں خرچ کی جاتی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا آیا اور علی اور اسکی

یہی جو پھر صاحب کی حیات میں تھی یا اوسمیں کچھ تغیر و تبدل ہوا خصوصاً جناب لاریت صاحب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں وہ لکے قبضہ میں ہا اور اوسے اہمیت کو جو الکیا یا مثل زمانہ سابق یہ بھی عمل پیرا ہو اسکے بعد منصفین حضرت شیعہ کے تہم لفظ احضات جہنم کی نسبت وارد کئے ہیں نقل کر کے ہر ایک کا جواب برفرغ و بسط سے مہذبانہ الفاظ میں فریقین کی کتب سے ادا کیا جس سے ہر مفسر ساکت ہو جاتا ہے پھر اسے کوئی موقع طعن و تشنیع کا ہاتھ نہیں آتا جو اسکے پہا بھی بعض حکامین نے حضرت شیعہ کو جواب دیے ہیں وہ بہت ہی مختصر اور شرح طلب ہیں اور جنس کی تو ایسی عبادت تہنق و مطلق ہے جسکے سمجھنے کے لیے کتب لغات مصطلحی ایک معاینہ کی ضرورت پڑتی ہے ہونا علیہ یہی تحریر کی ضرورت تھی جسکے الفاظ شستہ معانی و مضمون نیز مہون کی توضیح معاینہ آیات بنیات کے دوسرے حصے مصنف عمده و مستملین مبرہ الحدیثین جامع معقول و منقول حاوی فرع وصول اسلام اور سی سید محمد حمہد علی بن اوام اس مظہر تقوی سے ہوتی ہے اس کتاب حصہ اولی کو تالیف کے ساتھ ایسی مناسبت ہو جیسے کھانے کو نمائے۔ عروس کو زیور سے۔ دعا کو اجابت سے۔ سچ تو یہ ہے کہ مصنف کی تحریر و تقریر اس در و شور کی ہو گویا ایک بحر زخار ہے جو جو حدین باز آہر طبیعت میں وہ آنگ ہے کہ دفتر کے دفتر لکھتے ہیں تب بھی مضمون آفرینی کم نہو بلکہ نئے مضامین اور جدید تقریر ہو۔ ہر دعوی کی دلیل قطعی بہ حجت پر برابر میں ماطعہ قائم کیے ہیں مخالفت کو اوسکی دلیل سے قائل کیا ہے حق و باطل کا نوٹ کھینچ کر سامنے رکھا یا ہر ناظر دیکھتے ہیں بلا مامل و غرض حق و باطل کی تیز کر لیا ہے اس کتاب کی جس قدر تعریف کی جاے وہ کم ہے ہر قلم میں اس قدر طاقت نہیں کہ اوسکی تعریف لکھ سکے زبانیں اتنی گویائی کہاں ہوا دیکھا وصف بیان کر سکے

منطق نہیں حساب یہ جذر اصم کا ہے	تحقیق و وصف کس سے ہو تقریب کے سوا
<p>اسکا حصہ اولی جو زمانہ گذشتہ میں وکلا و نمین طبع ہوا تھا وہ کثرت خریداروں کی وجہ سے ہاتوں ہاتھ فروخت ہوا تھا اب اوسکے دوبارہ چھپنے کی ضرورت ہو رہی ہے اسکی لینے کی حاجت ہے اوسی طرح سے اللہ تعالیٰ اس حصہ کو بھی مقبول خاص و عام فرمائے اور مصنف کے روز بروز مراتب بڑھانے مصنف مدوح نے اس حصہ کے طبع کرنے کی اجازت جناب صاحب و الاشان رفیع المکان حافظ عبد الواجد خان سلمہ انسان مالک مطبع مصطفائی کو عطا فرمائی ہے جنہا نے وقت طبع پر اہتمام فرمایا ہے کتاب بھر میں ایک حرف بھی غلط نہیں آنے پایا ہے جو اسکے لکھنے کے شتاق</p>	

میں سب تمام ہونے کتاب مذکور کے اوکے دل پر مردہ ہو گئے تھے از سر نو اسکی میر سے اوکے غنچہ انہما
شکستہ ہو گئے اس جھپڑان کج مچ زبان نے قطعات طبع سوزن کیے ہیں وہ ذیل میں درج ہیں قطعہ رقم

طبع گردی حصہ دومی نیز آیات بیانات ایک سال بخش محبت از سر نو زور رقم قصہای بلغ ذک

ولہ

رو تحقیق حصہ دومی چھپا آیات بیانات کا جبہ میں نے بھی از سر نو سجد لکھ دیا فی اسے غضب

ولہ

آیات بیانات کا جبہ حصہ دوسرا چھتے سنا تجیب نے بس ہو کے فرحناک
بے اختیار اوٹھا کے قلم صاف لکھ دیا تاریخ طبع پاک ہے تاریخ طبع پاک

ولہ

آیات بیانات کا حصہ یہ دوسرا لکھا بھی خوب واقعی چھا پا بھی خوب ہی
انصاف سے جو دیکھو تو تنے بھی امی مجیب تاریخ اوکے حجت اثبات کیا لکھی

ولہ

چھپتی ہے جلد ثانی آیات بیانات کھک مجیب دیکھ کے پائے ادب بڑھا
تاریخ اوکے لکھنی ہے اس بات کی ہے فکر لکھ مذہبی مباحثہ کس بات کی ہے فکر

خاتم الطبع

احمد مد علی لطفہ اعظم احسانہ الغنیم کہ کتاب آیات بیانات کی دوسری جلد جو بحث فکر میں ہو مولفہ جناب نواب محسن الدولہ
محسن الملک مولوی سید محمد محمد علی خان صاحب سہ ماہ زاد امد اللہ الاجلال تقاضا ہے اجازت جناب مولف
مدوح پہلی جلد کے دونوں کڑوں کے طو سے حافظ محمد عبدالواحد خان نے اپنے مطبع مصطفائی واقع
لکھنؤ سحر محمد نگر میں تاریخ (۲۷) شوال المعظم ۱۳۱۵ھ میں چھپوایا باقی کڑو سے اس جلد کے بھی
کے حکم و برگ چھپوانے جا نہیں گئے تاریخ ۱۲۱۵ھ میں مولفہ نے مولفہ نے مولفہ نے مولفہ نے مولفہ نے مولفہ نے

انہما سب کتاب بربوب قانون ہشتاد و ایک ہجری کرانی کوئی اور شخص چھاپنے کا جا نہیں ہے بلا اجازت مولف

